[illegible]

100 [illegible]

الکلام

حصہ دوم

شبلی نعمانی

۱۹۰۶ء

سلسلهٔ آصفیہ

جلد ہشتم

الکلام

یعنی علم کلام جدید جسمین اسلام کے تمام عقائد کو فلسفۂ حال کے مقابلہ مین نہایت بسط اور خوبی کے ساتھ ثابت کیا گیا ہی

مؤلفہ

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی

معتمد دار العلوم ندوۃ العلماء فیلو آف الہ آباد یونیورسٹی سابق ناظم سررشتۂ علوم و فنون حیدرآباد ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

جسکو

مولوی سلیمان صاحب ناظم انجمن المعین ندوۃ العلماء نے انجمن المعین کی طرف سے

عمدۃ المطابع لکھنؤ مین چھپوایا

سلسلۂ آصفیہ

الکلام

حصہ دوم

یعنی علم کلام جدید جسمین اسلام کے عقائد کو فلسفۂ حال کے مقابلہ مین ثابت کیا گیا ہی

مرتبہ

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی سابق ناظم سررشتۂ علوم و فنون حیدرآباد و پروفیسر
مدرسۃ العلوم علیگڈھ و فیلو آف الہ آباد یونیورسٹی و ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ و معتمد دار العلوم
ندوۃ العلماء

عمدۃ المطابع لکھنؤ مین چھپا

۱۹۰۶ء

فہرست الکلام حصہ دوم

دیباچہ

مذہب اسلام تین چیزون کے مجموعہ کا نام ہے

عقائد، عبادات، اخلاق۔

عقائد مین اصل الاصول دو ہین، وجود باری، اور نبوت، اس کتاب مین انھی دو اصول سے بحث ہے، باقی مباحث تبعاً اور ضمناً آ گئے ہین۔

قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا مہمات عقائد مین ہے لیکن اس کے لیے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، اس لیے اس حصہ مین مین نے اس سے بحث نہین کی۔ بلکہ اس کو ایک مستقل کتاب کے لیے اٹھا رکھا ہے جو الکلام کا دوسرا حصہ ہوگا اور جس کا نام علوم القرآن ہوگا۔

عبادات اور اخلاق کا بیان بھی اسی کتاب مین آجائیگا اس طرح علم کلام کا سلسلہ تین جلدون مین پورا ہو جائے گا، متکلمین کی سوانح عمریان اس سلسلہ سے الگ ہین خدا ان کے اتمام کے بھی اسباب بہم پہونچائے۔

شبلی نعمانی

حیدرآباد دکن

نتوان زگفتگو بہ حقیقت رسید لیک ؛ افسانۂ زگوہر نایاب مفتنی ست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حصہ دوم

علم کلام جدید

حامداً و مصلیاً

جدید علم کلام کا مایۂ خمیر اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے حصہ کے دیباچہ مین لکھ آتے ہین وہی قدیم علم کلام ہی تاہم اسکی تدوین و ترتیب جس حیثیت سے ہوگی چاہیے اسکے لحاظ سے اسکو جدید بھی کہ سکتے ہین - اس اجمال کی تفصیل یہ ہی -

تم پڑھ آئے ہو کہ علم **کلام** کے مختلف طریقے اور مختلف شاخین ہین ان ہین جو طریقہ حقیقی علم کلام کہلانے کا مستحق تھا وہ قدما کا علم کلام تھا لیکن قدما کی ایک تصنیف بھی آج موجود نہین، ملل و نحل - کتب کلامیہ - اور تفسیر کبیر مین جستہ جستہ قدما کے اقوال مذکور ہین ان تمام اقوال کو اس استقصا کے ساتھ جمع کرنا چاہیے کہ علم کلام کے اہم مسائل آجائین متاخرین مین سے جو لوگ اہل حقیقت تھے انھون نے یہ طرز اختیار کیا تھا کہ درسی کتابین عام مذاق کے موافق لکھتے تھے، اور اپنے اصلی خیالات و معتقدات دوسری کتابون مین ظاہر کرتے تھے جنکی نسبت یہ بھی تاکید کرتے تھے کہ عوام پر ظاہر نہ کی جائین - مثلاً علم کلام مین امام **غزالی** کی متعدد تصنیفات ہین قواعد العقائد - اقتصاد - تہافتہ الفلاسفہ وغیرہ وغیرہ

لیکن اُنھون نے خود جابجا مختلف کتابون مین تصریح کی ہے کہ ان تصنیفات مین جو باتین مذکور ہین وہ اصلی حقائق نہین ہین بلکہ عوام کے عقائد محفوظ رکھنے کے لئے ہین۔

جواہر القران[۱] مین جہان علوم قرآنی کا بیان کیا ہے لکھتے ہین۔

الثانی هو محاجة الكفار ومجادلتهم ومنه ينشعب علم الكلام المقصود لرد الضلالات والبدع وازالة الشبهات ويتكفل به المتكلمون وهذا العلم قد شرحناه على طبقتين سمينا الطبقة القريبة منها الرسالة القدسية والطبقة التي فوقها الاقتصاد في الاعتقاد ومقصود هذا العلم حراسة عقيدة العوام عن تشويش المبتدعة ولا يكون هذا العلم مليا بكشف الحقائق وبجنسه يتعلق الكتاب الذي صنفناه في تهافة الفلاسفة والذي اوردناه في الرد على الباطنية في الكتاب الملقب بالمستظهري وفي كتاب حجة الحق وقاصم الباطنية وكتاب المفصل للخلاف في اصول الدين

دوسرا علم - کافرون سے بحث و مجادلہ کرنا ہے اور اسی سے علم کلام پیدا ہوتا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ بدعتون کو رد کیا جائے اور شبہے زائل کیے جائیں اور اس علم کے متکفل متکلمین ہین - اور ہم نے اس علم کو دو انداز پر لکھا ہے، جو معمولی ہے اسکا نام رسالہ قدسیہ ہے اور جو اس سے بلند تر ہے اسکا نام الاقتصاد فی الاعتقاد ہے اور مقصود اس علم کا عوام کے عقیدہ کو بدعتون کی رخنہ اندازی سے محفوظ رکھنا ہے اور اس علم مین حقائق ظاہر نہیں کیے جاتے - اور اسی قسم کی ہماری وہ کتاب ہے جسکا نام تہافتہ الفلاسفہ ہے اور مستظہری جو باطنیہ کی رد مین ہے اور حجۃ الحق - وقاصم الباطنیہ. وکتاب المفصل للخلاف فی اصول الدین -

امام غزالی نے تصریح کی ہے
کہ کتب متداولہ مین جو
اصل حقیقت ظاہر نہین ک

[۱] جواہر القران کا کامل نسخہ میرے پاس موجود ہے لیکن اسکے کچھ اجزا بمبئی مین چھپ گئے ہین اور یہ عبارت اسمین موجود ہے

ان تصریحات سے قطع نظر کرکے امام صاحب کی کتابین خود اس باتکی شہادت دے رہی ہین وہی عقائد جنکو کتب کلامیہ مین بڑے زور شور سے ثابت کرتے ہین، دوسری تصنیفات مین اُن کی نسبت لکھدیتے ہین کہ ان عقائد کی اصلی حقیقت کچھ اور ہے جن تصنیفات مین امام صاحب نے اسلام کے اصلی عقائد اور اُن کے حقائق بیان کیے ہین ان کو نہایت اہتمام سے مخفی رکھنا چاہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود مختصر اور سہل ہونے کے وہ رواج پذیر نہین، خدا کی ذات صفات۔ افعال۔ اور قیامت کے متعلق عقائد کو اُنھون نے احیاء العلوم وغیرہ مین نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن جواہر القرآن مین لکھتے ہین کہ

وَهٰذِهِ الْعُلُوْمُ الْاَرْبَعَةُ اَعْنِیْ عِلْمَ الذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَالْاَفْعَالِ وَعِلْمَ الْمَعَادِ اَوْدَعْنَا مِنْ اَوَائِلِهٖ وَمَجَامِعِهٖ الْقَدْرَ الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْهُ مَعَ قُصُوْرِ الْعُمْرِ وَكَثْرَةِ الشَّوَاغِلِ وَالْاٰفَاتِ وَقِلَّةِ الْاَعْوَانِ وَالرُّفَقَاءِ بَعْضَ التَّصَانِيْفِ لٰكِنَّا لَمْ نُظْهِرْهُ فَاِنَّهٗ يَكِلُّ عَنْهُ اَكْثَرُ الْاَفْهَامِ وَيَسْتَضِرُّ بِهِ الضُّعَفَاءُ وَهُمْ اَكْثَرُ الْمُتَرَسِّمِيْنَ بِالْعِلْمِ بَلْ لَا يَصْلُحُ اِظْهَارُهٗ اِلَّا عَلٰى مَنْ اَتْقَنَ عِلْمَ الظَّاهِرِ وَسَلَكَ فِیْ قَمْعِ الصِّفَاتِ الْمَذْمُوْمَةِ مِنَ النَّفْسِ طُرُقَ الْمُجَاهَدَةِ حَتّٰى ارْتَاضَتْ

یہ چارون علوم یعنی علم ذات وصفات وافعال ومعاد انکی ابتدائی اور جامع صول، جہانتک مجکو معلوم ہوسکی مین نے بعض تصنیفات مین درج کیے۔ باوجود اسکے کہ فرصت کم اور آفتین بہت تھین، اور دوست ومددگار کم یاب تھے، لیکن ان تصنیفات کو مین نے ظاہر نہین کیا کیونکہ اکثر لوگ اُن کو سمجھ نہ سکتے اور اُن سے اُنکو نقصان پہنچتا اور مدعیان علم اکثر اسی قسم کے ہین، ان تصنیفات کو صرف ان لوگون کے سامنے ظاہر کرنا چاہیے جنکو علم ظاہر مین کمال حاصل ہوچکا ہو اور صفات مذمومہ کے دور کرنے مین اسقدر کوشش کرچکے ہون کہ ان کا نفس رام

نَفْسَہٗ وَاسْتَقَامَتْ عَلٰی سَوَاءِ السَّبِیْلِ فَلَمْ یَبْقَ لَہٗ حَظٌّ فِی الدُّنْیَا وَلَمْ یَبْقَ لَہٗ طَلَبٌ اِلَّا الْحَقُّ وَرُزِقَ مَعَ ذٰلِکَ فِطْنَۃً وَقَادَۃً وَقَرِیْحَۃً مُنْقَادَۃً وَذَکَاءً بَلِیْغًا وَفَہْمًا صَافِیًا وَحَرَامٌ عَلٰی مَنْ یَقَعُ ذٰلِکَ الْکِتَابُ بِیَدِہٖ اَنْ یُّظْہِرَہٗ اِلَّا عَلٰی مَنِ اسْتَجْمَعَ فِیْہِ ہٰذِہِ الصِّفَاتُ	ہوگیا ہو اور دنیا کی خواہش بالکل باقی نہ رہی ہو، اور طلب حق کے سوا انکی اور کچھ غرض نہ ہو۔ ان سب باتون کے ساتھ ذکی الطبع۔ خوش فہم۔ حدید الذہن۔ سلیم الطبع ہون جس کے ہاتھ مین یہ تصنیف پڑجائے اسپر حرام ہے کہ کسی شخص کے سامنے اُس کو ظاہر کرے بجز ایسے شخص کے جسمین یہ تمام صفات جمع ہون

امام صاحب کے ان الفاظ پر خوب غور کرو۔ فرماتے ہین کہ ”اصلی حقائق لوگون کے سامنے بیان کیے جائین تو اُن کی سمجھ مین نہ آئین اور اُن کو نقصان پہنچائین“۔ اس پر شاید کسی کو خیال ہوتا کہ یہ تو عوام کی حالت ہے۔ علما کے سامنے اظہار حقائق مین کیا تامل ہو سکتا ہے اسلیے جتا دیا کہ آج کل جو علما ہین وہ عوام ہی کے ہم پایہ ہین

مخاطب صحیح کے لیے بڑی قید یہ لگاتے ہین کہ دنیا سے اُس کو کسی قسم کی غرض نہ ہو“ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حقائق اصلی کے ظاہر کرنے پر، عوام برہم ہوتے ہین، اسلیے اس منصب کا وہ مستحق ہے جس کو عوام کی کچھ پروا نہ ہو۔

امام رازی کی نسبت اُن کے حالات مین تم پڑھ آئے ہو کہ وہ اپنے اصلی خیالات کس کس غیر معمولی پیرایہ مین ظاہر کرتے ہین، **ابن رشد** نے اپنی تصنیفات مین صاف لکھدیا ہے کہ جمہور کے سامنے اصلی حقائق ظاہر نہ کرنی چاہییں۔

اب جدید علم کلام کے مرتب کرنے والے کا یہ کام ہے کہ ان بزرگون نے جن خزانون کو

سر بہ مہر رکھا تھا ان کو وقف عام کر دے۔

قدیم علم کلام میں صرف، عقائد اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی کیونکہ اس زمانے میں مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کئے تھے عقائد ہی کے متعلق تھے لیکن آج کل تاریخی، اخلاقی، تمدنی، ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے، یورپ کے نزدیک، کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہیں جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں ان کے نزدیک، تعدد نکاح۔ طلاق، غلامی، جہاد کا کسی مذہب میں جائز ہونا، اس مذہب کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے، اس بنا بر علم کلام میں اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کرنی ہو گی۔ اور یہ حصہ بالکل نیا علم کلام ہو گا

سب سے بڑی ضروری چیز یہ ہے کہ دلائل اور براہین ایسے صاف اور سادہ پیرایہ میں بیان کی جائیں کہ سریع الفہم ہونے کے ساتھ دل میں اتر جائیں۔ قدیم طریقہ میں پیچ در پیچ مقدمات، منطقی اصطلاحات۔ اور نہایت دقیق خیالات سے کام لیا جاتا تھا۔ اس طریقہ سے مخالف۔ مرعوب ہو کر چپ ہو جاتا تھا لیکن اس کے دل میں یقین اور وجدان کی کیفیت نہیں پیدا ہوتی تھی

غرض، جدید علم کلام کے ترتیب دینے میں، انھی امور مذکورہ کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے اخیر میں تخصیص کے ساتھ، ان بزرگوں کے نام بتا دینے بھی ضرور ہیں۔ جو اس علم کلام کے ماخذ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ ابو مسلم اصفہانی۔ قفال۔ ابن حزم۔ امام غزالی۔ راغب اصفہانی۔ ابن رشد۔ امام رازی۔ شاہ ولی اللہ

علوم جدیدہ اور مذہب

تمام دنیا مین ایک غل مچ گیا ہے کہ "علوم جدیدہ اور فلسفہ جدیدہ نے مذہب کی بنیاد متزلزل کر دی ہے"، فلسفہ اور مذہب کے معرکہ مین ہمیشہ اس قسم کی صدائین بلند ہوتی رہی ہین، اور اس لحاظ سے یہ کوئی نیا واقعہ نہین، لیکن آج یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ فلسفہ قدیمہ قیاسات اور ظنیات پر مبنی تھا اس لیے وہ مذہب کا استیصال نہ کرسکا بخلاف اسکے فلسفہ جدیدہ تمام تر تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے، اس لئے مذہب کسی طرح اُسکے مقابلہ مین جانبر نہین ہوسکتا

یہ ایک عام صدا ہے جو یورپ سے اٹھکر تمام دنیا مین گونج اٹھی ہے، لیکن ہم کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ اس واقعیت مین مغالطہ کا کس قدر حصہ شامل ہوگیا ہے۔

یونان مین فلسفہ ایک مجموعہ کا نام تھا جس مین طبعیات۔ عنصریات، فلکیات۔ الہیات مابعد الطبیعہ سب کچھ شامل تھا لیکن یورپ نے نہایت صحیح اصول پر اس کے دو حصے کر دیے، جو مسائل، مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر قطعی اور یقینی ثابت ہوگئے ان کو سائنس کا لقب دیا جو مسائل، تجربہ اور مشاہدہ کی دسترس سے باہر تھے اُن کا نام فلسفہ رکھا۔

مسائل جدیدہ، کی نسبت یہ عام خیال جو پھیلا ہوا ہے کہ وہ قطعی اور یقینی ہین اس مین پہلی غلطی یہ ہے کہ جو چیزین قطعی اور یقینی ہین وہ صرف سائنس کے مسائل ہین اور یہی وجہ ہے کہ یورپ مین انکی نسبت طبقہ علما مین کسی قسم کا اختلاف نہین۔ لیکن فلسفہ کی یہ حالت نہین ہے یورپ مین آج فلسفہ کے بیسون اسکول ہین، اور ان مین اس شدت سے اختلاف ہے کہ اگر ان سب کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک ہی چیز سفید بھی ہوسکتی ہے

اور سیاہ بھی،

اب دیکھنا چاہیے کہ سائنس کو مذہب سے کیا تعلق ہے۔ سائنس جن چیزون کا اثبات یا ابطال کرتا ہے، مذہب کو ان سے مطلق سروکار نہین، عناصر کس قدر ہین؟ پانی کن چیزون سے مرکب ہے؟ ہوا کا کیا وزن ہے؟ نور کی کیا رفتار ہے؟ زمین کے کسقدر طبقات ہین؟ یہ اور اس قسم کے مسائل، سائنس کے مسائل ہین، مذہب کو ان سے کچھ سروکار نہین، مذہب جن چیزون سے بحث کرتا ہے وہ یہ ہین، خدا موجود ہے یا نہین؟ مرنے کے بعد اور کسی قسم کی زندگی ہے یا نہین؟ خیر و شر یا نیکی و بدی کوئی چیز ہے یا نہین؟ ثواب و عقاب ہے یا نہین؟ ان مین سے کون سی چیز ہے جس کو سائنس ہاتھ لگا سکتا ہے؟ سائنس کے اساتذہ نے جب کہا ہے تو یہ کہا ہے کہ ہم کو ان چیزون کا علم نہین یا یہ کہ، یہ چیزین مشاہدہ اور تجربہ کے احاطہ سے باہر ہین، یا یہ کہ ہم ان باتون کا یقین نہین کرتے کیونکہ ہم صرف اُن باتون کا یقین کرتے ہین جو تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہو سکتی ہین، کوتاہ نظر عدم علم کے علم عدم سمجھ جاتے ہین۔ سائنس والے کہتے ہین کہ ہم کو یہ چیزین معلوم نہین، کوتاہ بین اسکے یہ معنے لیتے ہین کہ ہم کو ان چیزون کا نہ ہونا معلوم ہے، حالانکہ ان دونون باتون مین زمین و آسمان کا فرق ہے۔

یورپ مین تقسیم عمل کے اصول پر عمل ہے یعنی تمام اہل فن نے اپنے اپنے کام تقسیم کر لئے ہین اور ہر فرقہ اپنے کام مین اس طرح مشغول ہے کہ اس کو دوسری چیزون سے مطلق غرض نہین۔ ان مین ایک فرقہ مادیین کا (میٹرلیسٹ) ہے جس کا موضوع بحث

مادہ ہے۔ اس گروہ نے مادہ کے متعلق نہایت عجیب عجیب اسرار معلوم کیے ہین یہی فرقہ ہے
جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مذہب کا۔ خدا کا۔ روح کا منکر ہے، لیکن درحقیقت وہ
ان باتون کا منکر نہین بلکہ یہ کہتا ہے کہ ان چیزون کا ثبوت ہمارے دائرہ تحقیقات سے باہر ہے،
پروفیسر لیتیریہ IETTRE جو اس گروہ کا بہت بڑا عالم ہے، لکھتا ہے کہ "چونکہ ہم کائنات
کی آغاز اور انجام سے ناواقف ہین اسلئے ہمارا یہ منصب نہین کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا
انکار کرین جسطرح ہمارا یہ کام بھی نہین کہ ہم اس کو ثابت کرین۔ مادی مذہب اپنے آپکو عقل اوّل
کے وجود کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہے کیونکہ اس کو اسکے متعلق کسی قسم کا علم نہین۔ ہم
حکمت الہی کے نہ منکر ہین نہ مثبت۔ ہمارا کام نفی و اثبات سے بالکل الگ رہنا ہے"

فرانس کے ایک طبی رسالہ مین ایک دفعہ ایک مضمون چھپا تھا کہ "ادراک اور فکر اس
فاسفورس سے پیدا ہوتا ہے جو دماغ مین ہے اور فضائل انسانی مثلاً شجاعت، خلاص،
شرافت نفس، یہ سب اعضائے انسانی کی کہربائی تموجات ہین" اس پر فرانس کے ایک
مشہور فاضل کامل فلامریان نے جو طبعیات کا بڑا ماہر ہے، ایک مضمون لکھا جس مین اسنے
مضمون نگار سے اسطرح خطاب کیا۔

"یہ کس نے تم سے کہا؟ لوگون کو گمان ہوگا کہ تمھارے استادون نے تمکو یہ سکھایا
ہوگا۔ لیکن یہ گمان صحیح نہین، مین نہین جانتا کہ یہ بیہودہ دعوی زیادہ تر قابل تعجب ہے؟ یا مدعیان
علم کی جرأت؟ نیوٹن جب کوئی مسئلہ بیان کرتا تھا تو کہتا تھا کہ "بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے"
کیپلر کہا کرتا تھا کہ "تم ان چیزون کو فرض کرلو" بخلاف اس کے تم لوگ کہتے ہو کہ "ہم ثابت

کرسکتے ہین" "وہم باطل کرسکتے ہین" "یہ موجود ہے یہ معدوم ہے" "علم نے یہ فیصلہ کردیا ہے" "علم نے یہ ثابت کردیا ہے" حالانکہ تمھارے ان دعووں مین علمی دلائل کی جھلک بھی نہین۔ تم اپنی حماقت سے دلیری کرکے علم پر اس قدر بڑا بار ڈال دیتے ہو؟ جو باتین تم کہتے ہو اگر علم کے کانین پڑجائین (اور پڑنی ہی چاہیین کیونکہ تم علم کے فرزند ہو) تو تمھاری حماقت پر اس کو ہنسی آجائیگی تم کہتے ہو کہ "علم مثبت ہے۔ نافی ہے۔ آمر ہے۔ ناہی ہے" یہ باتین کہکر غریب علم کے ہونٹون پر ایسے بڑے بڑے بھاری الفاظ رکھدیتے ہو جس سے ممکن ہے کہ اُس کے دلمین غرور آجائے عزیزو! علم۔ ان تمام مسائل مین سے نہ کسی کا اثبات کرتا ہے نہ انکار"

یہ ہے ماہرین فن کی رائے، لیکن بعض کم درجہ کے مادیین، اپنی حد سے بڑھکر نفی کا دعوے بھی کر بیٹھتے ہین، اور انھی کی ملمع کاریان ہین جس نے ہمارے ملک کے نوجوانونکی آنکھون کو خیرہ کردیا ہے، اسلیئے ہم کو زیادہ غور وفکر سے دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے دعوی پر کس قسم کے دلائل قائم کرتے ہین۔ مثال کے لیئے ہم ایک اہم مسئلہ یعنی روح کے وجود کے متعلق اُن کے اقوال نقل کرتے ہین

ڈاکٹر شفلر Sheffrer کہتا ہے کہ "روح مادہ ہی کی ایک قوت کا نام ہے جو اعصاب سے پیدا ہوتی ہے" و یرشو کا قول ہے کہ "روح ایک قسم کی میکانکل حرکت ہے" بوشنر Buchner کہتا ہے کہ "انسان صرف مادہ کا ایک نتیجہ ہے۔ دو بوا ریمون Du Bois Reymond کہتا ہے کہ "تمام اعصاب مین ایک کہربائی تموج پایا جاتا ہے اور جس کو فکر کہتے ہین وہ مادہ ہی کی ایک کا نام ہے" دو ترشیہ Du Dutrochet

جو فزیکل سائنس کا بڑا عالم ہے کہتا ہے کہ "زندگی فطرت کا کوئی اصلی قاعدہ نہین بلکہ ایک اتفاقی استثنا ہے جو مادّہ کے عام اصولون کے مخالف ہے" فرانس کے ایک مشہور ہیگزین نے ایک مضمون مین بیان کیا تھا کہ دماغ مین جو فاسفورس ہے فکر اسی کا ایک نتیجہ ہے اور جس چیز کو اخلاص، شجاعت اور فضیلت کہتے ہین وہ اعضاے جسمانی کی کہربائی ہوجین ہین کیا یہ رائین قطعیات مین شمار ہو سکتی ہین - کیا انکی بنا پر یہ دعوی کیا جا سکتا ہو کہ علوم جدیدہ نے روح کو باطل ثابت کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور سائنس کے حدود بالکل الگ الگ ہین، سائنس کا جو موضوع ہے مذہب کو اس سے کچھ واسطہ نہین اور مذہب کو جن چیزون سے بحث ہے، سائنس کو ان سے کچھ غرض نہین، فلسفہ البتہ کہین کہین مذہب سے ٹکرا جاتا ہے لیکن قطعیات اور یقینیات مین اس کا شمار نہین اور یہی وجہ ہے کہ اُسکے مختلف اسکول ہین اور ان اسکولون مین باہم نہایت سخت اختلاف ہے - ان مین سے بعض خدا کے منکر ہین تو بہت سے خدا کے قائل بھی ہین، وجود روح کے مقر بھی ہین اور منکر بھی - اخلاق کے اصول ایک فرقہ کے نزدیک کچھ ہین اور دوسرے کے نزدیک کچھ اس حالت مین مذہب اس لحاظ سے مطمئن رہتا ہے کہ

چو دیدی کہ در دشمن افتاد جنگ

خلط بحث اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب سائنس اور مذہب دونون مین سے کوئی اپنی حد سے بڑھ کر دوسرے کی حد مین قدم رکھتا ہے اور یہی خلط بحث تھا جس نے ملاحدہ اور منکرین مذہب کے خیالات کو قوت دی بلکہ درحقیقت اسی خلط بحث نے الحاد اور بیدینی کے

خیالات پیدا کر دئے۔ یورپ مین پہلے مذہب کو اس قدر وسیع کر دیا گیا تھا کہ کسی قسم کا کوئی علمی مسئلہ مذہب کی دست اندازی سے بچ نہین سکتا تھا چنانچہ خاص اس مقصد کی غرض سے سپین مین مجلس انکویزیشن قائم ہوئی تھی جس کا کام یہ تھا کہ جو لوگ، مذہب کے خلاف کچھ کہتے ہون ان کی تحقیقات کرے اور ان پر کفر اور ارتداد کا الزام لگائے، چنانچہ اٹھارہ برس مین یعنی ۱۴۸۱ء سے لیکر ۱۴۹۹ء تک۔ دس ہزار دو سو بائیس آدمی، ارتداد کے الزام مین زندہ آگ مین جلا دئے گئے، اس مجلس نے ابتداے قیام سے اخیر زمانہ تک تین لاکھ چالیس ہزار آدمیونکو کافر اور ملحد قرار دیا جن مین سے کئی لاکھ آگ مین جلا دئے گئے۔

جس قسم کی باتون پر کفر کا الزام لگایا جاتا تھا اس کا اندازہ۔ ذیل کے واقعات سے ہوگا کوپرنیکس نے نظام بطلیوسی سے انکار کر کے یہ ثابت کیا کہ زمین اور چاند وغیرہ آفتاب کے گرد گھومتے ہین۔ اس پر مجلس انکویزیشن نے فتوی نافذ کیا کہ یہ راے۔ کتاب مقدس کی مخالف ہے اور اس بنا پر کوپرنیکس مرتد اور کافر ہے۔

گلیلو نے جو دوربین کا موجد گذرا ہے ایک کتاب کوپرنیکس کی حمایت مین لکھی جس مین ثابت کیا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ اس پر مجلس انکویزیشن نے فتوی دیا کہ وہ مستوجب سزا ہے چنانچہ اس کو گھٹنون کے بل کھڑا کر کے یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس مسئلہ سے انکار کرے۔ لیکن جب وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہا تو قید خانہ بھیجدیا گیا۔ اور دس سال تک محبوس رہا۔

کولمبس نے جب کسی نئے جزیرہ کے دریافت ہونے کی امید پر سفر کرنا چاہا تو کلیسا نے فتوی دیا کہ اس قسم کا ارادہ، مذہب کے خلاف ہے۔

زمین کے کروی ہونے کا خیال جب اول اول ظاہر کیا گیا تو پادریون نے سخت مخالفت کی کہ یہ اعتقاد کتاب مقدس کے خلاف ہے۔

غرض ہر قسم کی علمی ایجادات اور اکتشافات پر پادریون نے کفر و ارتداد کے الزام لگائے تاہم چونکہ علمی ترقی کا اٹھان تھا ان کی کوششین بے کار گیئن، اور علوم و فنون تکفیر ہی کے سایہ مین پھولے اور پھلے۔

پادریون کے تعصبات اور وہم پرستی اگرچہ علم کو دبا نہ سکے لیکن اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ علمی گروہ نے پادریون ہی کے خیالات اور اوہام کو مذہب سمجھا اور اس بنا پر نہایت مضبوطی سے ان کی راے قائم ہوگئی کہ مذہب جس چیز کا نام ہے وہ علم اور حقیقت کے خلاف ہے یہی ابتدائی خیال ہے جس کی اواز بازگشت آج تک یورپ مین گونج رہی ہے

بے شبہ اگر مذہب اسی چیز کا نام ہے تو وہ سائنس کے مقابلہ مین کسی طرح نہین ٹھہر سکتا لیکن اسلام نے پہلے ہی دن کہدیا تھا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمُوْرِ دُنْیَاکُمْ یعنی تم لوگ دنیا کی باتین خود خوب جانتے ہو، یہ ظاہر ہے کہ سائنس اور تمام علوم جدیدہ اسی دنیا سے متعلق ہین معاد اور آخرت سے انکو کچھ واسطہ نہین۔

اس موقع پر یہ نکتہ لحاظ کے قابل ہے کہ اسلام مین سیکڑون فرقے پیدا ہوے اور ان مین اس قدر اختلاف رہا کہ ایک نے دوسرے کی تکفیر کی، یہ تکفیر بڑے بڑے مسائل پر محدود نہ تھی بلکہ نہایت چھوٹی چھوٹی بات پر ایک دوسرے کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن علمی تحقیقات اور اکتشافات کی بنا پر کبھی کسی شخص کی تکفیر نہین کیگئی

قدماے مفسرین کا خیال تھا کہ پانی آسمان سے آتا ہے یعنی آسمان پر ایک دریا ہے، بادل اسی سے پانی لیتے ہین اور برساتے ہین، آفتاب، پانی کے ایک چشمہ مین غروب ہوتا ہے، زمین مسطح کروی نہین۔ ستارے جو ٹوٹتے ہین شیاطین کے شعلہ ہاے آتشین ہین، مفسرین ان تمام باتون کو قرآن کے نصوص سے ثابت سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام رازی نے مفسرین قدیم کے یہ تمام اقوال تفسیر کبیر مین نقل کئے ہین،

لیکن جب عباسیون کا علمی دور آیا اور فلسفہ اور طبعیات نے ترقی کی تو لوگون نے ان خیالات کی مخالفت کی، باوجود اسکے خود مفسرین کے گروہ مین سے ایک شخص نے بھی ان لوگون کو کافر اور منکر قرآن نہین کہا معتزلہ کو محدثین اس بنا پر کافر کہتے ہین کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہین لیکن اس بنا پر کوئی انکو کافر نہین کہتا کہ وہ جادو کی حقیقت سے منکر ہین غرض جس حد تک تحقیق و تفتیش کیجائے۔ عموماً یہ ثابت ہوگا کہ مسلمانون نے علمی تحقیقات اور ایجادات کو کبھی مذہب کا حریف مقابل نہین سمجھا بلکہ محققین نے صاف تصریح کر دی کہ اسباب کائنات، اور مسائل ہیئت، وغیرہ **نبوت** کی سرحد سے بالکل الگ ہین اور انبیا کو تہذیب اخلاق کے سوا اور کسی چیز سے غرض نہین۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین۔

وَمِنْ سِيَرِهِمْ اَنْ لَا يَشْتَغِلُوا بِمَا لَا يَتَعَلَّقُ بِتَهْذِيْبِ النَّفْسِ وَسِيَاسَةِ الْاُمَّةِ كَبَيَانِ اَسْبَابِ حَوَادِثِ الْجَوِّ مِنَ الْمَطَرِ وَالْكُسُوْفِ وَالْهَالَةِ وَعَجَائِبِ النَّبَاتِ	انبیاء کا ایک اصول یہ ہے کہ جو امور تہذیب نفس اور قوم کی سیاست سے تعلق نہین رکھتے ان مین وہ مشغول نہین ہوتے مثلاً بارش۔ گرہن، اور ہالہ کے اسباب بیان کرنا یا نباتات

والحیوان ومقادیر سیر الشمس والقمر واسباب
الحوادث الیومیۃ وقصص الانبیاء والملوک
والبلدان ونحوها اللھم الا کلمات یسیرۃ
الفھا اسماعھم وقبلھا عقولھم یؤتی بھا
فی التذکیر بآلاء اللہ والتذکیر بایام اللہ
علی سبیل الاستطراد بکلام اجمالی یتسامح
فی مثلہ بایراد الاستعارات والمجازات
ولھذا الاصل لما سألوا النبی عن لمیۃ
نقصان القمر وزیادتہ اعرض اللہ تعالیٰ
عن ذلک الی بیان فوائد الشھور فقال
یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج

اور حیوانات کے عجائبات یا چاند سورج کی رفتار۔ یا
روزانہ حوادث کے اسباب۔ یا انبیاء اور سلاطین کے قصے یا
شہرونکے حالات بیان کرنا۔ ان چیزوں سے وہ بحث نہیں کرتے
مگر ہاں چند معمولی باتیں جنسے لوگوں کے کان آشنا ہو چکے ہیں اور
انکی عقلوں نے ان باتوں کو قبول کر لیا ہے، اُن باتوں کو
کبھی انبیا علیہم السلام خدا کی شان اور قدرت کے ذکر میں ضمنی
طور پر اجمالاً بیان کرتے ہیں اور اسمیں مجاز اور استعارہ سے
کام لیتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے آنحضرت سے چاند کے
گھٹنے بڑھنے کی علت دریافت کی تو خدا نے اسکے جواب سے
سے اعراض کیا اور اسکے بجائے مہینوں کی تعیین کا فائدہ
بیان کر دیا چنانچہ فرمایا ویسئلونک۔ الخ

شاہ صاحب نے انبیاء کی تعلیم کا جو اصول بتایا اس کے بعد کون کہ سکتا ہے کہ مذہب اسلام کو سائنس اور علوم جدیدہ سے کسی قسم کے خطرہ پہونچنے کا احتمال ہے۔

مذہب انسان کی فطرت مین داخل ہے

انسان اور حیوان کا مقابلہ کرو حیوان اپنے ضروریات کا سامان اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ انکا لباس انکے ساتھ ہوتا ہے جو موسم کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ دشمنون سے مقابلہ کرنے کے لئے پنجے۔ ناخن۔ ڈنک۔ کے ہتیار اس کے ساتھ پیدا ہوتے ہین جن غذاؤن پر اسکی زندگی کا مدار ہے، پیدا ہونے کے ساتھ اس کو ہر طرف جنگل ہو یا پہاڑ خشکی ہو یا دریا ویرانہ ہو یا آباد۔ ہر جگہ مہیا ملتی ہین۔[1]

انسان کا یہ حال ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو کسی قسم کا سامان اسکے پاس نہیں ہوتا اسکی جلد نازک ہوتی ہے۔ ہاتھ پانون کمزور ہوتے ہین، جسم پر کوئی لباس نہین ہوتا دشمن سے حفاظت کے لئے سینگ یا پنجے نہین ہوتے۔ اس کے ساتھ عالم فطرت کی جتنی چیزین اسکے گرد و پیش ہوتی ہین، سبکی سب اُسکے دشمن نظر آتی ہیں، آفتاب کی گرمی، بادلونکی جھڑی، لوؤن کی لپٹ۔ جاڑون کی ٹھنڈ؟ ہر چیز چاہتی ہے کہ اس کو تباہ کر دے۔

ان مصائب اور مشکلات کے مقابلہ کرنے کے لئے قدرت نے اس کو کوئی جسمانی ہتیار نہین دیا، کیونکہ جن بیشمار اور پرزور دشمنون کا اس کو سامنا کرنا تھا، اسکے لئے کوئی جسمانی آلہ کافی نہین ہوسکتا تھا، قدرت نے اُس کو ان ہتیارون کے بدلے ایک ایسی عام قوت

---

[1] اس موقع پر یہ جتا دینا ضرور ہے کہ اس حصہ مین جا بجا یورپ کے حکما اور علما کے اقوال نقل کئے ہین لیکن ہم نے انکی اصلی تصنیفات کے دیکھنے کی زحمت نہین اٹھائی ہے۔ بلکہ مصر کے ایک فاضل مصنف کی تصنیفات پر اعتماد کیا ہے جسکا نام فرید وجدی بک ہے اس بحث مین اسکی دو تصنیفین ہین تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ اور الحدیقۃ الفکریۃ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جن یورپین فاضلوں کے اقوال نقل کئے گئے ہیں انمین سے اکثر جرمن اور فرنچ کے علما ہیں ہمارے نئی تعلیم یافتہ احباب کو جو انگریزی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہین جانتے انکے ثانیہ کے متعلق غلطی نہ کرنی چاہیے

عطاکی جسکے ذریعہ سے اُس نے ہر قسم کے دشمنون کے مقابلہ کے لئے جدا سامان طیار کئے دھوپ گرمی - جاڑے سے محفوظ رہنے کے لئے ہر قسم کے لباس اور مکانات بنائے جانورونکے مقابلہ کے لئے تیغ و خنجر طیار کئے - دریاون پر پل باندھے - پہاڑ تراشے - لوہا پگھلایا - برق کو مسخر کیا ہوا کو تھاما، غرض تھوڑے عرصہ کے بعد دیکھا تو تمام کائنات اُس کے پنجۂ اقتدار مین تھی -

اس عام قوت کا نام عقل کلی یا عقل انسانی ہے - لیکن چونکہ قدرت کو منظور تھا کہ انسانی ترقیان بلند سے بلند نقطہ پر بھی پہنچکر ٹھہرنے نہ پائین، اس لئے وہ (یعنی قدرت) ایک دم بھی انسان کو چین نہین لینے دیتی، وہ اسکے مخالفون کو نئے نئے ہتیار دیتی جاتی ہے جس سے انسان پر نئے نئے طرح کے حملے کئے جاتے ہین، جن بیماریون کا علاج معلوم ہو چکا تھا، انکے علاوہ نئے امراض پیدا ہوتے ہین - دنیا کا جغرافیہ جس قدر معلوم ہو چکا تھا اسکے علاوہ نئی آبادیون کا پتہ لگتا ہے اور وہان نئے ضروریات پیش آتے ہین - آرام و آسایش کے جو سامان مہیا ہو چکے تھے راحت طلبی کا مادہ بڑھ کر وہ سامان بے کار ہو جاتے ہین، مجبوراً انسان ان نئے مخالفون کے مقابلہ کے لئے نئی طیاریان کرتا ہے، اور ترقی کی جس حد تک پہنچ چکا تھا اس سے آگے نکل جاتا ہے -

عالم کون اور انسان کی یہ باہمی کشمکش ہی وہ چیز ہے جو انسان کی تمام ترقیون کی جڑ ہے اور جس کی بدولت آج سیکڑون ہزارون نئے نئے ایجادات کا سلسلہ قایم ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے، لیکن ان بیرونی دشمنون اور مخالفون سے زیادہ سخت اور زیادہ خطرناک دشمنون کا ایک اور گروہ ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے اور جن سے

اس کو ہمیشہ سخت معرکہ آرائیاں رہتی ہین۔ طمع اس کو آمادہ کرتی ہے کہ عزیز و بیگانہ۔ دوست و دشمن دور و نزدیک کے تمام دولت و مال پر قبضہ کر لیا جائے۔ کینہ پروری کا تقاضا ہے کہ مخالفون کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ جاہ طلبی کہتی ہے کہ جب تک تمام عالم کی گردنین جھک نہ جائین، آرام نہ لے۔ خواہش نفس مجبور کرتی ہے کہ دنیا مین کسی کا پردہ عصمت محفوظ نہ رہنے پائے، ان دشمنون سے بچانے کے لیے ایک حد تک عقل کام آتی ہے وہ بتاتی ہے کہ اگر تم کسی کی آبرو کا قصد کروگے تو وہ بھی کریگا تم کسی کو برباد کرنا چاہو گے تو وہ بھی چاہے گا۔ تم دوسرونکی عزت نہ کروگے تو وہ بھی نہ کرینگے لیکن اولاً تو اس قسم کی مین عقل خاص خاص تعلیم یافتہ اشخاص مین ہو سکتی ہے۔ اسکے علاوہ بہت سے ایسے موقع پیش آتے ہین جہان اس قسم کے انتقام کا مطلق اندیشہ نہین ہوتا۔ حکومت کا خوف۔ جاسوس کا ڈر۔ بدنامی کا احتمال۔ انتقام کا خطرہ۔ ایک چیز بھی نہین ہوتی۔ ان موقعون پر عقل اُن پر زور مخالفون کا مقابلہ نہین کر سکتی، بلکہ ایک دوسری قوت ہی، جو سینہ سپر ہوتی ہے اور انسان کو اُن دشمنونکے حملے سے بچاتی ہے اس قوت کا نام نور ایمان، کانشنس، حاسہ اخلاقی ہے، اور یہی چیز مذہب کی بنیاد ہے۔

یہ **قوت**، انسان کی اصل فطرت مین داخل ہے۔ عالم و جاہل۔ رذیل و شریف۔ شاہ و گدا۔ افریقہ کا وحشی، اور یورپ کا تعلیم یافتہ سب آئین برابر کے حصہ دار ہین اور یہی معنی ہین قرآن کی اس آیت کے

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي	اپنا مونہ سب طرف سے موڑ کر دین کیطرف کر یہ وہ خدا کی فطرت جسپر

فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ	خدا نے انسان کو مخلوق کیا ہے، خدا کی خلقت مین تغیر نہین ہوتا۔ یہی ٹھیک دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہین۔

جرمن کا ایک حکیم گسلر لکھتا ہے "مذہب ابدی چیز ہے کیونکہ مذہب جس حاسہ کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانہ مین کبھی معدوم نہین ہو سکتا"، فرانس کا مشہور فاضل معلم رینان جو مذہب کا پابند نہ تھا اپنی کتاب تاریخ مذہب مین لکھتا ہے "کہ یہ ممکن ہے کہ کل وہ اشیاء جن کو ہم محبوب رکھتے ہین، اور کل وہ چیزین جو لذائذ زندگی مین محسوب ہین مٹ جائین، لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دنیا سے معدوم ہو جائے یا اُس کی قوت مین زوال آجائے، وہ ہمیشہ اس بات کا علانیہ ثبوت دے گا کہ مادی مذہب (میٹریلیسٹ) بالکل غلط ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان کی دماغی قوت اس پست خاکی زندگی تک محدود رہ جائے[1]"

پروفیسر سبتیہ SABATER فلسفہ دینیہ مین لکھتا ہے "مین کیون پابند مذہب ہون؟ اس لیے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہین سکتا تھا کیونکہ پابند مذہب ہونا میری ذاتیات مین سے ہے، لوگ کہین گے کہ یہ وراثت، یا تربیت، یا مزاج، کا اثر ہے مین نے خود اپنی راے پر یہی اعتراض کیا ہے۔ لیکن مین نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل نہین ہوتا مذہب کی ضرورت جس قدر مجکو اپنی ذاتی زندگی کے لئے ہے، اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے مذہب کے شاخ وبرگ ہزارون دفعہ کاٹ ڈالے گئے ہین لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے اور اُس نے نئے برگ وبار پیدا کر لئے ہین، اس بنا پر مذہب ابدی چیز ہے جو کبھی زائل نہین ہو سکتی"

[1] یہ دونون قول تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ صفحہ ۲۴ و ۲۵ مین مذکور ہین

مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہین انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوئی ہے اور اسی سے قوت پائیگی"[۱]

دنیا کی اخلاقی نظم و نسق کو اسی حاسہ مذہبی ہی نے تھام رکھا ہے، ورنہ اگر تعلیم و تمدن پر مدار ہوتا تو یورپ کا اخلاقی پلہ اسیقدر تمام دنیا سے بھاری ہوگیا ہوتا جسقدر تعلیم و تمدن مین اسکا پایہ بلند ہے

دنیا مین افراد انسانی کے خاص خاص مختصات یعنی زبان۔ قوم۔ ملک۔ صورت رنگ کو حذف کرتے جاؤ تو جو چیزین قدر مشترک رہ جائینگی، ان مین ایک مذہب ہوگا اور یہ بہت بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب، فطری چیز ہے۔ جن چیزون کو ہم انسان کی فطرت خیال کرتے ہین مثلاً اولاد کی محبت۔ انتقام کی خواہش۔ کمال کی قدردانی، وغیرہ وغیرہ ان کے فطری ہونے کی یہی وجہ قرار دیتے ہین کہ تمام دنیا کے آدمیون مین مشترک پائی جاتی ہین۔ اس بنا پر جب ہم دیکھتے ہین کہ دنیا مین ہر قوم۔ ہر نسل، ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب فطری چیز ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مذہب کے جو مقدم اصول ہین وہ تمام مذاہب مین یکسان پائے جاتے ہین خدا کا وجود، اسکی پرستش کا خیال۔ حیات بعد الموت۔ اعمال کی جزا و سزا۔ رحمدلی۔ ہمدردی۔ عفت کا اچھا سمجھنا۔ جھوٹ۔ دغا۔ زنا۔ چوری کو برا جاننا۔ دنیا کے تمام مذہبون کا اصل اصول ہے

مذہب کے فطری ہونے کی دوسری دلیل

فطرت نے افراد انسانی مین بے انتہا فرق مراتب رکھا ہے۔ دولت و مال۔ جاہ و حشم۔ فضل و کمال، ذہن و ذکا۔ کے عطا کرنے مین ایک طرف تو یہ فیاضی ہے کہ اُس سے

[۱] الحیوۃ سال اول صفحہ ۱۵۵

زیادہ ہو نہین سکتی، سکندر و تیمور۔ ارسطو و افلاطن۔ ہومر۔ و فردوسی، اسی فیاضی کے نمونے ہین دوسری طرف یہ بخل ہے کہ انسان اور بندر مین اتنا کم فرق رہ جاتا ہے کہ **ڈاروِن** کو نظر تک نہین آتا۔ با اینہمہ جو باتین شرط زندگی اور مدار حیات ہین وہ تمام افراد انسانی مین یکسان عطا کی ہین۔ افریقہ کا جاہل سے جاہل وحشی بھی اسیطرح کھاتا پیتا۔ چلتا پھرتا سوتا جاگتا۔ بولتا چالتا ہے جس طرح یونان کا بڑے سے بڑا حکیم ان ضروریات کو انجام دیتا ہے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کا اسقدر حصہ۔ جو تمام دنیا کی قومون مین مشترک ہے لازمہ انسانی تھا۔ اور اس وجہ سے قدرت نے تمام قومون کو یکسان عطا کیا، ارسطو، اور بنتھم بہت سے دلائل کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے کہ سچائی، دیانت داری، عفت، حلم اچھی چیزین ہین لیکن افریقہ کا ایک وحشی بغیر تعلیم اور بغیر کسی دلیل کے خود بخود ان چیزون کو اچھا جانتا اور اچھا سمجھتا ہے۔

مذہب اسلام

مذہب اسلام

یہ تو ثابت ہو چکا کہ مذہب فطری چیز ہے یعنی جس طرح انسان مین ہمدردی محبت جوش، انتقام۔ قدرتی جذبات پائے جاتے ہین اسی طرح میلان مذہب بھی قدرتی اور فطرتی ہے، اور جس طرح اور قدرتی جذبات کسی شخص مین کم کسی مین زیادہ۔ کسی مین ضعیف کسی مین بہ شدت، اور شاذ و نادر افراد مین بالکل نہین پائے جاتے بعینہٖ مذہب کا یہی حال ہے، لیکن چونکہ (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے) حاسہ مذہبی، اس بنا پر انسان کو عطا کیا گیا ہے کہ بغیر اسکے نوع انسانی کا بقا ممکن نہ تھا، اسلئے مذہب کا جسقدر حصہ تمام انسانون مین یکسان مشترک ہے وہ نہایت سادہ مجمل۔ اور ناتمام ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا، اسکی صاف اور صریح تمثیل یہ ہے کہ انسان کے زندہ رہنے کے لئے، کھانا پینا، گرمی سردی سے بچنا، ضروری ہے اسلئے قدرت نے ان ضروریات کا سامان، ادنی سے ادنی آدمی کے لئے بھی مہیا کیا ہے، لیکن یہ ضرور نہین کہ یہ سامان اعلیٰ درجہ کے بھی ہون، کھانے کے لئے سدِّ رمق، رہنے کے لئے خس کا جھونپڑا، لباس کے لئے درختون کے پتے بھی مہیا ہو گئے تو قدرت کا فرض ادا ہو گیا، اس سے بڑھ کر مختلف قسم کے الوان نعمت، عالیشان محل، بیش بہا ملبوسات، سب کے لئے ہونے ضرور نہین فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ

یہی حال مذہب کا ہے۔ خدا کا اعتراف، عبادت کا میلان، معاد کا خیال، جزا و سزا کا یقین، نبوت کا اعتراف، لازمہ انسانی تھا اسلئے سب فرقون مین مشترک رہا اور اس مین کسی قوم اور کسی فرقہ کی تخصیص نہین۔ لیکن یہ امور کہ خدا کے کیا اوصاف ہین؟ کس قسم کی

تمام مذاہب میں سے کسی ایک کی ترجیح کی وجہ

عبادت فرض ہے؟ کیون فرض ہے؟ معاد کی کیا حقیقت ہے؟ جزا و سزا سے کیا غرض ہے؟ **نبوت** کے کیا معنی ہین؟ ان سوالات کا جواب تمام مذاہب مین یکسان نہین مل سکتا۔ اس مین فرق مراتب ہے اور جس نسبت سے جس مذہب نے ان سوالات کا صحیح جواب دیا ہے، اسی نسبت سے وہ مذہب زیادہ صحیح اور کامل ہے

یورپ کو مذہب سے کیون مخالفت ہے

یورپ مین منکرین مذاہب کا جو گروہ پیدا ہوگیا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے انکے انکار مذہب کی وجہ یہی ہے کہ وہ مذاہب موجودہ مین سوالات مذکورہ بالا کا صحیح اور مکمل جواب نہین پاتے

پروفیسر لاروس Larousse مذہب کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتا ہے "اگر ہم کہتے ہین کہ اُن باتو نکا اعتقاد کرنا چاہیے جو عقل مین آئین، تو ہم سے کہا جاتا ہے نہین ہرگز نہین، عقل کو جو نیک و بد کی ممیز ہے، ذلیل کیا جاتا ہے، یہانتک کہ جب عقل کی آنکھین اسقدر اندھی کر دیجاتی ہین کہ خرق عادت، ایک معمولی بات بن جاتی ہے، سفید سیاہ ہو جاتا ہی، بدنما چیز خوشنما ہو جاتی ہے تو مذہب آتا ہے اور کہتا ہے کہ گردن ڈالدو، کسکے آگے؟ عقل کے آگے؟ نہین۔ فطری فرائض کے آگے؟ نہین، احساسات اندرونی کے آگے؟ نہین، اصول فطرت کے آگے؟ نہین"[۱]

مانسیو بنجمن کانستان نے جو فرانس کا مشہور عالم ہے، مذہب کی حقیقت اور مذہب کی نشو و نما پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس مین وہ مذہب کے نقصانات کی تفصیل بیان کر کے لکھتا ہے کہ "مذہب جن بنیادون پر قائم ہوا ہے وہ علم کے مخالف ہین اور اس لیے

[۱] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۲۴

یہ قطعی ہے کہ تمام مذاہب برباد ہو جائین،،

برتلو BERTOLO لکھتا ہے "علم نے اب پوری آزادی حاصل کر لی ہے اور اس بات کا خوف نہین رہا کہ مذہب اسکو دبالے،،

ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان منکرین مذاہب کے نزدیک چونکہ مذہبی اصول تحقیقات علمی کے مخالف ہین اسلئے وہ صحیح نہین ہو سکتے، ورنہ اگر کوئی مذہب ایسا ہو جسکے تمام اصول عقل کے موافق ہون تو منکرون کو بھی اس کی تسلیم سے انکار نہ ہوگا، اسی بنا پر یورپ کے بڑے بڑے محققین نے مذہب کا ایک خیالی خاکہ کھینچا ہے اور اس کا نام "دیانتہ طبیعیتہ،، رکھا ہے، وہ کہتے ہین کہ مذاہب موجودہ غلط ہین لیکن اگر ایک نیا مذہب ایجاد کیا جائے جسکے اصول حسب ذیل قرار دئے جائین تو وہ بے شبہ تسلیم کے قابل ہوگا اور تحقیقات علمی کا ساتھ دے سکیگا۔

فطری مذہب

ژول سیمان نے اس عقلی مذہب کا تفصیلی خاکہ حسب ذیل کھینچا ہے۔

فطری مذہب کا خاکہ

"ثواب آخرت کے یہ معنی ہین کہ انسان قانون کا پابند ہو لیکن یہ قانون کیا ہے؟ اپنی ذات کی حفاظت، ان خصائص کو ترقی دینا جو انسان کی فطرت مین مضمر ہین، بنی نوع کی محبت اور خدمت، خدا کی عبادت، لیکن خدا کی عبادت کے کیا معنی ہین؟ اپنے فرائض کا ادا کرنا۔ اچھے کام کرنا۔ وطن کی محبت، عمل اور اخلاص، یہی فطری مذہب ہے، اور یہی فطری عبادت ہے"[1]

[1] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۷۲

"یہ تو فطری مذہب کے اعمال ہیں، عقائد یہ ہیں۔ ایک قادر مطلق کا یقین، جو ہر چیز پر قادر ہے جس کو کوئی شے بدل نہیں سکتی اور جس کے تمام کام اصول اور ترتیب پر مبنی ہیں[1]۔"

لارڈس[2] کہتا ہے، اگر مذہب کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ اُن معقول خیالات کے مجموعہ کا نام ہے جنکا مقصود یہ ہے کہ تمام افراد انسانی ایک رشتہ میں منسلک ہو جائیں اور وہ جسمانی فائدون سے اسی طرح بہرہ یاب ہون جس طرح قوت عقلیہ سے، تو تم یہ کہ سکتے ہو کہ مذہب، نوع انسانی کے لیے ایک لابدی چیز ہے"

غرض خواہ ان اقوال کی بنا پر خواہ خود واقعیت کے لحاظ سے، ایک صحیح۔ کامل اور ابدی مذہب کے لیے جو باتین ضروری ہین یہ ہین۔

(۱) مذہب کی صحت کا مدار عقل قرار دیا جائے نہ تقلید،

(۲) کوئی عقیدہ مذہبی عقل کے خلاف نہ ہو،

(۳) عبادات کے یہ معنی نہ قرار دیے جائین کہ وہ مقصود بالذات ہین اور خدا ہمارے تکلیفات شاقہ اٹھانے سے خوش ہوتا ہے، بلکہ عبادات سے خود نوع انسانی کا فائدہ مقصود ہو اور وہ اعتدال سے متجاوز نہ ہون۔

(۴) دینی اور دنیوی، فرائض کو اس اعتدال کے ساتھ قائم کیا جائے کہ ایک سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے بلکہ ایک دوسرے کا دست و بازو بن جائے۔

(۵) مذہب، تمدن کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا ساتھ دیسکے بلکہ خود اس ترقی کا رستہ دکھائے

---

[1] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۲۴ [2] تطبیق صفحہ ۲۵ و ۲۶

ہم اس کتاب مین اول انھی اصول کے معیار پر اسلام کو جانچنا چاہتے ہین

عقل اور مذہب

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ تمام مذاہب مین عقل کو کیا درجہ دیا گیا ہے اور اسلام نے عقل کی کیا منزلت قائم کی ہے، دنیا مین آج جس قدر مذاہب موجود ہین ان سب مین تلقین کی ابتدا اس حکم سے شروع ہوتی ہے کہ "مذہب مین عقل کو دخل نہ دو" یہی جابرانہ حکم ہے جس کی بدولت مذہب ہر قسم کی تحقیقات، اور اجتہادات سے مطمئن رہتا ہے اور ان مین سے کوئی چیز اس کی جباری کو کم نہین کر سکتی، اسی کا اثر ہے کہ ایک شخص منطق۔ فلسفہ ریاضیات مین سیکڑون عجیب و غریب ایجادات کرتا ہے۔ اور ارسطو و افلاطون کی غلطیان نکالتا ہے لیکن جب اسکے سامنے اس مسئلہ کا ذکر آتا ہے کہ "ایک تین ہین اور تین ایک" تو اس کی نقادی اور نکتہ سنجی بالکل کند اور بیکار ہو جاتی ہے، اسی کا اثر ہے کہ سقراط اتنا بڑا فلسفی ہو کر جان دینے کے وقت وصیت کرتا جاتا ہے کہ فلان بت پر مین نے نذر چڑھانے کی جو منت مانی تھی وہ پوری کی جائے، اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام مذاہب مین سیکڑون حکما و علما پیدا ہوتے ہین لیکن مذہب کے لغو سے لغو عقیدہ کی نسبت بھی ان کو شک نہین پیدا ہوتا عقل کی اس بیکاری سے صرف یہ نقصان نہین پہونچتا کہ جو لغو عقیدہ ایک دفعہ قائم کر لیا گیا تھا وہ اپنے حال قائم رہتا ہے، بلکہ توہمات اور عجائب پرستی کا زور روز بروز بڑھتا جاتا ہے یہان تک کہ چند روز کے بعد مذہب کے عمدہ عقائد بھی ان توہمات کے ہجوم مین چھپ جاتے ہین، اور مذہب ہمہ تن عجائبات اور ناممکنات کا مجموعہ بن جاتا ہے،

یہی چیز ہے جس نے یورپ کے آزاد خیالون کو مذہب سے متنفر بنا دیا ہے۔ پروفیسر لاروس نے تمام مذاہب کے برباد ہو جانے کی جو پیشین گوئی کی ہے اسی بنا پر کی ہے کہ مذہب عقل کو برباد کرنا چاہتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ خود برباد ہو جائے، یہی پروفیسر ایک مقام پر لکھتا ہے کہ "اگر ہم بغیر خود غرضی اور وہم پرستی کے اس بات کا پتہ لگائین کہ دنیا مین آج تک جس قدر مادی، دماغی، اور اخلاقی ترقیان ہوئی ہین اُن کا اصلی سبب کیا ہے تو صرف یہ جواب ہے کہ عقل کا جبر کے شکنجہ سے نجات پانا۔"

اب دیکھو اسلام کی کیا تلقین ہے؟

قرآن مجید مین یہودیون، عیسائیون، بت پرستون اور ملحدون کو سیکڑون جگہ مختلف طریقون سے عقائد اسلام کی دعوت دی ہے لیکن ایک جگہ بھی یہ نہین کہا کہ تقلیداً ان عقائد کو مان لو، بلکہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اجتہاد اور غور کے ذریعہ سے اُن کو منوانا چاہا ہے اور تقلید پرستی کی سخت برائی کی ہے۔ مخالفین اسلام کو سب سے بڑا الزام جو دیا وہ یہ تھا۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ۔ (یوسف)	آسمان اور زمین مین کسقدر بیشمار نشانیان ہین، لیکن یہ لوگ انپر گذر جاتے ہین۔ اور اُنکی طرف رخ نہین کرتے۔
لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا سورہ اعراف رکوع ۲۲	انکے دل تو ہین لیکن اس سے سمجھہ کا کام نہین لیتے
إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى أُمَّةٍ وَّإِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (پارہ ۲۵)	ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انھی کے پیچھے پیچھے چلے جائینگے۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔	اور بعض لوگ ایسے ہین جو خدا کے باب مین بے علمی کیساتھ جھگڑتے ہین

أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ۔

کیا یہ لوگ، قران پر غور نہین کرتے۔

أَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

کیا یہ لوگ، اسمان اور زمین کے کارخانہ کو (غور سے) نہین دیکھتے

یہ تمام آیتین تو کلی طور پر عقل سے کام لینے کے متعلق ہین، مذہب کے تمام اصول و فروع کے متعلق، اسلام نے جو تلقین کی وہ عقل کی بنا پر

نفس مذہب کی ضرورت اس طرح ظاہر کی

أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ

اپنا مونھ سب طرف سے پھیر کر دین کی طرف کر یہ خدا کی وہ فطرت ہے جسپر خدا نے لوگونکو پیدا کیا ہی، خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین ہوتی

اسلام کی دعوت کا حکم دیا تو اُسکے یہ طریقے بتائے

اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ

اپنے خدا کی راہ کی طرف لوگونکو بلاو حکمت سے نصیحت سے اور اُن لوگون سے بحث کرو بہ طرز پسندیدہ

خاص خاص اسلامی عقائد جہان کہین بیان کئے ہر ایک عقیدہ کے ساتھ اُس کی عقلی دلیل بیان کی۔ خدا کے ثبوت کے دلائل تو اس کثرت سے مذکور ہین کہ اس کتاب مین اسکا احاطہ نہین ہو سکتا **وحدانیت** کو اس طرح ثابت کیا

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

اگر آسمان و زمین مین کئی خدا ہوتے تو دونون مین فساد آجاتا

خدا کے عالم ہونے کی یہ دلیل بیان کی۔

أَفَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ

کیا جسنے پیدا کیا وہ علم نہین رکھتا۔

رسول اللہ صلعم کی نبوت پر مخالفون کو جو استعجاب تھا اس کو اس طرح رفع کیا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ — کہدو کہ مین پیغمبرون مین سے کوئی انوکھا نہین

معاد کے ممکن ہونے کا اس طرح یقین دلایا

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ — کہدے کہ وہی زندہ کریگا جسنے پہلی بار پیدا کیا تھا

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلٰى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ — کیا جس نے آسمان اور زمین پیدا کیا وہ اسپر قادر نہیں کہ اُن جیسے اور پیدا کر دے؟

معاد کی ضرورت اس طرح ثابت کی

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ — کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ ہم نے تم کو یون ہی بیکار پیدا کیا، اور یہ کہ تم ہمارے ہان لوٹ کر نہ آؤ گے۔

غرض خواہ نفس مذہب، خواہ بالخصوص مذہب اسلام، خواہ خاص خاص اسلامی عقائد جس چیز پر یقین دلانا چاہا، ساتھ ہی دلیل بھی بیان کی، اور ایک جگہ بھی یہ نہین کہا کہ اُن عقائد کو بلا دلیل تسلیم کر لو"

اس موقع پر یہ بات۔ خاص لحاظ کے قابل ہے کہ آجکل زمانہ کے مذاق کیوجہ سے، تمام اہل مذاہب اس بات کے مدعی ہین کہ ہمارا مذہب عقل سے ثابت ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ خود انکا دعوی ہے یا اُن کے مذہب نے بھی ایسا دعوی کیا ہے

اسلام کے سوا۔ دنیا مین اور کسی مذہب نے یہ دعوی نہین کیا کہ وہ عقل سے ثابت ہے اور مذہب کو عقل کے بنا پر ماننا چاہئے۔ اور یہ وہ بڑا فرق ہے جو علانیہ اسلام کو، تمام دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔

وجود باری

خدا کے اثبات پر قدما اس طرح استدلال کرتے تھے، کہ عالم حادث ہے اور جو چیز حادث ہے یعنی ازلی نہین ہے وہ کسی علت کی محتاج ہے اور یہی علت خدا ہے، اس استدلال کا دوسرا مقدمہ بدیہی ہے، پہلے مقدمہ پر یہ استدلال کیا جاتا تھا کہ عالم مین تغیر ہوتا رہتا ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہے وہ حادث ہے۔ یہ استدلال بظاہر نہایت صاف اور واضح تھا اور اسلئے اس کی زیادہ چھان بین نہین کی گئی، لیکن وہ فی الواقع صحیح نہ تھا۔ تمام چیزین جو عالم مین موجود ہین، دو چیزون کا مجموعہ ہین۔ مادّہ اور ایک خاص صورت، جو چیز بدلتی رہتی اور تغیر پذیر ہے، وہ صرف صورت ہے، اصل مادہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ کوئی چیز جب فنا ہوتی ہے تو صرف اُس کی صورت فنا ہوتی ہے اصل مادہ کسی نہ کسی صورت مین ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ ایک کاغذ کو جلا دو کاغذ جل کر راکھ ہو جائے گا، اب کاغذ فنا ہو گیا لیکن راکھ موجود ہے جو اصل مادہ کی ایک دوسری صورت ہے، راکھ کو برباد کرو کسی نہ کسی صورت مین وہ قائم رہیگی، غرض جو چیز حادث ہے وہ صرف صورت ہے اصل مادّہ کے حادث ہونے پر نہ کوئی تجربہ پیش کیا جا سکتا ہے، نہ کوئی استدلال قائم کیا جا سکتا ہے،

اس بنا پر عالم کو حادث کہنا صورت کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن مادہ کے لحاظ سے صحیح نہین، اور جب عالم کا حدوث ثابت نہین تو استدلال بھی صحیح نہین، ارسطو نے اس اعتراض کے لحاظ سے استدلال کا دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی یہ کہ عالم کے تمام اجزا مین

کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے، کیونکہ تمام اجسام یا بڑھتے رہتے ہین یا گھٹتے ہین اور بڑھنا یا گھٹنا حرکت ہی کی ایک قسم ہے۔ جن چیزون کو ہم بحال خود قائم دیکھتے ہین، اُن کے اجزا بھی بدلتے رہتے ہین یعنی پرانے اجزا رفنا ہوتے جاتے اور اُن کے بجاے نئے آتے جاتے ہین، اجزا کا بدلتا رہنا بھی ایک قسم کی حرکت ہے اس لئے تمام عالم متحرک ہے اور جو چیز متحرک ہے، ضرور ہے کہ اس کے لئے کوئی محرک ہو، اب دو صورت ہے، یا یہ سلسلہ کسی حد تک جاکر ٹھر جاے گا یعنی اخیر مین ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو بالذات یا بواسطہ تمام اشیار کی محرک ہے اور خود متحرک نہین، یہی خدا ہے، یا یہ سلسلہ کہین ختم نہ ہوگا، اس صورت مین غیر متناہی کا وجود لازم آے گا اور یہ محال ہے

ارسطو کا اصل مذہب یہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور وہ بذات خود پیدا ہوا، لیکن اسکی حرکت حادث ہے اور خدا اسی حرکت کا خالق ہے، اس بناپر ارسطو نے خدا کے ثبوت مین حرکت سے استدلال کیا۔ حکماے اسلام مین سے ابن رشد کا بھی یہی مذہب ہے

بو علی سینا بھی عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہے لیکن اسلام کے اثر سے اس بات کا قائل نہ ہوسکا کہ عالم خدا کا پیدا کیا ہوا نہین، اس لئے اُس نے یہ راے اختیار کی کہ عالم قدیم بھی ہے اور خدا کا مخلوق بھی ہے، اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب عالم اور خدا دونون قدیم ازلی ہین، تو ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کیونکر کہا جاسکتا ہے، کیونکہ علت و معلول مین زمانہ کا تقدم و تاخر ضرور ہے۔ بو علی سینا نے اس کا جواب دیا کہ علت کے لئے صرف تقدم بالذات کافی ہے، زمانہ کے لحاظ سے مقدم ہونا ضرور نہین، مثلاً کنجی کی حرکت، قفل کے

کھل جانے کی علت ہے لیکن کنجی کی حرکت اور قفل کے کھلنے مین ایک لحظہ اور ایک آن کا بھی آگا پیچھا نہین،

متکلمین کے نزدیک چونکہ خدا کے سوا کسی چیز کا قدیم ہونا خدا کی یکتائی مین خلل انداز تھا اس لئے انھون نے عالم کے حدوث کا دعوی کیا اور حدوث ہی سے خدا کے وجود پر دلیل قائم کی، عالم کے حادث ہونے پر متکلمین کا جو استدلال ہے اُس کے سمجھنے کے لئے۔ پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہئے۔

متکلمین کا استدلال

(۱) عالم مین دو قسم کی چیزین پائی جاتی ہین۔ **عرض** یعنی جو چیزین بذات خود قائم نہین کی بلکہ جب پائی جاتی ہین تو کسی دوسری چیز مین ہو کر پائی جاتی ہین مثلاً بو۔ رنگ۔ مزہ۔ رنج۔ خوشی جوش **جوہر** یعنی وہ چیزین جو بذات خود قائم ہین۔ مثلاً پتھر۔ مٹی۔ پانی

(۲) کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا، کیونکہ جس قدر جواہر ہین کسی نہ کسی صورت اور ہیئت مین ہوتے ہین اور صورت و ہیئت عرض ہین، تمام جواہر مین کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے اور حرکت عرض ہے۔ غرض جوہر کے جسقدر افراد ہین اُن مین کسی نہ کسی عرض کا پایا جانا ضرور ہے، اور اس بنا پر کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا

(۳) عرض حادث ہے یعنی پیدا ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے

(۴) جو چیز عرض سے کبھی خالی نہ ہو سکتی ہو ضرور ہے کہ حادث ہو کیونکہ اگر وہ قدیم ہو تو لازم آئیگا کہ عرض بھی قدیم ہو کیونکہ دو چیزین جو لازم و ملزوم ہون اُن مین سے ایک چیز اگر قدیم ہوگی تو ضرور ہے کہ دوسری چیز بھی قدیم ہو، ورنہ لازم و ملزوم مین فصل زمانی لازم آئیگا اور یہ محال ہے

اب عالم کے حادث ہونے پر اس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے کہ عالم دو صورت سے خالی نہین، جوہر ہو گا یا عرض اور جوہر و عرض دونون حادث ہین عرض کا حادث ہونا تو ظاہر ہے، جوہر اسلئے کہ کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو چیز عرض سے خالی نہ ہو سکتی ہو، وہ حادث ہے

اور جب یہ ثابت ہوا کہ عالم حادث ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے لئے کوئی علت ہو اب اگر علت بھی حادث ہے تو اس کے لئے بھی کوئی علت درکار ہوگی۔ اس صورت مین اگر یہ سلسلہ کہین جا کر ختم ہو گا تو وہی خدا ہے، اور نہ ختم ہو گا تو دور و تسلسل لازم آئیگا اور دور و تسلسل محال ہے

متکلمین کا یہ استدلال فرفوریوس (پارفیریس) سے ماخوذ ہے جیسا کہ ہم نے تاریخ علم الکلام مین نقل کیا ہے، لیکن یہ استدلال اُس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ غیر متناہی کا وجود نہین ہو سکتا ورنہ یہ استدلال محض مغالطہ ہے۔

یہ سچ ہے کہ جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا لیکن کسی خاص عرض کا ہونا ضروری نہین بلکہ ہر وقت کسی نہ کسی عرض کا وجود چاہئے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ عالم قدیم ہے، اور علی سبیل البدلیۃ کسی نہ کسی عرض کے ساتھ متصف رہتا ہے یہ اعراض الگ الگ تو حادث ہین لیکن انکا سلسلہ جو علی سبیل البدلیۃ ہے، غیر متناہی اور قدیم ہے

عالم کے حادث ہونے پر استدلال یہ تھا کہ اگر عالم قدیم ہو تو اعراض کا بھی قدیم ہونا لازم آئے گا ہم کہتے ہین کہ اعراض کے ہر ہر فرد کا قدیم ہونا لازم نہین آتا بلکہ اعراض کے سلسلہ علی سبیل البدلیۃ کا قدیم ہونا لازم آتا ہے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو سلسلہ کا قدیم ہونا بھی ممکن ہے

متکلمین نے اور بھی بہت سی دلیلین قائم کی ہین لیکن سب کی صحت اس بات پر موقوف ہو
کہ سلسلہ غیر متناہی کا محال ہونا ثابت کیا جائے **غیر متناہی** کے محال ہونے پر حکمار اور متکلمین نے
بہت سے دلائل قائم کیے ہین لیکن وہ تمام دلائل اُس صورت مین جاری ہوتے ہین جب یہ مانا
جائے کہ یہ سلسلہ مرتب موجود ہے، لیکن منکرین خدا علل کا سلسلہ اس طرح مانتے ہین کہ ہر علت
فنا ہو کر اُسکے بجائے دوسری علت آجاتی ہے محقق دوانی نے زورار کی شرح مین دعوی
کیا ہے کہ اس صورت مین بھی دلیل جاری ہو سکتی ہے کیونکہ گو علتین فنا ہوتی جاتی ہین لیکن
انکا مجتمع و مرتب ہونا فرض کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ علل کا مجتمع ہونا محال عقلی نہین اور جو چیز
محال نہین وہ فرض بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن محقق موصوف کا یہ قول صحیح نہین، علتون کا
اجتماع گو محال بالذات نہین، لیکن محال بالغیر ہو سکتا ہے اور محال بالغیر کے فرض کر لینے سے
بھی محال آتا ہے، گو یہ محال محال بالغیر ہوگا

ان دلائل مین ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اُن سے اگر خدا کا وجود ثابت بھی ہوتا ہے تو اُسکا
فاعل بااختیار ہونا ثابت نہین ہوتا۔ ان دلائل سے صرف ایک علۃ العلل (کاز آف دی کازز)
کا وجود ثابت ہوتا ہے لیکن علت کے لیے یہ ضرور نہین کہ اُس سے معلول، بہ ارادہ اور بہ اختیار
صادر ہو، آفتاب روشنی کی علت ہے لیکن آفتاب کو نہ علم ہے نہ ارادہ، بلکہ روشنی اُس سے
خود بخود بلا علم و ارادہ صادر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بہت سے حکما کا مذہب ہے کہ خدا نے عالم کو
بہ اختیار نہین پیدا کیا اور تعجب ہے کہ شیخ بو علی سینا بھی اُنھی کا ہمزبان ہے

ان تمام تقریرون سے تمکو معلوم ہوا ہوگا کہ افلاطون اور ارسطو اس مسئلہ کو حل نہ کر سکے

اور متکلمین بھی چونکہ انھی کے نقش قدم پر چلے تھے اس لیے وہ بھی ناکام رہے

اب دیکھو قران مجید نے اس عقیدہ کو کیون کر حل کیا۔

وجود باری

پر

قران مجید کا طریقۂ استدلال

حقیقت یہ ہے، کہ خدا کا اعتراف، انسان کی اصل فطرت مین داخل ہے، علم الانسان کے ماہرون نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ انسان جب بالکل فطری حالت مین تھا یعنی علوم وفنون اور تہذیب وشائستگی کا بالکل وجود نہین ہوا تھا اُس وقت اُس نے سب سے پہلے اصنام کی پرستش کی تھی یا خدا کی؟ مادیین (میٹریسٹ) کے سوا اور تمام محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ انسان نے پہلے خدا کی پرستش اختیار کی تھی مشہور محقق مکس مولر اپنی کتاب مین لکھتا ہے "ہمارے اسلاف نے خدا کے آگے اُس وقت سر جھکایا تھا جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے" جسمانی خدا (بت) اس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوے کہ فطرت اصلی، مثالی صورت کے پردہ مین چھپ گئی

یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے، دنیا کے ہر حصہ مین، خدا کا اعتقاد موجود تھا، آثوری۔ مصری۔ کلدانی۔ یہود۔ اہل فنشیہ سب کے سب خدا کے قائل تھے

پلوٹارک کہتا ہے کہ "اگر تم دنیا پر نظر ڈالوگے تو بہت سے ایسے مقامات ملینگے جہان نہ قلعے ہین۔ نہ سیاست۔ نہ علم۔ نہ صناعت۔ نہ حرفہ۔ نہ دولت۔ لیکن ایسا کوئی مقام

نہین مل سکتا، جہان خدا نہ ہو۔

فولٹیر جو فرانس کا مشہور فاضل اور وحی والہام کا منکر تھا، کہتا ہے کہ دورز رواستر، منو سولن، سقراط، سسرو سب کے سب، ایک سردار، ایک منصف ایک باپ کی پرستش کرتے تھے[1] یہی فطرت ہے جس کو قرآن مجید نے ان لفظون مین بیان کیا ہے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ	اور جب کہ خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے انکی نسل کو نکالا،
ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ	اور خود اُن کو اُنھی پر گواہ کیا کہ کیا مین تمھارا خدا نہین ہون
اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا[2]	سب بول اُٹھے کہ ہان، ہم گواہ ہین

لیکن چونکہ خارجی اسباب سے اکثر یہ فطری احساس دب جاتا ہے اس لیے خدا نے جابجا اسی فطرت کو متنبہ کیا ہے،

اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	کیا خدا کی نسبت بھی شک ہوسکتا ہے جو آسمان وزمین کا موجد ہے

اور چونکہ خارجی اسباب کیوجہ سے بعض اوقات یہ فطری احساس اس قدر دب جاتا ہے محض اشارہ اور تنبیہ کافی نہین ہوتی اسلیے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ تجربی اور حسی مقدمات کے ذریعہ سے استدلال بھی کیا،

انسان کو آغاز تمیز مین جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے ان مین ایک یہ ہے

---

[1] دیکھو مانسیو یو تیھر کی کتاب لفلسفہ، ترجمہ عربی مطبوعہ بیروت صفحہ ۵، یہ مصنف فرانس کی یونیورسٹی کا پروفیسر تھا

[2] محققین اور ارباب نظر نے اس آیت کے یہی معنی بیان کیے ہین کہ خدا نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ خواہ مخواہ اس کو خدا کی خدائی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر۔

کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب ـ باقاعدہ اور منتظم دیکھتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانشمند نے ان چیزون کو ترتیب دیا ہے، اگر کسی جگہ ہم چند چیزین بے ترتیب رکھی دیکھین تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزین اکٹھی ہو گئی ہون گی، لیکن جب وہ اس ترتیب اور سلیقہ سے چنی گئی ہون کہ ایک ہوشیار صناع بھی بہ مشکل اسطرح چن سکتا ہے تو یہ خیال کبھی نہین ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی ہوگی اسکو ایک اور واضح مثال مین سمجھو ـ خواجہ حافظ یا نظامی کا کوئی شعر لو اُس کے الفاظ الٹ پلٹ کر کے کسی معمولی آدمی کو دو اور اس سے کہو کہ الفاظ کو آگے پیچھے رکھکر، ترتیب دے، وہ سو سو طرح الٹ پلٹ کریگا لیکن اتفاقیہ طور سے بھی کبھی یہ نہ ہو گا کہ حافظ اور نظامی کا شعر نکل آئے حالانکہ وہی الفاظ ہین ـ وہی حروف ہین اور وہی جملے ہین ـ صرف ذرا سی ترتیب کا پھیر ہے ـ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اس قدر باقاعدہ مرتب اور موزون ہے وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو، قرآن مجید مین خدا کے وجود پر اسی سے استدلال کیا ہے

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ ـ	یہ خدا کی کاریگری ہے جسنے ہر شے کو خوب پختہ طور سے بنایا
مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ	خدا کی کاریگری مین تمکو کہین فرق نظر نہ آئیگا، پھر دوبارہ دیکھو کہین کوئی دڑار دکھائی دیتی ہے
خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا	خدا نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اسکا ایک اندازہ معین کیا
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ	خدا کی بناوٹ مین ردوبدل ممکن نہین
فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ـ	خدا کے طریقہ مین تم ردوبدل نہین پا سکتے

ان آیتون مین عالم کی نسبت تین اوصاف بیان کیے ہین - کامل اور بے نقص ہے موزون اور مرتب ہے - ایسے اصول اور ضوابط کا پابند ہے جو کبھی ٹوٹ نہین سکتے - یہ دلیل کا صغری ہے - کبری خود ظاہر ہے یعنی جو چیز کامل - مرتب اور مستحکم النظام ہوگی، وہ خود بخود پیدا نہین ہوگئی ہوگی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے اُسکو پیدا کیا ہوگا،

آج جبکہ تحقیقات وتدقیقات کی انتہا ہوگئی ہے، جبکہ کائنات کے سیکڑون اسرار فاش ہوگئے ہین، جبکہ حقائق اشیا نے اپنے چہرہ سے نقاب اُلٹ دیا ہے بڑے بڑے فلاسفر اور حکما انتہاے غور وفکر کے بعد خدا کے ثبوت مین، یہی استدلال پیش کر سکے جو قران مجید نے تیرہ سو برس پہلے نہایت قریب الفہم اور صاف طریقہ مین ادا کیا تھا۔

آیزک نیوٹن کہتا ہے "کائنات کے اجزا مین باوجود ہزارون انقلابات زمان ومکان کے جو ترتیب اور تناسب ہے، وہ ممکن نہین کہ بغیر کسی ایک ذات کے پایا جاسکے جو سب سے اوّل ہے اور صاحب علم اور صاحب اختیار ہے"

حکماے یورپ کی شہادت

اس زمانہ کا سب سے بڑا حکیم ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے "ان تمام اسرار سے جن کی یہ کیفیت ہے کہ جسقدر ہم زیادہ غور کرتے ہین اُسیقدر وہ اور غامض ہوتے جاتے ہین، اسقدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت موجود ہے جس سے تمام اشیا صادر ہوتی ہین"

کیمل فلامریان[1] کہتا ہے "تمام اساتذہ اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہین کہ وجود کیونکر ہو

[1] فرانس کا ایک مشہور فاضل ہے

اور یہ کیون کر برابر چلا جاتا ہے، اسی بنا پر ان کو مجبوراً ایک ایسے خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے جسکا موثر ہونا ہمیشہ اور ہر وقت قائم ہے"

پروفیسر لینی LINNE لکھتا ہے "وہ خدائے قادر و دانا اپنی عجیب و غریب کاریگریون سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہجاتی ہین اور مین بالکل دیوانہ بن جاتا ہون، ہر چیز مین گو وہ کتنی ہی چھوٹی ہو، اُسکی کس قدر عجیب قدرت، کس قدر عجیب حکمت، کس قدر عجیب ایجاد پائی جاتی ہے"

فونٹل۔ انسائکلوپیڈیا مین لکھتا ہے

"علوم طبعیات کا مقصد صرف یہ نہین ہے کہ ہماری عقل کی پیاس بجھائے بلکہ اسکا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی نظر خالق کائنات کی طرف اٹھائین اور اُسکے جلال و عظمت پر فریفتہ ہوجائین"

ملاحدہ (یعنی منکرین خدا) کے اعتراضات

سب سے پہلے یہ بات بتانے کے قابل ہے کہ خدا کا انکار کوئی جدید خیال نہین، ہمیشہ ہر زمانہ مین ملاحدہ کا ایک گروہ موجود تھا، جو خدا کے وجود کا قطعی منکر، یا کم از کم متردد اور متشکک تھا، سائنس اور فلسفہ حال سے اس مسئلہ پر کوئی نئی روشنی نہین پڑی ہے، خدا کے انکار کے متعلق کوئی نئی دلیل نہین قائم ہوسکی ہے بلکہ ملاحدۂ سابق و حال مین یہ فرق ہے کہ ملاحدہ سابق کے دلایل زیادہ دقیق اور پر زور ہوتے تھے، انکے مقابلہ مین ملاحدہ حال کے دلائل کو دلائل نہین کہہ سکتے، ان کی تمام مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ "خدا کا کوئی ثبوت نہین ملتا"، "مادہ کے سوا عالم مین اور کوئی چیز موجود نہین" "خدا کے اعتراف کے بغیر نظام عالم کا سلسلہ قائم ہوسکتا ہے" یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی استدلال نہین، بلکہ عدم علم کا اعتراف ہے

متکلمین اسلام نے ملاحدۂ سابق کے دلائل نہایت تفصیل سے نقل کیے ہین علامہ ابن حزم نے ملل ونحل مین، ملاحدہ ہی کے اعتراضات سے ابتدا کی ہے اور پھر اُن کے جواب دئیے ہین۔ یہ اعتراضات، نہایت ہی قوی اور پر زور ہین، تفنن کے لئے ہم ایک اعتراض کی تقریر نقل کرتے ہین،

خدا کے وجود پر ملاحدۂ قدیم کا اعتراض

خدا کا وجود اگر تسلیم کیا جائے تو ہم پوچھتے ہین کہ ایک واقعہ جو آج پیش آیا۔ اُسکی علت قدیم ہوگی یا حادث، اگر قدیم ہو تو لازم آئیگا کہ یہ واقعہ بھی قدیم اور ازلی ہو، کیونکہ

حکمت کے ساتھ معلول کا وجود لازم ہے اور اگر حادث ہو تو اُس کی علت بھی حادث ہوگی اور پھر اُس کے لئے کوئی اور علت درکار ہوگی، اب اگر یہ سلسلہ کسی ایسی علت پر جاکر ختم ہو جو قدیم اور ازلی ہے تو اس تمام سلسلہ کا درجہ بدرجہ قدیم ہونا لازم آئیگا، کیونکہ علۃ العلل جب قدیم ہے تو اُس کا پہلا معلول قدیم ہوگا، اور جب پہلا معلول قدیم ہے تو اُسکا معلول بھی قدیم ہوگا۔ وھلم جرًا اور اگر یہ سلسلہ کسی قدیم اور ازلی علت پر ختم نہین ہوتا بلکہ الی غیر النہایہ چلا جاتا ہے تو خدا کہان باقی رہتا ہے

ملاحدہ سابق کے اور بہت سے قوی اعتراضات ہین، لیکن ہم کو اُن سوئے ہوئے فتنون کے جگانے کی ضرورت نہین، یورپ کے ملاحدہ آج کل خدا کے وجود پر جو اعتراضات کر رہے ہین اور جس کی بنا پر ہمارے ملک مین، مذہب کی طرف سے بیدلی پھیلتی جاتی ہی، ہمکو صرف ان اعتراضات کا نقل کرنا اور اُنکا جواب دینا کافی ہے

مادیین

جن لوگونکو منکر خدا کہا جاتا ہے وہ مادیین (میٹرلیسٹ) ہین لیکن درحقیقت اُن لوگونکا یہ دعوی نہین کہ خدا نہین ہے، بلکہ یہ لوگ کہتے ہین کہ وہ ہماری تحقیقات کے دائرہ سے باہر ہے کیونکہ انکا دائرہ علم مادہ تک محدود ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا مادی نہین، پروفیسر لیٹریہ کا قول ہم اوپر نقل کر آئے ہین کہ "مادی مذہب اپنے آپکو عقل اول کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہے، کیونکہ اُس کو اُسکے متعلق کسی قسم کا علم نہین، ہم حکمت الٰہی کے نہ منکر ہین، نہ مثبت، ہمارا کام نفی و اثبات دونوںسے الگ رہتا ہے

اسی گروہ مین سے بعض ترقی کرکے یہ بھی کہتے ہین کہ خدا کے اقرار و انکار کے

دونون پہلوؤن مین سے انکار کا پہلو زیادہ قوی ہے وہ کہتے ہین کہ سب سے پہلے ہمکو یہ طے کرنا چاہیئے کہ کسی شے کے انکار، یا اقرار، اثبات یا نفی کے اصول اولیۃ کیا ہین؟ فلسفہ حال نے تحقیقات علمیہ کا سب سے پہلا اصول جو قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ "جب تک کسی شی کے وجود کی قطعی شہادت موجود نہ ہو، ہم کو اس کا وجود تسلیم نہین کرنا چاہیئے" کانٹ اور بیکن نے اپنے فلسفہ کا سنگ بنیاد اسی مسئلہ کو قرار دیا اور اسی مسئلہ کی بدولت ارسطو کے ظنی فلسفہ کے تمام ارکان متزلزل ہوکر قطعیات اور یقینیات کی بنیاد قائم ہوئی، (روزمرہ کے تجربہ مین ہم اسی اصول کے پابند ہین) فرض کرو ایک شے ہے جسکے نہ وجود کی شہادت ہو نہ عدم کی، تو ہمارا علم اس کی نسبت کس قسم کا ہوتا ہے؟ ہم یہ نہین کہتے کہ اس شے کے متعلق ہم کچھ نہین جانتے، بلکہ ہم یہ کہتے ہین کہ جہانتک ہم کو معلوم ہے یہ شے موجود نہین مثلاً یہ ممکن ہے کہ دنیا کے کسی حصہ مین ایسے آدمی موجود ہون جن کے دو سر ہون، ممکن ہے کہ ایسے جانور موجود ہون جو صورۃً آدمی ہون، ممکن ہے کہ ایسے دریا ہون جن مین مچھلیون کے بجائے آدمی رہتے ہون، لیکن ہم ان چیزون کی نفی کا یقین رکھتے ہین، کیون؟ اسی لیئے کہ انکے وجود کی کوئی شہادت موجود نہین، اس اصول کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کے ثبوت، و عدم ثبوت، دونو پہلے کسی پر اگر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو یقین کا رجحان اسی طرف ہوگا کہ خدا موجود نہین ہے۔

دہین کس بنا پر خدا کے قائل نہین

اس بنا پر ہمکو خدا کی نفی پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہین بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ ثبوت کے جو دلائل پیش کیئے جاتے ہین وہ صحیح ہین یا نہین، ثبوت کے جسقدر دلائل ہین سب مین قدر مشترک یہی ہے کہ اگر خدا کا وجود نہو تو سلسلہ غیر متناہی کا وجود لازم آئیگا لیکن

غیر متناہی کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہین، (یہ بحث بہ تفصیل اوپر گذر چکی ہے) شاید یہ کہا جائے کہ غیر متناہی کا خیال انسان کی عقل سے بالاتر ہے، اور یہی اُسکے محال ہونے کی دلیل ہے،، لیکن خدا کو جس طرح قدیم اور ازلی مانا جاتا ہے، وہ بھی غیر متناہی کی ایک دوسری صورت ہی، ایک خدا جو ازل سے موجود ہے، اور جس کی کوئی انتہا نہین کیا ایک سلسلۂ غیر متناہی کے تسلیم کرنے سے کچھ کم عجیب ہے؟

خدا کے ثبوت مین یہ مقدمہ بڑے آب وتاب سے پیش کیا جاتا ہے کہ ہم بداہتہً دیکھتے ہین کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے اُس کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے،

لیکن یہ مسئلہ کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے، اُسکی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے تشریح طلب ہے یہ بیشک صحیح ہے کہ ہم نے جن چیزون کو پیدا ہوتے دیکھا ہے بغیر علت کے نہین دیکھا لیکن سوال یہ ہے کہ ہم نے کیا چیز پیدا ہوتے دیکھی ہے؟ کیا ہمنے اصل مادہ کو پیدا ہوتے دیکھا ہے؟ ہم نے جن چیزون کو پیدا ہوتے دیکھا ہے وہ مادہ کی صورتین ہین نہ کہ اصل مادہ، اس لئے اس سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صورتون کے پیدا ہونے کے لئے علت درکار ہی، اس سے زیادہ جو دعوی کیا جائے اسکی بنیاد تجربہ، اور مشاہدہ نہین ہے بلکہ صرف تخیل ہی،

اس بناپر یہ دعوی کرنا کہ عالم کے لئے کوئی علت ضرور ہے صحیح نہین، کیونکہ عالم مادہ کا نام ہے اور مادہ کا حادث اور مخلوق ہونا ثابت نہین ہوا اس لئے اس کی علت بھی ثابت نہین ہوسکتی

شاید یہ کہا جائے کہ گو مادہ قدیم اور مخلوق ہے لیکن مادہ کبھی صورت سے

خالی نہین ہوسکتا، اس لیے ان صورتون کے لیے کوئی علت ہوگی اور وہی خدا ہے لیکن یہ استدلال بھی صحیح نہین، اس لیے کہ مادہ قدیم ہے اور یہ صورتین علی سبیل البدلیۃ پیدا ہوتی اور فنا ہوتی رہتی ہین، اس بنا پر اُن کے لیے ایک قدیم علت نہین بلکہ ہزارون لاکھون حادث علتین درکار ہین

اصل یہ ہے کہ خدا کے وجود کی جو ضرورت ہے وہ صرف اس لحاظ سے ہے کہ نظام عالم کا سلسلہ کس بنیاد پر قائم کیا جائے؟ اس لیے ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ عالم کا وجود اور عالم کا نظام، خدا کے وجود کے بغیر فرض کیا جاسکتا ہے یا نہین؟ اگر کیا جاسکتا ہے تو خدا کے وجود کے تسلیم کی کوئی ضرورت نہین رہتی"

یہ امر قطعی ہے کہ کوئی شے عدم محض سے وجود مین نہین آسکتی، اس بنا پر عالم کا مادہ قدیم ہے، تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی ترکیبی صورت سے پہلے، فضائے غیر متناہی مین، نہایت چھوٹے چھوٹے اجزا پھیلے ہوئے تھے، ان اجزا کو علمی اصطلاح مین دیمقراطیسی کہتے ہین، یہ اجزا آپس مین ملے اور ترکیب پاکر رفتہ رفتہ یہ عالم پیدا ہوگیا۔

اس تجویز پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اجزا خودبخود کیون کر مل گئے؟ اور یہ گوناگون مرکبات خودبخود کیون کر پیدا ہوگئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مادہ قدیم ہے حرکت اور **قوت** بھی قدیم ہے، حرکت ان اجزائے دیمقراطیسی کی فطری خاصیت ہے، جو اجسام ہم کو ساکن نظر آتے ہین، اُن کے اجزائے دیمقراطیسی بھی ہر وقت حرکت مین رہتے ہین، اور اگر اُن کو کبھی سکون ہوتا ہے تو دو متقابل جذب کے تعارض کی وجہ سے ہوتا ہے

بہرحال مادّہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، اور مادّہ کبھی حرکت سے خالی نہین ہو سکتا اس بنا پر اجزاے دیمقراطیسی کا باہم مل جانا کوئی استبعاد کی بات نہین۔

اب جو کچھ شبہ باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ محض بخت واتفاق سے ایسی ایسی عجیب وغریب مخلوقات جو سرتاپا حکمت اور صنعت سے بھری ہوئی ہین کیون کر پیدا ہو سکتی ہین؟ اسی سوال کو مذہب نے نہایت موثر الفاظ مین ادا کیا ہے، اور یہ سمجھایا ہے کہ خدا کا وجود اس سوال کا لازمی نتیجہ ہے راسبین کہتا ہے، اے آسمانو! مجکو خبر دو، اے دریاؤ! مجکو بتاؤ! اے زمین مجکو جواب دے! اے نئے انتہا ستارو تم بولو کون سا ہات ہے جس نے تم کو افق مین تھام رکھا ہے؟ اور شب چاردہ! کسنے تیری تاریکی کو خوبصورت بنا دیا ہے؟ تو کسقدر پریشان ہے، کس قدر عظمت آب ہے! تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جسنے تجکو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ ہاے نور سے مرصع کیا ہے جس طرح کہ اُسنے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے اور گرد کو ابھارا ہے، او مژدہ رسانِ سحر! او نیر شگرف او ہمیشہ روشن رہنے والا ستارہ! او آفتاب درخشان! سچ بتا تو کسکی اداے طاعت کے لئے محیط کے پردہ سے باہر آتا ہے، اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعین عالم پر ڈالتا ہے، اے پر رعب سمندر! اے وہ کہ غضبناک ہو کر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے، کس نے تجکو محبوس کر رکھا ہے جس طرح شیر کٹہرہ مین قید کر دیا جاتا ہے، تو اس قید خانہ سے نئے قاعدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ تیری موجون کا زور ایک حد معین سے آگے ہرگز نہین بڑھ سکتا

ان سوالات کے جواب دینے کے لئے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیے، کہ خود اہل مذہب نے کائنات کی خلقت، اور اُس کے بقا اور استمرار کا کیا اصول قرار دیا ہے، اس بارہ مین اہل مذہب کے دو گروہ ہین، ایک گروہ کی یہ راے ہے کہ عالم مین جو کچھ پیدا ہوتا رہتا ہے ایک ایک چیز کو خود خدا، بالذات اور بلا واسطہ پیدا کرتا ہے، اسباب وعلل اور درمیانی وسائط کوئی چیز نہین، پانی جو برستا ہے، تو اس وجہ سے نہین برستا کہ سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے وہ اوپر جاکر، سردی کی وجہ سے پانی بنجاتی ہے اور بادل بنکر برستی ہے، بلکہ خدا بالذات پانی برساتا ہے

خدا تمام اشیا کا بالذات خالق ہے یا بواسطہ

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ خدا نے اشیا مین خواص اور تاثیر رکھی ہے، اور انھی خواص اور تاثیر کی وجہ سے کائنات کا سلسلہ پیدا ہوتا رہتا ہے، مثلاً خدا نے پانی مین یہ خاصیت رکھی ہے کہ حرارت پاکر وہ بھاپ کی صورت مین بدل جاتا ہے، بھاپ کا یہ خاصہ ہے کہ خنکی پاکر وہ پانی بنجاتی ہے، اب ان خاصیتون کے پیدا کرنے کے بعد، خدا کو بار بار ہمیشہ دست اندازی نہین کرنی پڑتی بلکہ انھی خاصیتون کی بنا پر اوقات معینہ مین خود بخود بھاپ پیدا ہوتی ہے، اوپر جاتی ہے، پانی بنتی ہے، اور برستی ہے۔ اسی طرح خدا نے خلقت کے اصول اور قوانین مقرر کر دئے ہین جن کے موافق، نظام عالم قائم ہے اور نئے حوادث کا سلسلہ جاری رہتا ہے محققین اہل مذہب کا عموماً یہی مذہب ہے، اور خود مسلمانون مین اشاعرہ کے سوا، باقی تمام فرقون کی یہی راے ہے۔

جب یہ مسلم ہوگیا کہ عالم کا سلسلہ چند قوانین قدرت پر قائم ہے تو بحث صرف یہ رہجاتی ہے

کہ یہ قوانین قدرت خود بخود ہے ہین، یا خدا نے بنائے ہین، اگر پہلا احتمال فرض کیا جائے تو خدا کی مطلق ضرورت نہین رہتی۔

مادہ کی نسبت یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ قدیم ہے۔ علوم جدیدہ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ مادہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، یعنی جب محض اجزائے دیمقراطیسی تھے تو یہ اجزا ہمیشہ حرکت مین تھے، اور جب ان اجزا کی ترکیب سے مختلف اجسام بنے، تب بھی یہ اجزا ہر وقت خود بخود حرکت مین رہتے ہین گو ہم کو نظر نہین آتے، ان امور کے تسلیم کے بعد اس بات کی کوئی ضرورت باقی نہین رہتی کہ قوانین قدرت کے لیے، ایک الگ صانع یعنی (خدا) تسلیم کیا جائے، اجزائے دیمقراطیسی جب آپس مین امتزاج پاتے ہین، تو مختلف صورتین پیدا ہو جاتی ہین، اور ہر صورت خود ایک خاصہ اور ایک اثر رکھتی ہے، یہ خاصہ اور اثر خود اس ترکیب اور امتزاج کا نتیجہ ہے، باہر سے کوئی شخص، ان صورتون مین وہ خواص پیدا نہین کرتا، اس مضمون کو یون سمجھو کہ خود فلسفہ قدیمہ مین یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ ذاتیات اور لوازم مجعول نہین ہین مثلاً خدا نے مختلف انواع کے درخت پیدا کیے، جن مین سے ہر نوع کا پتہ، شاخین پھول، پھل، ہر رنگ مختلف ہوتا ہے لیکن یہ چیزین خدا نے بالذات پیدا نہین کین، بلکہ صرف اس نوع کو پیدا کیا، اور یہ چیزین اسکے لوازم ہونے کی وجہ سے آپ سے آپ پیدا ہو گیئن۔"

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ[1] مین لکھتے ہین

---

[1] صفحہ ۲۰-

فَاِنَّہٗ جَعَلَ لِکُلِّ نَوْعٍ اَوْرَاقًا بِشَکْلٍ خَاصٍّ
وَاَزْهَارًا بِلَوْنٍ خَاصٍّ وَثِمَارًا مُخْتَلِفَةً
بِطُعُوْمٍ وَبِتِلْکَ الْاُمُوْرِ یُعْرَفُ اَنَّ هٰذَا
الْفَرْدَ مِنْ نَوْعِ کَذَا اَوْ کَذَا - وَهٰذِهٖ کُلُّهَا
تَابِعَةٌ لِلصُّوْرَةِ النَّوْعِیَّةِ مُلْتَوِیَةٌ

خدانے ہر قسم کے درخت کے لئے جداگانہ شکل کے پتے، جداگانہ رنگ کے پھول - جداگانہ مزے کے پھل بنائے جنکے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ خاص درخت فلان درخت کے افراد مین داخل ہی اور یہ سب خاصیتین، صورت نوعیۃ کی تابع ہین اور اسی مین لپٹی ہوئی ہین

پھر آگے چلکر لکھتے ہین

وَلَیْسَ لَکَ اَنْ تَقُوْلَ لِمَ کَانَتْ ثَمَرَةُ النَّخْلِ عَلٰی
هٰذِهِ الصِّفَةِ فَاِنَّہٗ سُؤَالٌ بَاطِلٌ لِاَنَّہٗ
وُجُوْدُ لَوَازِمِ الْمُهَیَّاتِ مَعَهَا لَا یُطَالَبُ بِلِمَ

اور تم یہ پوچھ نہین سکتے کہ خرما کا پھل اس صفت کا کیون ہوتا ہی، کیونکہ ایسا سوال کرنا لغو ہی اسوجہ سے کہ ماہیت کے جو لوازم ہین اُسکے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہین اور انکی نسبت یہ سوال نہین ہو سکتا کہ کیون ایسے ہو

اس امر کے تسلیم کرنے کے بعد کہ مظاہر قدرت کا بڑا حصّہ خود اشیا کی صورت نوعیہ کا نتیجہ ہے یعنی ان کو بالذات خدانے پیدا نہین کیا بلکہ وہ صور نوعیہ کا لازمی نتیجہ تھین جو خود بخود ان کے ساتھ پیدا ہو گئین، یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ صور نوعیہ کا خالق کون ہے؟ اسقدر حکماے قدیم کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ صور نوعیہ، قدیم اور ازلی ہین، نشر الطوالع مین ہے -

صور نوعیہ قدیم ہین یا حادث

وَزَعَمَ اَرَسْطَاطَالِیْسُ وَاَبُوْ نَصْرٍ الْفَارَابِیُّ
وَاَبُوْ عَلِیِّ بْنُ سِیْنَا اَنَّ الْاَفْلَاکَ قَدِیْمَةٌ بِمَوَادِّهَا
وَمَقَادِیْرِهَا وَاَشْکَالِهَا سِوٰی حَرَکَاتِهَا وَالْعَنَاصِرَ بِمَوَادِّهَا
وَصُوَرِهَا الْجِسْمِیَّةِ بِنَوْعِهَا وَصُوَرِهَا النَّوْعِیَّةِ بِجِنْسِهَا

ارسطو، ابو نصر فارابی اور بو علی سینا کا خیال ہی کہ افلاک کا مادہ، مقدار، اور اشکال، قدیم ہین، صرف انکی حرکت قدیم نہین ہے اور عناصر کا مادہ اور انکی صور جسمیہ کی نوع اور صور نوعیہ کی جنس، قدیم ہے

صور نوعیہ کا قدیم ہونا جب خود اہل مذہب تک تسلیم کرتے ہین تو اب صرف یہ بحث رہجاتی ہے کہ صور نوعیہ خود بخود پیدا ہوگئین، یا خدا نے پیدا کین، اہل مذہب اس بات پر کوئی دلیل نہین قائم کر سکتے کہ صور نوعیہ، خدا نے پیدا کین، بلکہ یہ احتمال زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ خود بخود پیدا ہوگئین کیونکہ جب وہ قدیم اور ازلی ہین تو اُن کو بغیر کسی قوی دلیل کے معلول کہنا بالکل خلاف عقل ہے۔ حاصل یہ کہ اجزاے دیمقراطیسی قدیم ہین، ان کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے حرکت سے امتزاج پیدا ہوا، امتزاج نے مختلف صور نوعیہ پیدا کین، باقی تمام مظاہر کائنات ان صور نوعیہ کے نتائج لازمی ہین جیسا کہ خود اہل مذہب کو تسلیم ہے

رابرٹ انگرسال جو امریکا کا مشہور ملحد ہے، اپنی کتاب "انکار خدا" مین لکھتا ہے،

"فرض کرو کہ نیچر سے برتر کوئی قوت نہین اور مادہ اور قوت، ازل سے موجود ہین، اخیال کرو کہ دو ذرے باہم ملین تو کیا کوئی نتیجہ پیدا ہوگا؟ ہان! فرض کرو اگر وہ مخالف جہتون سے برابر قوت کے ساتھ آئین تو دونون رک جائین گے اور یہی نتیجہ ہوگا۔ اگر ایسا ہی ہو تو مادہ۔ قوت اور نتیجہ بلا کسی ایسی قوت کے ہین جو نیچر سے برتر ہو۔ اگر فرض کرو کہ دو ذرے اسطرح ملین تو کیا نتیجہ بعینہ وہی نہ ہوگا؟ ہان ایک ہی قسم کی حالت سے ایک ہی قسم کا نتیجہ ہوگا۔ اور اسی کے معنی قانون اور ترتب کے ہین۔ تو اب مادہ۔ قوت۔ قانون۔ ترتیب بلا ایسی قوت کے ہین جو نیچر سے بالاتر ہو"

شاید کہا جائے کہ جس طرح یہ سلسلہ فرض کیا جاتا ہے، یہ بھی فرض کیا جاسکتا ہے کہ مادہ اور اجزاے دیمقراطیسی قدیم ہین لیکن خدا کے پیدا کیے ہوئے ہین اور پھر ان کے

امتزاج اور اختلاط سے عالم پیدا ہوا، اور جب اس سلسلہ کے فرض کرنے مین کوئی استحالہ نہین تو اسی کو ترجیح کا حق ہے کیونکہ جواز مین دونون احتمال برابر ہین اور دوسرے احتمال کو ترجیح زائد یہ ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ اسی احتمال کو آج تک مانتا آتا ہے

لیکن یہ خیال بھی صحیح نہین کیونکہ واقعیت کے لحاظ سے دونون احتمال یکسان نہین ہین تمام مدرکات اور معلومات کی واقعیت کا اصلی معیار یہ ہے کہ جو علم جس قدر زیادہ، محسوسات پر مبنی اور محسوسات سے زیادہ قریب ہے اُسی قدر یقینی اور زیادہ قابل اعتماد ہے جس قدر محسوسات سے بعد ہوتا جاتا ہے اُسی قدر یقینی ہونے کا درجہ گھٹتا جاتا ہے اور اگر تحلیل کرنیکے بعد، اس کی انتہا محسوسات تک نہین پہنچتی، تو وہ محض وہمی علم ہے، کیونکہ یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ انسان اُن اشیا کو جان سکتا ہے جو یا محسوس ہین، یا محسوسات سے ماخوذ ہین،

اس بنا پر پہلا احتمال یعنی محض مادہ اور حرکت کا مبدا کائنات ہونا زیادہ تر قریب یقین ہے عالم مین جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ مادہ ہے، حرکت ہے، قوت ہے، یہ مسئلہ بھی محسوسات مین داخل ہے کہ تمام دنیا ملکر کسی چیز کو مطلق فنا کر سکتی، نہ عدم محض سے پیدا کر سکتی، اس سے خود بخود ثابت ہوتا ہے کہ مادہ قدیم ہے اسلئے مادہ کا قدیم ہونا بھی گویا محسوسات مین داخل ہے یہ بھی محسوسات مین داخل ہے کہ چند قوانین قدرت ہین جن کے مطابق کائنات کا سلسلہ قائم ہے۔ مثلاً کشش اجسام، مسئلہ ارتقاء، انتخاب طبعی وغیرہ وغیرہ

خدا کا وجود محسوسات سے ماخوذ نہین

لیکن دوسرا احتمال یعنی خدا کا وجود نہ خود محسوسات مین ہے نہ محسوسات سے ماخوذ ہے اس قدر بے شبہ محسوس ہے کہ ہر حادث، علت کا محتاج ہے، لیکن مادہ، حادث نہین،

اور چونکہ حرکت اور قوت، خود مادہ کے لوازم طبعی ہین اس لئے وہ بھی حادث نہین، اور جب مادہ۔ قوت۔ حرکت قدیم ہین، اور کائنات کے تمام انواع، انھی چیزون کا نتیجہ ہین، تو خدا کا وجود کن محسوسات سے ماخوذ کہا جا سکتا ہے؟ پروفیسر لیتیریہ کہتا ہے کہ جن اسباب نے کائنات کو پیدا کیا ہے، بظاہر وہ خود کائنات مین موجود ہین، اور اُن سے الگ نہین اور اُنھی اسباب کو ہم قوانین فطرت سے تعبیر کرتے ہین" ایک اور مشہور پروفیسر کہتا ہی کہ "قوانین فطرت اور خدا، ان دونون مین سے ہم کو صرف ایک کی ضرورت ہی"

یہ ان ملاحدہ کے خیالات ہین جنکا یہ بیان ہے کہ ہم کو خدا کے وجود پر کوئی دلیل نہین ملتی"، اور اگر صرف احتمال سے کام کیا جائے تو خدا کے عدم کا احتمال، وجود سے زیادہ قوی ہے، لیکن ملاحدہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو علانیہ اس بات کا مدعی ہی کہ خدا کا وجود جسطرح بیان کیا جاتا ہے، ہو ہی نہین سکتا۔

یہ لوگ کہتے ہین کہ خدا کے معنی اگر صرف علۃ العلل کے ہین تو ہم کو کچھ بحث نہین لیکن اگر یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ وہ قادر مطلق حکیم۔ صاحب ارادہ۔ عادل۔ اور رحیم بھی ہے تو اسکا ثبوت نہین ہوتا، بلکہ اس کے خلاف بہت سے دلائل موجود ہین جن کی تفصیل ذیل مین ہے۔

(۱) ڈارون کے مسئلہ ارتقا نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام مخلوقات نہایت ادنی درجہ سے ترقی کرتے کرتے موجودہ حالت پر پہنچی ہے، خود انسان جو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے نہایت ادنی درجہ کا جانور تھا ترقی کرتے کرتے بندر کی حد تک پہنچا اور پھر ایک دوزینہ کے بعد

آدمی بنگیا، اس بنا پر کیون کر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کا پیدا کرنے والا، قادر مطلق اور حکیم ہے

رابرٹ انگرسال اپنی کتاب مین جو خدا کے انکار پر ہے لکھتا ہے

" فرض کرو ایک جزیرہ پر ایک آدمی دس لاکھ برس کی عمر کا ملے جس کے پاس ایک نہایت عمدہ خوبصورت گاڑی موجود ہو، اور اُس کا یہ دعوی ہو کہ یہ گاڑی اس کی لاکھون برس کی محنت کا نتیجہ ہے جس کے ایک ایک پرزہ کے ایجاد کرنے مین پچاس پچاس ہزار برس صرف ہوئے" تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکالین گے کہ وہ شخص ابتدا ہی سے فن جرثقیل مین ماہر تھا " مخلوق کی ترقی سے کیا یہ بات ظاہر نہین ہوتی کہ خالق مین بھی ترقی ہوئی ہے، کیا ایک نیک عاقل اور قادر مطلق خدا انسان کو پیدا کرنا چاہتا تو اسطرح پیدا کرتا کہ پہلے نہایت ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کی سادہ حالت مین پیدا کرتا۔ پھر ایک غیر محدود زمانہ کے بعد آہستہ آہستہ ترقی دیکر انسان بناتا اس طرح سالہائے بیشمار، ان شکلون اور ہیئتون کے بنانے مین صرف ہوئے جن کو آخر کار خارج کرنا پڑا "

(۲) دنیا مین نہایت کثرت سے جور و ظلم، خونریزی اور قتل، مصیبت اور رنج پایا جاتا ہے، اس لئے کیون کر قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ دنیا کا خالق، رحیم اور عادل ہے انگرسال لکھتا ہے کہ " دنیا کی سطح کو ایسی خوفناک اور نفرت انگیز جانورون سے بھرنا جو ایک دوسرے کی تکلیف اور ایذا پر اپنی زندگی بسر کرتے ہین، کیا اس مین بصیرت اور عقل مندی کی علامت پائی جاتی ہے؟ اس دنیا کے پیدا کرنے والے کے رحم کی کون قدر کر سکتا ہے جب کہ ہر جانور دوسرے جانور کو کھاتا ہے، یہان تک کہ ہر مونھ ایک مذبح اور ہر پیٹ ایک قبرستان ہے

اس عام اور دائمی خونریزی مین غیر محدود بہیمیت اور بہیمیت کا وجود غیر ممکن ہے"
دو سال یا سال کی تاریکی مین جو تکلیفین بنی نوع انسان کو پہنچین وہ قیاس نہین کی جاسکتین، زیادہ تر حصہ اس تکلیف کا کمزور، نیک اور معصوم لوگون نے برداشت کیا عورتون سے زہریلے درندون کی طرح سلوک کیا گیا معصوم بچے حشرات الارض کی طرح پانون سے کچلے گئے، قوم کی قوم پر صدیون غلامی، کا فتویٰ رہا اور تمام عالم مین وہ ستم برپا رہا جسکو زبان قلم ادا نہین کرسکتی"

اگر کوئی کہے کہ آیندہ دنیا مین ان مصیبت زدون کو تکلیف کا بدلہ مل جائیگا تب بھی اس اعتراض کا جواب نہین ملتا، اس بات کی امید کرنے کا ہم کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک کامل، عاقل، نیک اور با اقتدار حکیم ہمارے ساتھ بمقابلہ حال کے آیندہ بہتر سلوک کریگا، کیا خدا مین زیادہ قوت آجائیگی؟ کیا وہ زیادہ رحیم ہوجائیگا؟ کیا اسکی مہربانی اپنی عاجز مخلوق کے ساتھ زیادہ ترقی کرجائیگی"

(۳۶) یہ امر ظاہر ہے کہ سیکڑون آدمی خلقۃً نہایت بیرحم سخت دل، بدکار اور مائل بہ شہوات ہوتے ہین، بلکہ خلقت کا زیادہ حصہ برے ہی آدمیون کا ہے، اس صورت مین کیونکر قیاس ہوسکتا ہے کہ ایک حکیم اس قسم کے اشخاص کا پیدا کرنا جائز رکھتا، قیامت کی جزا وسزا۔ اس عقدہ کو حل نہین کرسکتی، کیونکہ اصل سوال یہ ہے کہ ان اشخاص کے پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ پیدا کرنا اور پھر انکو قیامت مین سزا دینا اس سے کیا فائدہ؟ اگر خدا قادر مطلق ہے تو اسکو دنیا مین صرف نیکی، راست بازی، نکوکاری

پیدا کرنی چاہئے تھی - فریب - جھوٹ - فسق - فجور - حسد - بغض - دشمنی - انتقام - بیرحمی کے وجود کی کیا ضرورت تھی؟ ان تمام باتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ارادہ اور مختار خدا نہین ہے، بلکہ صرف لا آف نیچر ہے، جس کے موافق کائنات کا ایک سلسلہ قائم ہے اور بغیر کسی غرض اور مقصد کے جو کچھ ہوتا ہے ہوا جاتا ہے

ایک مشہور ملحد کہتا ہے کہ جہان تک ہم تمیز کر سکتے ہین ہمکو معلوم ہوتا ہی کہ نیچر بلا محبت اور بلا ارادہ ہمیشہ مختلف اشکال بناتا اور بدلتا رہتا ہے، نہ اس کو غم ہی نہ خوشی، زہر و غذا، رنج و طرب، زندگی و موت، ہنسی اور آنسو، سب اسکے نزدیک یکسان ہین، نہ وہ رحیم ہے، نہ وہ خوشامد سے خوش ہوتا ہی، نہ آنسو گرانے سے متاثر''

ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب

ہم کو اس سے انکار نہین کہ عالم، اجزاے دیمقراطیسی سے بنا ہے. ہمکو یہ بھی تسلیم ہے کہ عالم، قدیم ہے جیسا کہ خود مسلمانون کے ایک بڑے فرقہ معتزلہ اور حکماے اسلام یعنی فارابی - ابن سینا اور ابن رشد کی راے ہے. بلکہ جیسا کہ ابن رشد نے تلخیص المقال مین لکھا ہے خود قرآن مجید کی ان آیتون سے اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ یہی متبادر ہوتا ہے، ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہین کہ مادہ کے اجزا متحرک ہین، حرکت - مادہ کی ذاتیات مین سے ہے، مختلف قوانین قدرت ہین جن کے موافق، اجزا باہم ملتے ہین، ترکیب پاتی ہین اور پھر اُنمین خاص خاص قوتین اور خواص پیدا ہوجاتے ہین، لیکن کائنات کا عقدہ اُن باتون سے

بھی حل نہین ہوتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے

اس مین شبہ نہین کہ عالم۔ کا تمام نظام، قوانین قدرت، یا لاف نیچر پر قائم ہے لیکن یہ قوانین، الگ الگ مستقل بالذات، اور ایک دوسرے سے بے تعلق نہین ہین بلکہ سب ایک دوسرے کے موافق، متناسب اور معین ہین ان مین باہم اسقدر تناسب اور ربط ہے کہ ایک چھوٹی سی چیز کے پیدا کرنے مین کل قوانین قدرت باہم ملکر کام کرتے ہین۔ ایک کمزور سے کمزور گھانس اُس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب خاک۔ ہوا۔ پانی وغیرہ سے لیکر بڑے بڑے اجرام فلکی مثلاً افتاب، و ماہتاب، وغیرکے افعال، اور خواص، اُسکے پیدا کرنے مین، مشارکت اور توافق کو عمل مین لائین، اسکی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح انسان کے جسم مین سیکڑون اعضا، جوارح، اور اعصاب ہین، یہ اعضا اور جوارح الگ الگ ہین اور ہر ایک کا کام جدا ہے، لیکن کوئی عضو اس وقت تک کام نہین دے سکتا جب تک اور تمام اعضا بالذات یا بواسطہ اُسکے عمل مین شریک نہون، یا کم سے کم یہ کہ اُس کے کام مین خلل انداز نہ ہون، اسی سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ان اعضا کے قوٰی مستقل حیثیت نہین رکھتے بلکہ انسان مین کوئی اور عام قوت ہے جو ان تمام اعضا کی جداگانہ قوتون سے بالاتر ہے، اور جس کی ماتحتی مین یہ سب باتفاق کام کرتے ہین، اس عام قوت کو نفس۔ روح۔ یا مزاج سے تعبیر کیا ہے۔

تمام قواے قدرت باہم موافق اور معاون ہین

قوانین قدرت کا بھی یہی حال ہے، عالم مین سیکڑون ہزارون قوانین قدرت ہین، لیکن اگر ان مین سے ایک بھی باہمی توافق کے مرکز سے ذرا ہٹ جائے تو تمام نظام عالم

برہم ہو جائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت ہے جو ان تمام قوانین قدرت کو محکوم رکھتی ہے اور جس نے ان تمام قوانین مین، باہم توافق، تناسب، ربط، اور اتحاد پیدا کیا ہے میٹریسٹ یہ کہتا ہے کہ مادہ خود بخود پیدا ہوا، مادہ کے ساتھ حرکت پیدا ہوئی حرکت نے امتزاج پیدا کیا، اور پھر رفتہ رفتہ بہت سے قوانین قدرت پیدا ہو گئے لیکن وہ اس بات کی وجہ نہین بتا سکتا کہ ان سیکڑون ہزارون بلکہ لاکھون قوانین قدرت مین یہ توافق، تناسب، اور اتحاد کہان سے آیا؟ توافق اور اتحاد پیدا ہونا۔ خود ان قوانین کی ذاتی خاصیت نہین ہے اور اگر کوئی ایسا دعوی کرے تو محض ایک فرضی احتمال ہوگا جسکی کوئی نظیر پیش نہین کیجا سکتی، یہی بالاتر قوت جو تمام قوانین قدرت پر حاکم ہے اور جس نے ان تمام قوانین مین ربط اور اتحاد قائم کیا ہے خدا ہے یہی معنی ہین قرآن مجید کی اس آیت کے وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا زمین اور آسمان مین جو کچھ ہے سب اوسکا کہا مانتے ہین جبر یا خوشی

یورپ کے بڑے بڑے حکما اور فلاسفرز کو اسی بنا پر خدا کا اقرار کرنا پڑا ہے

ملین اڈورڈ MILNE EDWARD کہتا ہے ”انسان اسوقت سخت حیرت زدہ ہو جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوے ایسی لوگ بھی موجود ہین جو یہ کہتے ہین کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت واتفاق کے نتائج ہین، یا دوسری عبارت مین یون کہنا چاہیے کہ مادہ کی عام خاصیت کے نتائج ہین، یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیان جن کو لوگون نے علم المحسوسات کا لقب دیا ہے علم حقیقی نے اُن کو بالکل باطل کر دیا ہے فزیکل سائنس جاننے والا کبھی اسپر اعتقاد نہین لاسکتا“

ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے "یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہین جب ہم ان پر زیادہ بحث کرتے ہین تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت ہے جس سے تمام اشیا وجود مین آئی ہین"

پروفیسر لینہ کہتا ہے "وہ خداے اکبر جو ازلی ہے، جو تمام چیزون کا جاننے والا ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے، اپنی عجیب و غریب کاریگریون سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ مین مبہوت اور مدہوش ہوجاتا ہون[1]"

اب ہم اُن اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو خدا کے قادر مطلق، رحیم اور عادل ہونے کی نسبت کیے جاتے ہین، یہ اعتراض کہ اگر خدا قادر مطلق ہوتا تو دنیا کو بتدریج کیون پیدا کرتا، اسقدر لغو ہے کہ توجہ کے بھی قابل نہین۔

ایک قطرہ کا رحم مین پڑنا، پرورش پانا، گوشت پوست چڑھنا، مختلف اعضا کا پیدا ہونا، جان کا پڑنا، خون سے غذا پانا اور پھر نور کا پتلا بنکر ہستی کے منظر پر آنا، زیادہ اعجوبہ زا اور کمال قدرت کی دلیل ہے؟ یا دفعۃً بنا بنایا ایک انسان مجسم کا پیدا ہوجانا؟

البتہ یہ اعتراض توجہ کے قابل ہے کہ دنیا مین نیکی کے ساتھ برائی کیون ہے؟

بوعلی سینا نے شفا مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دنیا کی تین حالتین فرض کی جاسکتی ہین۔

(۱) محض بھلائی ہی بھلائی ہوتی (۲) محض برائی ہوتی۔ (۳) زیادہ بھلائی ہوتی اور کسیقدر برائی

[1] ہربرٹ اسپنسر اور پروفیسر لینہ کے یہ اقوال پہلے بھی ہم نقل کر چکے ہین

اب فرض کرو کہ قدرت کے سامنے یہ تینوں پیش ہین تو کیا کرنا چاہیے،

پہلی صورت کی نسبت کسی کو اختلاف نہین ہو سکتا کہ وہ اختیار کرنے کے قابل ہے

دوسری صورت بھی قابل بحث نہین کیون کہ ہر شخص کے نزدیک وہ قابل اختیار ہے۔ اور قدرت نے بھی ایسا ہی کیا، یعنی ایسی دنیا پیدا نہین کی جس مین برائیان ہی برائیان ہون

صرف تیسری صورت بحث کے قابل ہے۔ یعنی قدرت کو ایسا عالم پیدا کرنا چاہیے یا نہین جسمین بھلائیان زیادہ اور برائیان کم ہون، اگر ایسا پیدا نہ کیا جاتا تو بے شبہ یہ فائدہ ہوتا کہ چند برائیان عالم وجود مین نہ آتین لیکن اسکے ساتھ بہت سے بھلائیون کا بھی وجود نہ ہوتا۔ اسکا یہ نتیجہ ہوتا کہ چند برائیون کے لیے دنیا ہزارون بھلائیو نسے محروم رہجاتی۔

ابن رشد نے اس اعتراض کا اور جواب دیا ہے، وہ کہتا ہے کہ دنیا مین جو برائی پائی جاتی ہے وہ بالذات نہین بلکہ کسی بھلائی کی تابع اور لازم ہے، غصہ بری چیز ہے لیکن اُس حاسہ کا نتیجہ ہے جس کی بدولت انسان حفاظت خود اختیاری کرتا ہے، یہ حاسہ نہ ہو تو انسان ایک قاتل کے مقابلہ مین اپنی جان بچانے کی بھی کوشش نہ کرے، فسق و فجور بُری چیزین ہین لیکن یہ اُسی قوت سے متعلق ہین جسپر نسل انسانی کا بقا منحصر ہے، آگ گھرون کو جلا دیتی ہے شہر کے شہر اس سے تباہ ہو جاتے ہین لیکن اگر آگ نہ ہو تو انسان کا زندگی بسر کرنا محال ہو جائے،

اب صرف یہ شبہ رہتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو چیز پیدا کیجاتی اسمین اچھائی ہی اچھائی ہوتی۔ برائی مطلق نہ ہوتی، ابن رشد کہتا ہے کہ ہان یہ ممکن ہی نہ تھا۔ کوئی ایسی آگ

نہین پیدا کی جا سکتی کہ اس سے کھانا پکانا چاہین تو پک جائے لیکن اگر مسجد کو جلانا چاہین تو نہ جلائے،

باقی یہ اعتراض کہ دنیا مین اکثر اچھے آدمی تکلیف اُٹھاتے ہین اور برے آدمی عیش و عشرت سے بسر کرتے ہین اسکا جواب یہ ہے کہ انسان کی زندگی، اس حیات فانی تک ختم نہین ہو جاتی، اس لئے یہ کیون کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم جن کو عیش و عشرت مین بسر کرتا ہُوا دیکھ رہے ہین یہ اُنکی پوری زندگی کی تصویر ہے، ہمارے سامنے اس سلسلہ کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے، اس کی بنا پر ہم پورے سلسلہ کی نسبت کیون کر رائے دے سکتے ہین، آگے چلکر ہم ثابت کرین گے کہ جزا و سزا، افعال انسانی کے لازمی نتائج ہین جو کسی طرح اُنسے جدا نہین ہو سکتے جس طرح مرنا زہر کھانے کا اور سیراب ہونا پانی پینے کا لازمی نتیجہ ہے، اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہین کہ بہت سے لوگ اچھے یا برے کام کرتے ہین، اور اُن کے نتیجے اُن کو پیش نہین آتے

نظام عالم مین ہم کو جو برائیان ابتریان اور نقائص نظر آتے ہین کون کہ سکتا ہے کہ واقعی نقائص ہین؟ یا اس وجہ سے نظر آتے ہین کہ نظام عالم کا پورا سلسلہ ہماری آنکھون کے سامنے نہین ہے۔ ایسی حالت مین صرف اتنی بات پر خدا کے کمال اور عزت و جلال کا کیون کر انکار کیا جا سکتا ہے؟ وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

توحید

توحید ذات باری کا اجمالی اعتراف، تمام مذاہب مین پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر اسلام نے اس مسئلہ پر چندان زور نہین دیا اسلام کے مختصات مین جو چیز ہے وہ توحید ہے کیون کہ

دوسرے مذاہب مین یا توسرے سے توحید تھی ہی نہین یا تھی تو کامل نہ تھی۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے بار بار کہا کہ کفار کو بھی خدا سے انکار نہین، کفار کو جو وحشت ہے وہ توحید سے ہے،

إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ	جب اکیلا خدا پکارا جاتا ہے تو تم منکر ہوجاتے ہو اور اگر کوئی اور شریک کیا جائے تو تم مان لیتے ہو۔ اور جب خدا کا تنہا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرین قیامت کا دل بدک جاتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ جن اسباب سے ہم کو خدا کے وجود کا یقین ہوتا ہے بعینہ وہی اسباب اس بات کے بھی شاہد ہین کہ خدا ایک ہی ہے، نظام عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو بظاہر وہ کثیر الاجزا، یا کثیر الافراد ہے لیکن سب ملکر ایک ہے یعنی اُس کُل کا ایک ایک پرزہ دوسرے سے اس قدر وابستہ ہے کہ وہی ایک شخص اُسکو چلا سکتا ہے جو تمام پرزون کا موجد، اور اُنکے باہمی تناسب کا محافظ ہو اسی دلیل کو قرآن مجید مین اسطرح ادا کیا ہے،

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا	اگر آسمان اور زمین مین کئی خدا ہوتے تو نظام عالم بگڑ جاتا

منطقی پیرایہ مین اگر یہ استدلال بیان کیا جائے تو پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے

۱۔ عالم مین گو بظاہر ہزارون لاکھون اشیا نظر آتی ہین لیکن عالم ایک شے واحد ہے اور یہ تمام اشیا اسکی ذاتیات اور اجزا ہین جسطرح انسان مین باوجود اسکے کہ ہاتھ پانون، کان، آنکھ، ناک۔ بہت سے اعضا پائے جاتے ہین تاہم انسان ایک شے واحد ہی ہے

۲۔ ایک چیز کی دو علت تامہ نہین ہوسکتین، کیونکہ علت تامہ کے یہ معنی ہین کہ اُسکے وجود کے ساتھ بلا انتظار کسی اور چیز کے معلول وجود مین آجائے۔ اسلیے اگر ایک معلول کیلیے

دو علت تامہ ہون تو ایک بالکل بیکار ہوگی

۳۔ خدا، عالم کی علت ہے

اب استدلال کے مقدمات یہ ہین۔ عالم ایک شے واحد ہے۔ اور شے واحد کی دو علت تامہ نہین ہوسکتی۔ اس لیے عالم کی دو علت تامہ نہین ہوسکتین۔ خدا عالم کی علت تامہ ہے اور علت تامہ متعدد نہین ہوسکتی، اس لیے خدا متعدد نہین ہوسکتا۔ یہ بات خاص طور پر خیال کے قابل ہے کہ مطلق توحید بھی درحقیقت تمام مذہبون مین پائی جاتی ہے جن قومون کو مشرک کہا جاتا ہے وہ بھی قادر مطلق ایک ہی ذات کو مانتے ہین، البتہ اس کے مظاہر اور صفات کو متعدد سمجھتے ہین جس سے شرک کا گمان ہوتا ہے، عیسائی تین خدا مانتے ہین لیکن اسکے ساتھ یہ بھی کہتے ہین کہ تینون ایک ہین، یہ تعبیر کتنی ہی غلط ہو لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی تعدد انکو بھی گوارا نہین۔ اس لحاظ سے مطلق توحید بھی کوئی نئی بات نہین اسلام کو اس بات مین جو خصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اُسنے توحید کو کامل یعنی شرک کے ہر قسم کے شائبون سے پاک کر دیا۔ اور یہ منجملہ اُن تکمیلون کے ہے جن کی وجہ سے اسلام کے بعد اور کسی مذہب کی ضرورت نہین رہی کیونکہ کمال کے بعد پھر کوئی درجہ نہین، توحید کامل کے یہ معنی ہین کہ جس طرح خدا کی ذات مین کوئی شریک نہین اسیطرح اُسکی صفات مین بھی کوئی شریک نہین، پیدا کرنا، زندہ رکھنا، مارنا، عالم الغیب ہونا۔ دور و نزدیک سے یکسان تعلق رکھنا یہ تمام صفات خدا کی ذات کیساتھ مخصوص ہین، اسلام کے سوا اور مذہب والے اوتارون اور پیغمبرون مین بھی یہ اوصاف مانتے تھے اور مانتے ہین اور یہی

توحید پر استدلال

توحید کا نقض ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اب اصطلاح کا پردہ رکھکر ان اوصاف کو اورون مین بھی ماننے لگے ہین۔ اسلام نے توحید کے کمال کے لئے توحید فی الذات کے ساتھ توحید فی الصفات اور توحید فی العبادت کو بھی ضروری قرار دیا یہانتک کہ سجدہ تعظیمی جو تمام دوسرے مذاہب مین، خدا کے سوا اورون کے لئے بھی جائز تھا اسلام نے اسکو بھی حرام کردیا،

توحید فی الصفات وفی العبادت

حقیقت یہ ہی کہ خدا کے اقرار اور اعتراف کا دلپر جو اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ توحید کامل کے بغیر پیدا نہین ہوسکتا۔ اطاعت۔ انقیاد و خشوع۔ استقلال، توکل، اخلاص کی حالت اسیوقت دلپر طاری ہوسکتی ہے جب یہ خیال ہو کہ ہماری تمام حاجتون، تمام ضرورتون، تمام امیدون، تمام اغراض، تمام خواہشونکا ایک ہی مرکز ہے انسان ہین، استقلال، آزادی۔ دلیری بے نیازی کے اوصاف بھی توحید کامل کے بغیر پیدا نہین ہوسکتے، جو شخص ایک کے سوا اور کو بھی حاجت روا مانتا ہی۔ اس کا سر ہر آستانہ پر جھک جانیکے لیے تیار رہتا ہی

نبوّت

نبوت کی کیا حقیقت ہی؟ اسکے کیا شرائط ہین؟ متنبی اور غیر متنبی مین حد فاصل کیا ہے، ان سوالات کا جواب آج تمام اسلامی فرقون کی طرف سے عموماً یہ دیا جاتا ہے کہ نبوت خدا کا عطا کیا ہوا ایک منصب ہے خدا جسکو چاہتا ہے دیتا ہے نبوت کے لئے معجزہ شرط ہے، اور یہی نبوت کی فصل اور ممیز ہے، اس جواب کی ابتدا اشاعرہ ظاہر مین سے ہوئی اور رفتہ رفتہ تمام اسلامی فرقون مین یہی اعتقاد پھیل گیا

جناب رسالت پناہ اور صحابہ کے زمانہ مین تو علمی اور اصطلاحی حیثیت سے اس مسئلہ پر

بحث پیدا ہی نہین ہوسکتی تھی لیکن دولت عباسیہ کے ابتدا ہی مین جب فلسفہ نے مذہب کے احاطہ مین قدم رکھا تو یہ بحث زور وشور کے ساتھ پیدا ہوئی۔ جہانتک ہم کو معلوم ہی سب سے پہلے اس مسئلہ پر جاحظ نے قلم اُٹھایا اور ایک مستقل کتاب لکھی، علوم عقلیہ ونقلیہ مین جاحظ کا جو پایہ ہے اسکے لحاظ سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اُسنے کیا کچھ لکھا ہوگا؟ لیکن قدما کی تمام تصنیفات اس طرح برباد ہوچکی ہین کہ آج اُس خرمن کا ایک دانہ بھی موجود نہین ایثار الحق مین جو نوین صدی کے ایک مجتہد یمنی کی تصنیف ہے اور آج کل مصر مین چھاپی گئی ہے، ایک جگہ صرف اس کتاب کا تذکرہ ہے، اور شرح مواقف مین نبوت کے اثبات کے جو چار طریقے لکھے ہین ان مین سے دوسرے طریقے کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ جاحظ کا مذہب ہے اور امام غزالی نے بھی اسکی تحسین کی ہے"

اشاعرہ کا جو اعتقاد ہے گو تمام دنیا مین پھیل گیا ہے لیکن یہ عجیب بات ہی کہ آج اس پر جو اعتراضات کیے جارہے ہین، ان مین سے کہین زیادہ خود اشاعرہ ہی کے زمانہ مین کیے جاچکے تھے، اسی بنا پر امام غزالی، رازی ابن رشد، راغب اصفہانی، اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ اساطین کلام نے، اشاعرہ کے نقش قدم کو چھوڑکر دوسری راہ اختیار کی، لیکن اشاعرہ کا مذہب عوام کے طبائع کے اسقدر موافق واقع ہوا تھا کہ امام غزالی وغیرہ نے جو کچھ اُنکے موافق کہا وہ آج ایک ایک بچہ کے دل مین، اور زبان پر ہی، اور جو کچھ اُنکی خاص رائین تھین، وہ اس شور وہنگامہ مین لوگون کو سنائی بھی نہ دین، مجبوراً ان بزرگون نے بھیڑ سے الگ ہوکر ایک خاص دائرہ اختیار کیا اور جو کہنا تھا اسی خاص مجمع سے مخاطب ہوکر کہا

خدا کا شکر ہے کہ اُن کی رازدارانہ گفتگوئین، گو پھیلین نہین، لیکن بالکل ناپید بھی نہین ہوئین، مین اس بحث کو نہایت استیعاب کے ساتھ لکھون گا جس سے امور ذیل مقصود ہین

(۱) یہ ظاہر کرنا کہ مسئلہ نبوت کے متعلق مجتہدین اور ائمہ فن کے ذاتی خیالات اور تحقیقات کیا ہین؟

(۲) نبوت پر جو اعتراضات کئے جارہے ہین نئے نہین ہین، بلکہ مع شئے زاید پہلے کئے جاچکے ہین

(۳) یہ اعتراضات، زیادہ ایک خاص ظاہر پرست گروہ مذہب پر وارد ہوتے ہین محققین کا مذہب ان حملون کی زد سے محفوظ ہے

(۴) علم کلام کی مروجہ اور زیر درس کتابین عامیانہ مذاق پر لکھی گئی ہین محققین اور ائمہ کلام کی تحقیقات، یا سرے سے اُن مین مذکور نہین، یا ہین تو اُن کو ایسے کمزور پیرایہ مین ادا کیا ہے کہ اُن پر توجہ تک مائل نہین ہوسکتی۔

اب ہم اصل بحث کیطرف متوجہ ہوتے ہین

خرق عادت کے مسئلہ کی بناپر

نبوت پر اعتراض

نبوت کی تعریف جیساکہ مواقف مین ہے اشاعرہ نے یہ کی ہے اور اُسی کو تمام اہل حق کی طرف منسوب کیا ہے

مَنْ قَالَ لَهُ اللّٰهُ اَرْسَلْتُكَ اَوْ بَلِّغْهُمْ عَنِّیْ وَنَحْوَهُ مِنَ الْاَلْفَاظِ وَلَا یَشْتَرِطُ فِیْهِ شَرْطٌ وَلَا اسْتِعْدَادٌ بَلِ اللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ

پیغمبر وہ ہی جس سے خدانے یہ کہا ہو کہ مینے تجکو بھیجا یا لوگون کو میریطرف سے پیغام پہنچا، یا اس قسم کے اور الفاظ، اور پیغمبر ہونیکے لیے کوئی شرط نہین نہ یہ شرط ہی کہ اُسمین کسی قسم کی قابلیت ہو بلکہ خدا اپنی رحمت کے ساتھ اپنے بندون مین سے جسکو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے

لیکن یہ تعریف اس قسم کی ہے کہ اسکی بناپر کسی شخص کو نبی کہنا بھی نبی کا کام ہو سکتا ہے کیونکہ عام لوگونکو اس اطلاع کا کیا ذریعہ ہے کہ فلان شخص سے خدانے باتین کین اور اس سے یہ یہ کہا، اس بناپر اشاعرہ نے نبوت کے شناخت کے لیے معجزہ کو دلیل قرار دیا یعنی جس سے معجزہ صادر ہو، اُسکی نسبت یہ یقین کیا جائے گا کہ خدانے اس سے خطاب کیا، اس بناپر امور ذیل تنقیح طلب ہین۔

معجزہ کی کیا تعریف ہے اور اسکے کیا شرائط ہین؟

کیا اس سے نبوت پر استدلال ہو سکتا ہے؟

معجزہ کی تعریف اشاعرہ نے یہ کی ہے کہ جسکے ظاہر کرنے سے نبوت کی تصدیق مقصود ہوا اور اُسکے لیے سات شرطین قرار دی ہین۔

(۱) خدا کا فعل ہو۔ (۲) خارق عادت ہو۔ (۳) اُس کا معارضہ ناممکن ہو۔ (۴) مدعی نبوت سے ظاہر ہو۔ (۵) دعوی کے موافق ہو۔ (۶) نبی کا مکذب نہ ہو، (۷) دعوی پر مقدم نہ ہو

ان شرطون مین سے دو شرطین قابل بحث ہین

یہ شرط کہ خارق عادت ہو، اس سے کیا مراد کیا ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ سلسلہ اسباب اور اصول فطرت کے خلاف ہو تو سوال یہ ہے کہ معجزہ واقع بھی ہو سکتا ہے یا نہین؟

انسان کو جسقدر علوم حاصل ہوتے ہین اُن کی دو قسمین ہین، بدیہیات۔ نظریات،

بدیہیات وہ امور ہین جو بغیر غور وفکر کے حاصل ہوتے ہین، یعنی انسان کو بغیر استدلال و احتجاج کے آپ سے آپ اُنکا یقین حاصل ہو جاتا ہے، مثلاً یہ کہ آفتاب روشن ہے۔ آگ جلاتی ہے۔ کل جزو سے بڑا ہوتا ہے۔ دو متناقض ایک جا جمع نہین ہو سکتے۔

نظریات وہ امور ہین جو غور اور فکر سے حاصل ہوتے ہین، مثلاً یہ کہ عالم حادث ہے۔ خدا موجود ہے، روح قدیم ہے، نظریات اگرچہ خود بدیہی نہین لیکن یہ ضرور ہے کہ انکی انتہا، بدیہیات تک ہو۔

بدیہیات کے بہت سے اقسام ہین۔ نظام قدرت مین جو چیزین ہمیشہ ایک طرح پر وقوع مین آتی رہتی ہین اُنکے استقرا سے جو علم کلی پیدا ہوتا ہے وہ بھی بدیہیات کی ایک قسم ہے۔ انھی بدیہیات مین سے یہ بھی ہے کہ عالم مین علل و اسباب کا سلسلہ جاری ہے، یعنی جو چیز وجود مین آتی ہے اُسکے علل اور اسباب ہوتے ہین، اور جب کسی شے کے علل اور اسباب موجود ہوتے ہین تو ضرور اس شے کا وجود ہوتا ہے۔ اب معجزہ کی اگر یہ تعریف ہے کہ علت و معلول کے سلسلہ کے خلاف وقوع مین آئے، تو معجزہ بداہۃً باطل ہوگا، کیونکہ علت و معلول کا علم انسان کو بداہۃً حاصل ہوتا ہے، اور جب معجزہ اس سلسلہ کے خلاف ہے تو بداہت کے خلاف ہے۔

امام رازی نے مطالب عالیہ مین جہان اس اعتراض کی تقریر کی ہے لکھتے ہین[1] کہ
"کہ علم کی دو قسمین ہین بدیہی و نظری۔ نظری، بدیہی پر متفرع ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی نظری ایسا ہو جو بدیہی کو باطل کرتا ہو تو اُسکے یہ معنی ہونگے کہ فرع اصل کے خلاف ہے اور یہ محال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علوم نظری بدیہیات مین خلل انداز نہین ہو سکتے"

"اب ہم جب غور کرتے ہین کہ بدیہی کیا چیز ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ جو علم انسان کو خود بخود یقینی طور پر حاصل ہوتا ہے جس مین وہ کسی طرح شک نہین کر سکتا وہی بدیہی ہے"

"جب یہ مقدمہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہین کہ جب ہم کسی انسان کو دیکھتے ہین تو ہمکو قطعی یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص پہلے رحم مین تھا۔ پھر رحم سے بچہ ہو کر نکلا، بچہ سے جوان ہوا، اب گر کوئی شخص یہ کہے کہ نہین بلکہ وہ دفعۃً پیدا ہو کر جوان ہو گیا تو ہم قطعاً یقین کر لین گے کہ یہ شخص غلط کہہ رہا ہے اور اُس کا قول باطل و افترا ہے"

"اس سے ثابت ہوا کہ خرق عادات کا دعوی ایک لغو بات ہے، اور جب یہ کلیہ ثابت ہو چکا تو ہم چند مثالون کے ذریعہ سے اُسکو سمجھاتے ہین۔

(۱) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ یہ ممکن ہے کہ دریا اور چشمون کا پانی، آب زر بنجائے یا پہاڑ زر خالص ہو جائے تو ہر شخص اُسکو مجنون کہے گا۔

(۲) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ ممکن ہے کہ میرے گھر مین جو پتھر پڑا ہے وہ حکیم بنجائے اور منطق و فلسفہ کے دقائق کا ماہر ہو جائے، ممکن ہے کہ گھر مین جتنے کیڑے ہین عالم و فاضل

[1] یہ امام صاحب کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے

انسان بن جائین ممکن ہے کہ جب مین گھر کو واپس جاؤن تو میرا گدہا بطلیموس ہو چکا ہو اور مجسطی پڑھا رہا ہو۔ اور گھر مین جو کیڑے مکوڑے تھے وہ آدمی بن کر ہندسہ و منطق و الٰہیات مین مباحثہ کر رہے ہون، تو ہر شخص ایسے آدمی کو انتہا درجہ کا مجنون کہے گا

(۴) اگر کوئی شخص کف دست میدان کو دیکھکر کہے کہ ممکن ہے کہ بغیر کسی معمار اور سامان تعمیر کے یہان عالیشان ایوان اور محل بن جائین، اور نہرین جاری ہو جائین تو ہر شخص ایسے آدمی کو مجنون کہے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ عقل بالبداہتہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جس قدر حوادث ہین وہ نظام مقررہ اور عادت مستمرہ کے موافق وقوع مین آتے ہین اور یہ احتمال پیدا کرنا کہ وہ ممکن ہے کہ اسکے خلاف ہو، بدیہیات مین قدح کرنا ہے[1]،

بہرحال خرق عادت کو معجزہ کہنا خود معجزہ کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ اسی بنا پر بعض اکابر اشاعرہ نے خرق عادت کی قید معجزہ کی تعریف سے خارج کردی۔ شرح مواقف مین ہے
وَالْمُعْجِزَةُ عِنْدَنَا مَا يُقْصَدُ بِهِ تَصْدِيقُ اور معجزہ کی تعریف ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس سے مدعی
مُدَّعِي الرِّسَالَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ خَارِقًا لِلْعَادَةِ نبوت کی تصدیق مقصود ہو، گو وہ خرق عادت نہ ہو۔

اب فرض کرو کہ خرق عادت ممکن ہے اور معجزہ خرق عادت کا نام ہے یعنی یہ کہ ایک چیز بغیر اسباب و علت کے وجود مین آئے، یا یہ کہ باوجود علت کے وجود کے معلول نہ پایا جائے مثلاً کسی پیغمبر کو آگ نے نہین جلایا تو اُسکے یہ معنی ہین کہ جلانے کی علت، یعنی آگ موجود تھی

[1] یہان تک امام رازی کی اصلی عبارت کا لفظی ترجمہ تھا۔

اور وہ جلا نہ سکی۔ یا مثلاً کسی پیغمبر نے پتھر پر عصا مارا اور چشمہ جاری ہوگیا، تو اُس کے یہ معنی کہ چشمہ کے جاری ہونے کی کوئی علت نہ تھی باوجود اس کے چشمہ جاری ہوگیا،

اس صورت مین یہ بحث پیدا ہوگی کہ اس بات کا کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ واقع مین اس واقعہ کا کوئی سبب موجود نہ تھا، اور خصوصاً اشاعرہ کے موافق تو یہ احتمال نہایت قوی ہوجاتا ہے۔ اشاعرہ اس بات کے قائل ہین کہ جن اور شیاطین ہر قسم کی خرق عادات پر قادر ہین، اس کے ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل ہین کہ جن اور شیاطین، انسان کے بدن مین حلول کرسکتے ہین، اور اُس وقت اس آدمی سے وہ تمام عجیب وغریب افعال صادر ہوسکتے ہین جو خود اجنّہ اور شیاطین سے صادر ہوسکتے ہین، اب فرض کرو کہ ایک مدّعی نبوت، کسی خرق عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ یہ درپردہ کسی جن کا فعل نہین ہے۔

اشاعرہ اس بات کے بھی قائل ہین کہ جادو سے ہر قسم کے خرق عادات سرزد ہوسکتے ہین یہان تک کہ آدمی گدھا، اور گدھا آدمی بن سکتا ہے اس صورت مین کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ یہ خرق عادت معجزہ ہے سحر نہین، شرح مواقف مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ سحر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد نہین ہوتے۔ جادوگر جب عظیم الشان خرق عادات دکھاتا ہے تو نبوت کا دعوی نہین کرسکتا اور اگر وہ ایسا دعوی کرے تو خدا اُس کے خرق عادات کو روک دیگا۔

لیکن یہ جواب بالکل ناکافی ہے، اشاعرہ اس بات کے قائل ہین کہ سحر سے

آدمی ہوا پر اُڑ سکتا ہے، آدمی گدھا اور گدھا آدمی بن جاتا ہے، زمین سے چشمے اُبل
سکتے ہین، جمادات مین حرکت پیدا ہو سکتی ہے، کیا یہ عظیم الشان خرق عادات نہین ہین،
اُسکے علاوہ انبیا کے بھی تمام معجزے عظیم الشان نہین ہوتے، باقی یہ امر کہ جادوگر خرق
عادات کے ساتھ نبوت کا دعوی نہین کر سکتا، محض دعوی ہی دعوی ہے جسکی کوئی دلیل
نہین بیان کیجا سکتی اگر مان لیا جائے کہ فی نفسہ جادوگر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد
ہو سکتے ہین، تو کون تسلیم کریگا کہ دعوے نبوت کی حالت مین، اُسکی یہ قدرت جاتی رہیگی،
عبداللہ بن المقنع اور زردشت نے بڑے بڑے خرق عادات دکھائے، اور نبوت کا دعوی بھی کیا
ان امور کے علاوہ، شعبدہ جات۔ نیرنگجات۔ اور مسمیریزم وغیرہ سے نہایت عجیب
وغریب امور سرزد ہوتے ہین، اس لئے یہ کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو معجزہ کہا جاتا ہے
اس مین، ان چیزون کا شائبہ نہ تھا۔

غرض معجزہ کے متعلق یہ احتمال ہر وقت موجود ہے کہ مخفی اسباب کی وجہ سے اسکا
ظہور ہوا ہو، اس لئے معجزہ کا معجزہ ہونا نہایت مشکل ہے

ان اعتراضات سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو عدم معارضہ کی شرط کیونکر ثابت ہو سکتی ہے
یعنی یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس معجزہ کا جواب نہین ہو سکتا۔ جواب نہو سکنے سے اگر یہ
مراد ہے کہ معجزہ کے اظہار کے وقت سے اسکا جواب کسی سے نہ ہو سکا تو عبداللہ بن المقنع اور زردشت
وغیرہ کو بھی پیغمبر ماننا پڑے گا کیونکہ جو خارق عادت باتین انسے ظہور مین آئین اُس زمانہ مین کوئی شخص انکا

ل امام رازی تفسیر کبیر ہاروت وماروت کے قصہ کی تفسیر مین لکھتے ہین۔ اما اهل السنۃ فقد جوزوا ان یقدر الساحر
ان یطیر فی الهواء و یقلب الانسان حمارا و الحمار انسانا۔

جواب نہ لاسکا، اور اگر یہ مراد ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اسکا معارضہ نہ کرسکے تو یہ پیشین گوئی کیون کر کیجا سکتی ہی کہ قیامت تک اسکا جواب نہ ہوسکیگا حضرت موسیٰ کے زمانہ مین اُنکے معجزہ کا جواب نہ ہوسکا لیکن یہ کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہو کہ قیامت تک اُسکا جواب نہوسکیگا۔

ان سب امور کو مان بھی لیا جائے تو یہ بحث باقی رہیگی، کہ معجزہ صرف ان لوگونپر حجت ہوسکتا ہے جو اُس وقت موجود تھے، آیندہ نسلون کو اُسکا علم صرف روایت کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے لیکن اس قسم کی روایتون کو قطعی اور یقینی کیون کر ثابت کیا جاسکتا ہی، روایت مین سب سے بڑا درجہ تواتر کا ہے یعنی جو خبر متواتر ہوتی ہی اُس کو یقینی کہا جاتا ہی، لیکن کیا تمام متواترات یقینی ہین؟ یہود، بہ تواتر بیان کرتے ہین کہ تورات مین کسی قسم کی تحریف نہین ہوئی، یہود اور نصاریٰ دونون متفق اللفظ ہین، اور بہ تواتر بیان کرتے ہین کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے، پارسی زردشت کے معجزات کو بہ تواتر بیان کرتے ہین، غرض ہر فرقہ، اپنے مذہب کے متعلق بہت سے واقعات کو بہ تواتر بیان کرتا ہے، لیکن کیا ان واقعات کو ہم یقینی سمجھتے ہین، شاید یہ کہا جائے کہ روایت کی صحت کیلئے اسلام شرط ہے، جسکے یہ معنی ہوئے کہ صرف مسلمانونکا تواتر مفید یقین ہی، لیکن اس یک طرفہ فیصلہ کو، مخالف کیونکر تسلیم کرسکتا ہے

یہ تمام بحثین تو معجزہ کے امکان اور وقوع سے متعلق تھین، اب فرض کرو کہ معجزہ ممکن بھی ہے۔ واقع بھی ہوتا ہے۔ تواتر سے اُسکا ثبوت بھی ہوسکتا ہی، لیکن یہ مرحلہ اب بھی باقی ہی کہ اس سے نبوت پر کیونکر استدلال ہوسکتا ہی۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہی کہ مین

ھندسہ دان ھون، اور اُسکی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ مین بیس دن تک متصل بھوکا رہ سکتا ہون، توگو وہ بیس دن تک بھوکا رہے، اور گو یہ کتنا ہی خرق عادت واقعہ ہو لیکن اُس سے اس کا ھندسہ دان ہونا کیونکر ثابت ہوگا، اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ مین پیغمبر ہون جسکے یہ معنی ہین کہ وہ سعادت دارین کا رہنما ہے، اس کی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ وہ لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے توگو وہ ایسا کرتا ہو، اور گو یہ کتنا ہی عجیب امر ہو لیکن اس سے اُسکی پیغمبری کیونکر ثابت ہوگی؟ دلیل کو دعوی کے ساتھ کیا ربط ہے؟

اعتراض کی یہ تقریر امام رازی کی تقریر کے مطابق تھی لیکن ابن رشد نے اس اعتراض کو زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اسکی تقریر کا خلاصہ یہ ہے

"معجزہ سے جب نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے تو مقدمات دلیل یہ ہوتے ہین"

"نبی سے معجزہ صادر ہوتا ہے جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے"

"ان مقدمات کا ثابت ہونا امور ذیل کے ثابت ہونے پر موقوف ہے"

(۱) معجزہ ممکن الوقوع ہے اور واقع ہوتا ہے۔

(۲) مدعی نبوت سے معجزہ صادر ہوا۔

(۳) نبوت اور پیغمبری کا وجود ہے۔

(۴) جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے۔

سب سے پہلے متعین کرنا چاہیے کہ پیغمبری کی حقیقت اور جنس وفصل کیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ پیغمبری کی ماہیت مین معجزہ داخل نہین ہے، بلکہ جو لوگ معجزہ کے قائل ہین وہ بھی معجزہ کو

پیغمبری کی علامت قرار دیتے ہین اور ظاہر ہے کہ علامت، عین حقیقت نہین ہوتی پیغمبری کی حقیقت اشاعرہ وغیرہ نے یہ بیان کی ہے کہ جو شخص خدا کا بھیجا ہوا ہو وہ پیغمبر ہے۔

اب یہ ثابت کرنا چاہیے کہ **رسالت** کا وجود ہے یعنی خدا اپنی احکام کے پہنچانے کے لئے لوگون کو بھیجا بھی کرتا ہے، کیونکہ ایک گروہ کثیر سرے سے رسالت ہی کا منکر ہے اس بات کے ثابت کرنے کے بعد ثابت کرنا چاہیے کہ جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ پیغمبر ہوتا ہے اشاعرہ نے اسپر اس طرح استدلال کیا ہے کہ مثلاً اگر کوئی بادشاہ اپنا خاصد کسی شخص کے پاس بھیجے اور اُس کے پاس، بادشاہ کی کچھ نشانیان ہون تو قطعاً یقین ہو جائیگا کہ وہ بادشاہ کا قاصد ہے اسیطرح معجزہ خدا کی نشانی ہے، اسلیے جسکے پاس یہ نشانی ہوگی وہ خدا کا قاصد اور پیغمبر ہوگا۔

لیکن پہلے یہ غور کرنا چاہیے کہ ہم کو اس بات کا علم کیونکر ہوتا ہے کہ فلان چیز فلان شخص کی نشانی ہے اسکا یا یہ طریقہ ہے کہ خود اُس شخص نے کسی موقع پر ظاہر کیا ہو کہ جب مین کسی قاصد کو بھیجون گا تو اُسکے پاس یہ نشانی ہوگی، یا خود قاصد کے بیان پر اعتماد کیا جائے، یا یہ کہ بار بار کے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو کہ اس شخص کے پاس سے جب جب قاصد آیا ہے تو اُسکے پاس اس قسم کی کوئی نشانی ضرور تھی، پہلا احتمال تو صریح البطلان ہے۔ کیونکہ خود خدا نے کسی موقع پر تمام لوگون سے یہ نہین کہا کہ فلان شخص میرا رسول ہے۔ دوسری صورت اس لئے ممکن نہین کہ پیغمبری خود مبحوث فیہ ہے، اب صرف تیسرا احتمال رہ گیا، وہ اگر مفید بھی ہو تو صرف انبیائے متاخرین کیلئے ہوگا سب سے پہلے جو پیغمبر آیا ہوگا، اُسکا معجزہ لوگونپر کیونکر حجت ہوگا،

یہ تمام اعتراضات، اس بنا پر تھے کہ پیغمبری کی شناخت کا ذریعہ معجزہ کو قرار دیا گیا تھا۔

اس پہلو سے قطع نظر کرکے نبوت پر جو عام اعتراضات کیے گئے ہین وہ آگے آتے ہین

عام اعتراضات

(۱) نبوت کا مقصد، اعتقادات، اور اصلاح معاش و معاد کی تعلیم ہی لیکن ان امور کے لئے خود عقل کی رہنمائی کافی ہے، خدا کے ہان سے کسی شخص کے آنے کی کوئی ضرورت نہین، بہت سے حکمائے جن پر نہ وحی آتی تھی، نہ اُنکو الہام ہوتا تھا ان مسائل کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ انبیا اُس سے زیادہ نہ کرسکے، اسلئے رسول و پیغمبر کی کیا ضرورت ہی۔

(۲) انبیاء کی شریعتین منسوخ ہوا کرتی ہین یعنی ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت کو منسوخ کردیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ جو احکام منسوخ ہوئے وہ مہمات امور اور مقاصد اصلیہ تھے۔ یا فرعی اور زائد باتین تھین۔ پہلا احتمال تو ممکن نہین، کیونکہ مہمات امور تمام مذاہب مین مشترک ہین اور اُن کو منسوخ کرنا خود مذہب کو باطل کرنا ہی، اسلئے صرف دوسرا احتمال رہ گیا لیکن جب کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو وہ اپنی شریعت کے قبول کروانے پر اس قدر اہتمام اور اصرار کرتا ہے کہ جو لوگ، اسکو تسلیم نہین کرتے انکو گمراہ، مرتد اور قابل جہنم ٹھیراتا ہے، یہان تک کہ لڑائیان برپا ہوتی ہین اور نہایت سخت خونریزیون تک نوبت پہونچتی ہے اس بناپر کیونکر قیاس کیا جاسکتا ہی کہ جو شخص مبعوث من اللہ ہوگا، وہ فرعی باتون کے لئے اس قسم کے شقاق اور بیرحمیون کو جائز رکھے گا۔“

مثلاً نماز کا اصلی مقصد، صرف تضرع اور خشوع الی اللہ ہے، یہ مقصد عیسائیون“

یہودیون، پارسیون، غرض تمام مذاہب کے طریقہ نماز سے حاصل ہوسکتا ہی، کسی ایک طریقہ کی تخصیص کرنی، اور باقی تمام طریقون کو غلط قرار دینا اور اس کی بناپر قتل وخون کو جائز رکھنا کیون کر جائز ہوسکتا ہے، تمام اور مذہبی اعمال کا بھی یہی حال ہے کہ جو مقصد اصلی ہی وہ سب مین مشترک ہے اور جو غیر مشترک ہے وہ مقصد اصلی نہین۔

(۳) مذہب کا اصلی مقصد، خدا کا اعتقاد، اعمال حسنہ کی پابندی اور اعمال قبیحہ سے احتراز ہے جس شخص مین یہ باتین پائی جایئن ضرور ہے کہ وہ نجات کا مستحق ہو، لیکن انبیا ان باتون کے ساتھ اپنی نبوت کے اقرار کو بھی جزو ایمان قرار دیتے ہین اور کہتے ہین کہ جو شخص انکو پیغمبر تسلیم نہ کرے وہ باوجود توحید اور اعمال حسنہ کے ناجی نہ ہوگا، یہ امر صریح خلاف عقل ہے۔

(۴) دنیا مین جسقدر مذاہب موجود ہین سب مین قابل اعتراض باتین پائی جاتی ہین، یہود خدا کو مجسم مانتے ہین اور تمام وہ اوصاف ثابت کرتے ہین جو معمولی آدمیون مین پائے جاتے ہین، عیسائی خدا کی اُبوّت، اور حلول واتحاد کے قائل ہین، پارسیون کے ہان دو خدا ہین، قران مجید مین جبر و قدر کے متعلق نہایت کثرت سے تناقص اور متعارض آیتین ہین۔

تنبیہ امام رازی نے اس اعتراض کو مطالب عالیہ مین ان الفاظ سے ادا کیا ہے،

اِنَّ القُرآنَ مَملوٌّ مِنَ الجَبرِ وَالقَدرِ وَالاٰیَاتُ الوارِدَۃُ فِیھِمَا الکَثِیرُ عَدَدِ الرِّمَالِ وَالحِصٰی وَلَا تَشْتَبِکُ تَمَامَاً تَنَاقُضٌ وَاِنَّ التَّوفِیقَ بَیْنَہُمَا لَا یَحْصُلُ اِلَّا بِتَعَسُّفٍ شَدِیْدٍ وَھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ صَاحِبَ ھٰذَا الکِتَابِ کَانَ مُضْطَرِبُ الرَّایِ فِی الجَبرِ وَالقَدرِ غَیرَ جَازِمٍ بِاَحَدِ الطَّرَفَیْنِ

اخیر کا فقرہ نہایت سخت ہے، اور اسی وجہ سے ہم اس عبارت کے ترجمہ کی جرأت نہ کر سکے، اسکے نقل کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بزرگان سلف نے نہایت نے تعصبی کے ساتھ معترضون کے ہر قسم کے اعتراض کو سُنا اور انکو اپنی تصنیفات مین درج کرکے اُن کے جواب دے بخلاف اسکے آج ہمارے علما یہ تلقین کرتے ہین کہ دشمن کو آتا دیکھکر اپنی آنکھین بند کر لینی چاہیین

نبوت اور خرق عادت

کی

اصلی حقیقت

جو اعتراضات اوپر مذکور ہوئے اُن کا اجمالی جواب، امام رازی نے مطالب عالیہ مین اور تفصیلی، قاضی عضد نے مواقف مین دیا ہے، لیکن جواب ایسے ہین جو اعتراضات کو اور زیادہ قوی کر دیتے ہین، اور چونکہ علم کلام کی تاریخ مین ہم نے اُنکا ذکر بھی کیا ہے اسلئے یہان اُن کے اعادہ کی کچھ ضرورت نہین۔

اب ہم ان مباحث کو ائمہ فن کی راے کے موافق لکھتے ہین جس سے معترضین کے اعتراضات خود بخود رفع ہو جائینگے اور ان مسائل کی اصلی حقیقت ظاہر ہو جائے گی

یہ بحث درحقیقت ۔ مسائل ذیل پر مبنی ہے۔

(۱) کیا خرق عادت ممکن اور ممکن الوقوع ہے۔

(۲) کیا وہ نبوت کی حقیقت مین داخل ہے

(۳) کیا اس سے نبوت پر استدلال ہو سکتا ہے؟

(۴) نبوت کی اصلی حقیقت کیا ہے؟

کیا خرق عادت ممکن ہے

خرق عادت کا خیال انسانونکو کیونکر پیدا ہوتا ہے

پہلا مسئلہ حقیقت یہ ہے کہ انسان جسقدر حقائق اشیاسے ناآشنا ہوتا ہے اُسی نسبت سے علل واسباب کے سلسلہ پر اسکی نظر کم پڑتی ہے اور وہ ہر چیز کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کرتا ہے، ایک دہقان کا بچہ برسات کے زمانہ مین جب بادلون کو آتا دیکھتا ہی تو کہتا ہے کہ "اللہ میان آئے" یعنی بادلونکا آنا خود خدا کا آنا ہے۔ اس حالت سے جب ترقی کرتا ہے تو کہتا ہے کہ "اللہ میان کے حکم سے پانی برسا" اب اُس نے خدا مین اور پانی مین بادل کو واسطہ قرار دیا۔ اس درجہ کے بعد یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ بادل براہ راست خدا کے حکم سے پیدا ہو گئے، یا خدا نے اُن کو بھی کسی اور علت کے ذریعہ سے پیدا کیا، ٹھیٹھ مذہبی آدمی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ بادل اور خدا مین کوئی درمیانی علت نہین ہے، خدا حکم دیتا ہے بادل آپ سے آپ پیدا ہو جاتے ہین اور برستے ہین۔ یا یہ کہ آسمان پر بہت بڑا دریا ہے وہانسے پانی گرتا ہے اور بادل کی شکل بنجاتا ہے چنانچہ قدمائے مفسرین اسی بات کے قائل تھے امام رازی نے اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کی تفسیر مین اُن کے اقوال نقل کیے ہین لیکن صاحب نظر اور آگے قدم بڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ زمین یا سمندر سے بخارات اٹھتے ہین وہ اوپر جاکر سردی کی وجہ سے پانی کے قطرے بنجاتے ہین، غرض جسقدر حقیقت طلبی اور غور رسی بڑھتی جاتی ہے، علل واسباب کا سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے یہان تک کہ بالآخر اس بات کا یقین ہو جاتا ہی کہ عالم مین جو کچھ ہوتا ہی وہ علت معلول سبب مسبب شرط و مشروط موثر اور موثر کی سلسلہ کے بغیر نہین ہوتا

اسی سلسلہ اور نظام کا نام فطرت۔ سنۃ اللہ اور خلق اللہ ہے اور قرآن مجید کی ان آیتوں مین اسی کی طرف اشارہ ہے۔

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ	خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین
لَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَحْوِیْلًا۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا	خدا کی عادت مین تغیر نہین۔ اور تم خدا کی عادت مین تبدیلی نہ پاؤ گے

صرف اشاعرہ سلسلۂ اسباب کے منکر ہین

اسلامی فرقون مین سے صرف **اشاعرہ**، اس سلسلہ کے منکر ہین، اُن کے نزدیک کوئی شے کسی کی علت نہین نہ اشیا مین خواص و تاثیر ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الرد علی المنطق مین جہان اشاعرہ کے وہ مسائل گنائے ہین جنمین وہ متفرد ہین اُن مین اس مسئلہ کو بھی شمار کیا ہے۔

اشاعرہ کے سوا، باقی تمام فرقے بلکہ تمام دنیا اس سلسلہ کی معترف ہے اسکا نتیجہ ہونا چاہیے تھا کہ خرق عادت کے غیر ممکن ہونے پر بجز اشاعرہ کے اور سب کا اتفاق ہوتا لیکن باینہمہ بظاہر، اختلاف ہے، امام رازی تفسیر کبیر سورہ اعراف، حضرت موسی کے عصا کے معجزہ کے ذکر مین لکھتے ہین۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْقَوْلَ بِتَجْوِیْزِ اِنْقِلَابِ الْعَادَاتِ عَنْ مَجَارِیْھَا صَعْبٌ مُشْکِلٌ وَالْعُقَلَاءُ اضْطَرَبُوْا فِیْہِ	جاننا چاہیے کہ انقلاب عادت کا قائل ہونا صعب اور مشکل ہے اور ارباب عقل، اس مین مضطرب ہین

اس کے بعد امام صاحب نے اس مسئلہ کے متعلق تین قول نقل کیے ہین۔

اشاعرہ کے نزدیک ہر قسم کے خرق عادت عموماً ممکن ہے یہانتک کہ یہ بھی ممکن ہے

کہ ایک جزء لایتجزی دفعتہ عالم اور عاقل بن جائے یا یہ کہ ایک اندھا جو اندلس مین بیٹھا ہوا ہے چین کے کسی گانون کو دیکھ لے

۲۔ حکمائے طبعیین کے نزدیک بالکل ناممکن ہے

۳۔ معتزلہ کے نزدیک بعض مخصوص صورتون کے سوا ناممکن ہے

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جو اختلافات ہین وہ دراصل نزاع لفظی ہی

اشاعرہ کے سوا کوئی اس بات کا قائل نہین کہ معلول کا وجود بغیر علت کے ہوسکتا ہے۔ اور جو شخص اس کا قایل نہین وہ خرق عادت کا بھی قائل نہین ہوسکتا۔ اختلاف اسطرح پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی واقعہ عادت جاریہ کے خلاف وقوع مین آتا ہے، تو عام لوگ اُس کو خرق عادت سے تعبیر کرتے ہین اور کہتے ہین کہ خرق عادت ممکن ہے ورنہ اُس کا وقوع کیونکر ہوتا۔ حالانکہ وہ واقعہ اسباب ہی کیوجہ سے وقوع مین آتا ہے گو وہ اسباب غیر معمولی ہوتے ہین، امام صاحب نے مطالب عالیہ مین خرق عادت کے امکان کو اسطرح ثابت کیا ہے، کہ ممکن ہی کہ کوئی غیر معمولی حرکت فلکی پیدا ہو اور اُس سے کوئی غیر معمولی امر وقوع مین آئے، لیکن امام صاحب نے یہ خیال نہین کیا کہ اس حالت مین وہ امر خرق عادت نہین ہی کیونکہ اُسکی علت حرکت فلکی موجود ہے امام صاحب کے استدلال سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس شے کو جو خلاف عادت وقوع مین آئے، خرق عادت کہتے ہین گو اسکے لیے کوئی غیر معمولی علت موجود ہو،

خرق عادت کے متعلق لوگون مین جو اختلاف ہی لفظی ہی

اشاعرہ مین بھی اس مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے ہے عام اشاعرہ ہر قسم کے

خرق عادات کے متعلق اشاعرہ مین اختلاف رائے

خرق عادت کے قائل تھے اور ہر شخص سے اس کا صادر ہونا تسلیم کرتے تھے، اُن کے نزدیک جس قسم کے خرق عادات پیغمبر سے صادر ہوتے ہین۔ اسی قسم کے اولیا بلکہ کافر زندیق جادوگر، وغیرہ سب سے صادر ہوسکتے ہین، صرف یہ فرق ہے کہ ان کا نام بدل جاتا ہے یعنی کافر وغیرہ سے جو سرزد ہو، اس کو سحر اور استدراج کہتے ہین، اور انبیا سے جو سرزد ہو اس کا نام اعجاز ہے۔ لیکن جسقدر غور و فکر سے زیادہ کام کیا گیا یہ وسعت گھٹتی گئی، علامہ ابو اسحاق اسفرائینی جو بہت بڑے پایہ کے شخص تھے اور اشعری طریقہ رکھتے تھے، ان کا قول ہے کہ

اِنَّ الْکَرَامَةَ لَا تَبْلُغُ مَبْلَغَ خَرْقِ الْعَادَةِ	کرامت خرق عادت کی حد تک نہین پہنچتی

ابو القاسم قشیری جو اشاعرہ مین بہت بڑے صوفی گذرے ہین انکا قول ہے کہ بہت سی چیزین گو مقدورات الٰہی کے لحاظ سے ممکن ہین لیکن یہ قطعاً معلوم ہے کہ وہ کسی ولی سے سرزد نہین ہوسکتین[1]"

بوعلی سینا کی رائے

بوعلی سینا نے اشارات کے اخیر مین ایک باب باندھا ہے جس مین خرق عادات پر بحث کی ہے، اس مین لکھا ہے کہ "اگر تم سے کوئی شخص کہے کہ کسی درویش نے مدت تک کھانا نہین کھایا۔ یا کوئی ایسا کام کیا جو اُسکی قوت سے زیادہ تھا، یا کوئی پیشین گوئی کی، یا اُسکی بد دعا کی وجہ سے کوئی شخص زمین مین دھنس گیا، یا زلزلہ آگیا، یا درندہ مسخر ہوگیا وغیرہ وغیرہ تو تم اس سے انکار نہ کرو، کیونکہ ان سب کے اسباب طبعی ہوسکتے ہین، جنکے ذریعے سے

[1] یہ دونون قول ابن السبکی نے طبقات جلد اول مین نقل کئے ہین، علامہ موصوف نے ایک نہایت مفصل مضمون خرق عادت کے جواز پر لکھا ہے

انکا ظہور ہوتا ہے، بوعلی سینا نے ان اسباب طبعی کو تفصیل سے بیان بھی کیا ہے، مثلاً اسماک طعام کی نسبت لکھا ہے کہ معدہ جب مواد ردیہ کے ہضم کرنے مین مصروف ہوتا ہے تو صحیح غذا پر کم عمل کرتا ہے اسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کئی کئی دن تک انسان کو بھوک نہین لگتی، کیونکہ بدل ماتحلل کی ضرورت نہین پڑتی۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ کسی صاحب حال کو خدا کے تصور مین اسقدر استغراق اور محویت ہو کہ طبیعت، غذا کے ہضم کیطرف نہ مائل ہو، اس حالت مین مدت تک وہی غذا قائم رہیگی اور بدل ماتحلل کی ضرورت نہ پڑیگی یہی وجہ ہوتی ہے کہ خوف کی حالت مین بھوک بالکل جاتی رہتی ہے۔

بوعلی سینا نے گو ان تمام خرق عادات کے وجوہ اور اسباب بیان کئے تاہم انکا نام خرق عادت ہی رکھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیز عام عادت کے خلاف ہوتی ہے وہ خرق عادت سے تعبیر کیجاتی ہے، گو واقع مین وہ اصول قدرت کے خلاف نہین ہوتی، شاہ ولی اللہ صاحب نے صاف صاف اس کا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ تفہیمات الٰہیہ مین لکھتے ہین

اِنَّمَا الْمُعْجِزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ اُمُوْرٌ اَسْبَابِيَّةٌ غَلَبَ عَلَيْهِ اللَّسْبُوْغُ فَبَايَنَتْ سَائِرَ الْاَسْبَابِيَّاتِ	یعنی معجزات اور کرامات امور اسبابی ہین لیکن ان پر کمال غالب ہو گیا ہے اور اسوجہ سے اور اسبابی امور سے ممتاز ہین

غرض کلی طور پر اس مسئلہ مین اشاعرہ کے سوا باقی تمام اسلامی فرقے متفق ہین کہ کوئی چیز اصول قدرت کے خلاف وجود مین نہین آسکتی، اس لئے جب کوئی فرقہ یا کوئی شخص (اشاعرہ کے سوا) کسی خرق عادت کا قائل ہو تو اُس کی مراد صرف یہ ہوگی کہ وہ واقعہ

عام عادت جاریہ کے خلاف وقوع مین آیا ہے، نہ یہ کہ درحقیقت خلاف اصول قدرت ہے
اختلاف جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ خرق عادات کے ثبوت کے متعلق پیدا ہوتا ہے،
واقعات کے یقین کرنے کے اصول کے متعلق، لوگون مین نہایت اختلاف ہے محققین
کے نزدیک واقعات پر یقین کرنے کے متعلق یہ اصول ہین۔

واقعات پر یقین کرنیکے کیا اصول ہین

(۱) جو واقعہ جسقدر زیادہ معمول عام کے موافق ہوگا، اسی قدر اُس کے وقوع کا یقین زیادہ ہوگا اور جو واقعہ جسقدر خلاف عادت اور خلاف معمول ہوگا اسی قدر اسپر یقین کرنے کے لئے زیادہ کدو کاوش کی ضرورت ہوگی۔ فرض کرو کہ ایک شخص نہایت سچا ہے اور اُسنے یہ روایت کی کہ فلان شہر مین پانی برسا تو فوراً یقین آجائیگا، لیکن وہی شخص اگر پانی کے بجاے خون کا برسنا بیان کرے تو یقین کی حالت بدل جائیگی اور واقعہ کے ثبوت کے لئے زیادہ قوی شہادت درکار ہوگی، غرض واقعہ کی حیثیت سے شہادت کی حیثیت بدلتی جاتی ہے۔

(۲) کسی واقعہ کا صرف ممکن ہونا واقعہ پر یقین کرنے کے لئے کافی نہین۔

(۳) جو واقعات پیش آتے رہتے ہین، اُسکے خلاف کا ممکن ہونا، اس بات کی وجہ نہین ہوتا کہ ہم کو اُن واقعات کے یقین مین شبہہ پیدا ہوجاے

(۴) جس واقعہ کی نسبت اثبات و نفی کا کوئی پہلو یقینی نہین ہوتا اُسکی نسبت بھی ہم خالی الذہن نہین رہتے بلکہ دونون پہلوؤن مین سے جو زیادہ قریب الیقین ہوتا ہے ہم اُسیہ اعتبار کرتے ہین۔

عام لوگ، ان اصول کو ملحوظ نہین رکھتے، اور یہی اختلاف کا سبب ہوتا ہی شلاً ایک شخص نے بیان کیا کہ **ابن خلکان** نے لکھا ہے کہ فلان صوفی آگ مین گھس گئے اور آگ نے اُنپر کچھ اثر نہین کیا۔ اس واقعہ پر عام لوگ فوراً اعتبار کرلین گے کیونکہ اُن کے نزدیک یہ واقعہ ممکن ہے، اور ابن خلکان مین مذکور ہے لیکن ایک محقق شخص اسبات پر غور کریگا کہ یہ واقعہ جسقدر ممکن ہے اُس سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ ابن خلکان نے غلطی کی ہو یا راوی اوّل نے دھوکا کھایا ہو، یا بیچ کی رُوات سے غلطی ہوئی ہو، یا قصداً ان مین سے کسی نے جھوٹ کہا ہو، البتہ جس درجہ کا یہ واقعہ مستبعد اور نادر الوقوع ہے، اُسی نسبت سے اگر اُسکے ثبوت کی شہادت قوی اور مضبوط ہوگی تو واقعہ کا یقین ہوسکیگا۔ اور یہ قرار دیا جائے گا کہ کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہونگے جنکی وجہ سے اُنکے بدن پر آگ کا اثر نہ ہوا ہوگا۔

اشاعرہ کی یہ شترگربگی حقیقت مین نہایت تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ وہ جب کسی **خرق عادت** کے ثبوت کا دعوی کرتے ہین تو صرف یہ ثابت کرتے ہین کہ وہ واقعہ ممکن ہے اور امکان کو اسقدر وسعت دیتے ہین کہ ہر قسم کے مستبعدات گو وہ ازل سے آجتک کبھی وقوع مین نہ آئے ہون، اُس مین شامل ہوجاتے ہین، لیکن دوسری طرف یہ خیال نہین کرتے کہ واقعہ کے لئے جس قسم کا امکان وہ ثابت کرتے ہین اُس سے کہین زیادہ راویون کا غلطی کرنا ممکن ہے، اس لئے صرف امکان پر مدار ہوگا تو ایک شخص وہ پہلو کیون نہ اختیار کریگا جو زیادہ ممکن بلکہ قریب الوقوع ہے۔

بہرحال خرق عادت (بمعنی عام) سے کسی کو انکار نہین، جو کچھ بحث ہے وہ

واقعات مین ہے، جو خرق عادت جس درجہ مستبعد ہو، اُسی نسبت سے اگر اُسکے ثبوت کی شہادت قوی ہوگی تو اُس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہین۔

دوسری بحث۔ دنیا مین ہمیشہ یہ خیال رہا ہے اور آج بھی من حیث الاغلب تمام آدمیون مین پایا جاتا ہے کہ انبیا، اور اولیا مین ضرور کوئی امر مافوق العادت ہوتا ہی اس بد خیال کا زور یہان تک پہنچا کہ انبیا مین شان ایزدی تسلیم کی گئی، ہندؤن نے رام اور کرشن اور عیسائیون نے حضرت عیسی کو خدا کا پیکر جسمانی مانا۔ زمانہ کی استداد اور عقل کی ترقی نے اس رتبہ کو گھٹا کر کم کیا تو خرق عادت کے درجہ پر آکر ٹھہرا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے اور اپنی نبوت کا اظہار کیا تو جو لوگ، خرق عادت کو لازمہ نبوت سمجھتے تھے اُنھون نے نہایت تعجب سے کہا۔ خرق عادت نبوت کا لازمہ ہے یا نہین

لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ (یونس)	اُسپر خدا کے ہان سے کوئی معجزہ کیون نہین اترا؟
وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ (رعد)	کافر کہتے ہین کہ خدا کے ہان سے اُنپر کوئی معجزہ کیون نہین اُترا۔
وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ (الانبیاء)	اور کہتے ہین کہ ہمارے پاس کوئی معجزہ اپنے خدا کے ہان سے کیون نہین لاتے

بعضون نے کہا معجزہ نہ سہی لیکن کچھ نہ کچھ امتیاز تو ضرور ہے

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلٰلَهَا تَفْجِيرًا (بنی اسرائیل)	اور کہتے ہین کہ ہم تجھپر ایمان نہین لائینگے جبتک تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ نکال دے یا خود تیرے پاس کھجورون اور انگورون کا باغ نہ ہو جسکے درمیان تو نہر نہ چلائے

اسلام جو اس لئے آیا تھا کہ مذہبی اصول کے متعلق آج تک جو غلط خوش اعتقادیان چلی آتی تھین اور جو مسامحۃً اپنے حال پر رہنے دی گئی تھین اُن کو قطعًا رفع کر دیا جائے جو اس لئے آیا تھا کہ قیامت تک ہر قسم کی ترقی اور اصلاح سے مذہب کو مستغنی کر دے، اسکا یہ کام تھا کہ جس طرح اُسنے توحید کو مکمل کیا تھا، **نبوت** کی اصلی حقیقت بھی کھول کر دکھا دے اسلئے سب سے پہلے اُسنے نہایت صفائی۔ نہایت آزادی۔ نہایت وضاحت سے اس بات کو ظاہر کیا کہ جو چیزین بشرئیت سے بالاتر ہین وہ پیغمبر مین نہین ہوتین۔

قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَیَّ (انعام)

اے پیغمبر! ان لوگون سے کہدو کہ مین یہ نہین کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہین، اور نہ مین غیب جانتا ہون اور نہ مین یہ کہتا کہ مین فرشتہ ہون مین تو اس حکم پر چلتا ہون جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (اعراف)

اے پیغمبر ان لوگونسے کہدو کہ میرا ذاتی نفع و نقصان بھی میرے اختیار مین نہین، ہان جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ اور اگر مین غیب کی بات جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجکو گزند نہ پہونچتا مین تو خوشخبری دینے والا اور خوف دلانے والا ہون اُنلوگونکے لئے جو ایمان لاتے ہین

یہ مسئلہ اگرچہ نہایت دقیق نازک اور معتقدات عوام کے بالکل خلاف تھا، لیکن شارع نے اس اہتمام سے اس کی تلقین کی کہ قرون اولیٰ تک اُسکے متعلق کسی شخص کو غلط فہمی نہین ہوئی۔

اسکے بعد اُس عالمگیر اور ازلی غلطی کو رفع کیا کہ **نبوت** اور **معجزہ** مین تلازم ہے، منکرین جو معجزات طلب کرتے تھے، اور نبوت کو معجزہ پر موقوف سمجھتے تھے اُنکے

جواب مختلف طریقے سے دیئے لیکن ہر جگہ اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ نبوت معجزہ پر موقوف نہیں

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۔ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد)

اور کفار کہتے ہین کہ اپر کوئی نشانی (معجزہ) خدا کے ہان سی کیون نہین اتری،، ای محمد! تو صرف ڈرانے والا ہی اور ہر قوم کیلیے ایک ڈرانے والا ہوتا ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ (رعد)

اور کافر کہتے ہین کہ اپر کوئی نشانی خدا کے ہان سی کیون نہین اتری ای محمد! کہدو کہ خدا جسکو چاہتا ہی گمراہ کرتا ہی اور جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ٥ (عنکبوت)

اور کافر کہتے ہین کہ اپر خدا کے ہان سی معجزے کیون نہین آئے۔ کہدو معجزے تو خدا کے پاس ہوتے ہین اور مین تو صرف صاف ڈرانے والا ہون

سورہ **بنی اسرائیل** مین بیان کیا کہ منکرین کہتے ہین کہ وہ ہم تو تم پر جب ایمان لائین جب تم زمین سے کوئی چشمہ نکال دو۔ یا کھجور یا انگور کا باغ تیار کر دو۔ یا آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ یا خدا اور فرشتون کو سامنے لا کر کھڑا کر دو۔ یا سونے کا مکان طیار کر دو۔ یا آسمان پر چڑھ جاؤ، پھر ان سب کے جواب مین خدا نے کہا

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۔

کہدو کہ سبحان اللہ مین تو صرف آدمی ہون، اور پیغمبر ہون۔

اصل نکتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ کفار جن باتون کو طلب کرتے تھے وہ ناممکن اور محال نتھین تاہم خدا نے اُن کے اظہار سے اعراض کیا جس سے صرف یہ ظاہر

کرنا مقصود تھا کہ گویہ باتین خدا کے اختیار مین ہین لیکن نبوت کے ثبوت مین اُن کو پیش کرنا،
اسی قدیم غلطی مین لوگون کو مبتلا رکھنا ہے - ورنہ خرق عادات کے پیش کرنے سے انکار
اس بنا پر نہ تھا کہ خدا ان پر قادر نہین، ایک آیت مین خدا خود فرماتا ہے

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ
قُلْ إِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى أَن يُنَزِّلَ آيَةً
وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (انعام)

اور کفار کہتے ہین کہ محمد پر خدا کے ہان سے کوئی معجزہ کیون نہ اترا، کہدے کہ خدا اس پر قادر ہو کہ معجزہ نازل کرے لیکن یہ لوگ جاہل ہین

امام رازی سورۂ عنکبوت آیت وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ
کی تفسیر مین لکھتے ہین -

وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِ الرِّسَالَةِ الْآيَةُ الْمُعْجِزَةُ

پیغمبر کے لئے معجزہ شرط نہین ہے -

پھر تھوڑی دور کے بعد لکھتے ہین -

وَلِهٰذَا نَعْلَمُ وُجُودَ رُسُلٍ كَشِيثٍ وَ
إِدْرِيسَ وَشُعَيْبٍ وَلَمْ نَعْلَمْ لَهُمْ مُعْجِزَةً

اسی وجہ سے ایسے انبیا بھی گذرے ہین مثلاً حضرت شیث وادریس وشعیب جنکے پاس کسی معجزہ کا ہونا معلوم نہین

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین

فَلَيْسَتِ الْمُعْجِزَاتُ وَلَا اسْتِجَابَةُ الدَّعَوَاتِ
وَنَحْوُ ذٰلِكَ إِلَّا أُمُورًا خَارِجَةً
عَنْ أَصْلِ النُّبُوَّةِ لَازِمَةً لَهَا فِي الْأَكْثَرِ

معجزات اور اجابت دعا اور اس قسم کی اور باتین، اصل نبوت سے خارج ہین لیکن اکثر حالات مین نبوت کے ساتھ لازم ہین -

امام غزالی نے منقذ من الضلال مین نبوت کا ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے، اسمین

نبوت کی حقیقت لکھکر لکھتے ہین کہ نبوت کا یقین آنحضرت کی ہدایات اور ارشادات سے ہوتا ہے، اُسکے بعد لکھتے ہین۔

فَمِنْ ذٰلِكَ الطَّرِيْقِ فَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ بِالنُّبُوَّةِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ	تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ، نہ اس سے کہ لاٹھی سانپ بن گئی، اور چاند پھٹ گیا۔

تیسری بحث - معجزہ کا دلیل نبوت ہونا صرف، اشاعرۂ ظاہرین کا مذہب ہی اور وہ بھی یہ دعوی نہین کرتے کہ معجزہ، ثبوت کی عقلی دلیل ہے بلکہ ان کا یہ مذہب ہی کہ معجزہ کی صادر ہونے کے وقت لوگون کو عادۃً یقین ہوجاتا ہے، نہ عقلاً،

شرح مواقف مین ہے۔

وَهٰذِهِ الدَّلَالَةُ لَيْسَتْ دَلَالَةً عَقْلِيَّةً مَحْضَةً بَلْ وَهِيَ دَلَالَةٌ عَادِيَّةٌ كَمَا أَشَارَ بِقَوْلِهِ وَهِيَ عِنْدَنَا أَيِ الْأَشَاعِرَةِ إِجْرَاءُ اللّٰهِ عَادَتَهُ بِخَلْقِ الْعِلْمِ بِالصِّدْقِ عَقِيْبَهٗ	اور یہ دلالت محض عقلی نہین ہی، بلکہ وہ دلالتِ عادیہ ہی جیسا کہ صاحب مواقف نے اپنے ان لفظون مین اشارہ کیا ہی کہ یہ دلالت ہمارے نزدیک (اشاعرہ) اس بنا پر ہی کہ خدا کی عادت یہ ہی کہ جب معجزہ صادر ہوتا ہے تو صاحب معجزہ کی سچائی کا علم خدا لوگونکے دلونمین پیدا کر دیتا ہے

یہ دعوی بھی کلی طور پر نہین کیا جا سکتا، ورنہ بداہت کی تکذیب لازم آئیگی علانیہ ثابت ہے کہ انبیا کے معجزات کے ظہور کے وقت ہزارون آدمی ایمان نہین لاتے تھے، بلکہ نہ ایمان لانے والون کی تعداد ہمیشہ ایمان لانے والون سے زیادہ ہوتی تھی۔ اسی بنا پر ائمۂ فن اور محققین نے تصریح کی ہے کہ معجزہ نبوت کے یقین کے لئے کافی نہین۔

امام غزالی منقذ من الضلال بحث نبوت مین لکھتے ہین،

فَمَنْ ذٰلِکَ الطَّرِیْقِ فَاطْلُبْ الْیَقِیْنَ بِالنُّبُوَّۃِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ

تو اس طریقہ سے نبوت کا یقین طلب کرو۔ نہ اس بات سے کہ لاٹھی اژدہا بن گئی یا چاند پھٹ گیا

راغب[1] اصفہانی لکھتے ہین

وَذٰلِکَ یَطْلُبُہٗ اَحَدُ رَجُلَیْنِ اَمَّا نَاقِصٌ عَنِ الْفَرْقِ بَیْنَ الْکَلَامِ الْاِلٰھِیْ وَبَیْنَ الْبَشَرِیْ وَاَمَّا نَاقِصٌ وَھُوَ مَعَ نَقْصِہٖ مُعَانِدٌ

اور معجزہ دو قسم کے آدمی طلب کرتے ہین۔ یا وہ جو کلام الٰہی اور کلام انسانی مین تمیز نہین کر سکتا، یا وہ جو اسکے ساتھ ہٹ دھرم بھی ہے۔

نبوت کی حقیقت

(مسئلہ چہارم)

نبوت کی حقیقت اور اُسکے اصول اور شرائط، اشاعرہ نے جو کچھ بیان کیے وہ اوپر گذر چکے، امام غزالی اور رازی وغیرہ نے ان مسائل کی تشریح عام تصنیفات مین اشاعرہ ہی کے مذاق کے موافق کی لیکن مخصوص تصنیفات مین اپنی خاص تحقیقات بیان کین، اور یہ بھی تصریح کر دی کہ اشاعرہ کا طریقہ ناکافی اور پر از مشکلات ہے۔ امام رازی مطالب عالیہ مین لکھتے ہین

اِعْلَمُوْا اَنَّ الْقَائِلَ بِالنُّبُوَّۃِ فَرِیْقَانِ اَحَدُھُمَا الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ اَنَّ ظُھُوْرَ الْمُعْجِزَاتِ عَلٰی یَدِہٖ یَدُلُّ عَلٰی صِدْقِہٖ وَھٰذَا الْقَوْلُ ھُوَ الطَّرِیْقُ الْقَدِیْمُ عَلَیْہِ

نبوت کے قائل دو فریق ہین ایک فریق کہتا ہے کہ معجزات کا ظاہر ہونا نبی کے سچے ہونے کی دلیل ہے، اور یہ مذہب قدیم طریقہ ہے، اور دنیا کے

[1] کتاب الذریعہ صفحہ ۷۰

عامة ارباب الملل والنحل۔

عام اہل مذاہب اسکے قائل ہین

نبوت کی ایک دوسری تشریح

والقول الثانی ان نقول انا نعرف اولاً ان الحق والصدق فی الاعتقادات ماهو وان الصواب فی الاعمال ماهو فاذا عرفنا ذالك ثم راینا انساناً یدعو الخلق الی الدین الحق وراینا ان لقوله اثراً قویاً فی صرف الخلق من الباطل الی الحق عرفنا انه نبی صادق واجب الاتباع وهذا الطریق اقرب الی العقل والشبهات فیه قل

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ طے کیا جائے کہ صحیح عقائد اور اعمال خیر کیا ہین، اس امر کے محقق ہوجانے کے بعد جب یہ دیکھا جائے کہ ایک شخص لوگون کو دین حق کی دعوت دیتا ہے، اور یہ بھی نظر آئے کہ اسکی بات لوگونکو باطل سے حق کیطرف لانے مین نہایت قوی اثر رکھتی ہے تو ہم کو یقین ہوجائیگا کہ وہ سچا پیغمبر ہے اور واجب الاتباع ہے۔ اور یہ طریقہ عقل سے زیادہ قریب ہے اور اسپر بہت کم شبہے وارد ہوتے ہین۔

امام رازی اس دوسرے طریقہ کو زیادہ پسند کرتے ہین

اسکے بعد امام صاحب نے اس دوسرے طریقہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے پھر ایک عنوان باندھا ہے جسمین یہ ثابت کیا ہے کہ قران مجید سے بھی یہی طریقہ افضل ثابت ہوتا ہے چنانچہ لکھتے ہین

اس طریقہ کا ثبوت قران مجید سے

الفصل الثانی فی بیان ان القرآن العظیم یدل علی ان هذا الطریق هو الطریق الاکمل الافضل فی اثبات النبوة

دوسری فصل اس بات کے ثابت کرنے مین کہ قران مجید سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنے مین یہی طریقہ زیادہ کامل اور افضل ہے۔

پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہین

الفصل الخامس فی بیان ان

پانچوین فصل اس بات کے بیان مین کہ نبوت کا اس طریقہ سے

اِثْبَاتُ النُّبُوَّةِ بِهٰذَا الطَّرِيْقِ اَقْوٰى وَ اَكْمَلُ مِنْ اِثْبَاتِهَا بِالْمُعْجِزَاتِ۔	ثابت کرنا زیادہ قوی اور کامل ہے بہ نسبت اسکے کہ وہ معجزہ سے ثابت کی جائے۔

تفسیر کبیر مین اس آیت کی تفسیر مین یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْکُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (سورہ یونس) نہایت اختصار کے ساتھ اس دوسرے طریقہ کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ **نبوت** کے ثابت کرنے کا یہ طریقہ اشرف و اعلی و اکمل و افضل ہے

امام رازی کے سوا، امام غزالی، ابن حزم، ابن رشد، شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی نبوت کی حقیقت و ماہیت کی توضیح و تشریح نہایت خوبی سے کی ہے، ہم ان سب کی تقریروں کو نقل کرتے ہین جس سے نبوت کی پوری تصویر ذہن مین آجائے گی اور یہ ظاہر ہوگا کہ متداول کتب کلامیہ مین جو لکھا ہے صرف اشاعرۂ ظاہرین کا قول ہے، امام رازی نے مطالب عالیہ مین نبوت کی حقیقت، نہایت تفصیل سے بیان کی ہے۔ ہم نے مطالب عالیہ کا یہ حصہ بعینہٖ کتاب کے ضمیمہ مین شامل کر دیا ہے اس موقع پر ہم صرف خلاصہ لکھتے ہین۔

امام صاحب نے نبوت کی حقیقت بتانے سے پہلے چند مقدمات قائم کئے ہین۔ وہ یہ ہین

امام رازی کے نزدیک نبوت کی حقیقت

(۱) انسان کا اصلی کمال حقائق اشیا اور خیر و شر کا ادراک ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کو دو قسم کی قوتین دی گئی ہین **نظری۔ عملی**۔ نظری کا یہ کام ہے کہ اشیا کے حقائق پر غور کرے، اور اس بات کا فیصلہ کرے، اس قوت کا کمال یہ ہے، کہ حقائق اشیا کا صحیح علم ہو یعنی جو شی ذہن مین آئے ٹھیک اُس صورت مین آئے جو اُسکی اصلی اور حقیقی صورت ہے، **عملی** کے یہ معنی کہ کون سے افعال عمل کرنے کے قابل ہین؟ اور کون سے نہین اس کا

کمال یہ ہے کہ انسان مین ایسا ملکہ پیدا ہو جس سے خود بخود اچھے افعال سرزد ہون۔

(۲) ان دونون قوتون کے لحاظ سے افراد انسانی کی تین قسمین ہین

(۱) وہ لوگ جو ان اوصاف مین ناقص ہین

(۲) خود کامل ہین لیکن ناقصون کی تکمیل نہین کر سکتے

(۳) خود کامل ہین اور ناقصون کو کامل بنا سکتے ہین

(۳) نقصان وکمال کے درجے نہایت متفاوت ہین، نقصان کا درجہ اس حد تک پہنچتا ہے کہ انسان اور جانور مین صرف صورت کا فرق رہ جاتا ہے، اسی طرح کمال کا درجہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہونچتا ہے کہ انسان فرشتہ بن جاتا ہے۔ ان دونون درجون کے بیچ مین ہزارون درجے ہین یہان تک کہ اگر ہزارون لاکھون افراد انسانی کے حالات کا موازنہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ ہر شخص، دوسرے شخص سے کچھ نہ کچھ ان اوصاف مین متفاوت ہے۔

چونکہ نقصان وکمال دونون کی انتہائی حدین ہین اس لئے ضرور ہے کہ ہر زمانہ مین کوئی نہ کوئی شخص ایسا پایا جائے جو انتہائے کمال کے درجہ تک پہونچا ہو، اب جس شخص مین یہ دونون قوتین کامل درجہ پر پائی جائین، اور دوسرون کو بھی کمال کے درجہ تک پہونچا سکتا ہو وہی نبی اور پیغمبر ہے[۱]

---

[۱] یہ مطالب عالیہ کی تقریر کا خلاصہ ہے امام صاحب نے تفسیر کبیر آیت قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ الخ (ابراہیم) کی تفسیر مین اسی تقریر کو زیادہ اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ وہ امام غزالی سے ماخوذ ہے۔ اس تقریر کی امام صاحب نے نہایت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ فَهٰذِهِ أَسْرَارٌ عَالِيَةٌ مُخْتَزَنَةٌ فِي أَلْفَاظِ الْقُرْآنِ ۱۲

امام صاحب یہ ثابت کرکے کہ نبوت صرف قوت نظری و عملی کے کمال کا نام ہے اور معجزہ وغیرہ کو اس مین کچھ دخل نہین، لکھتے ہین۔

وَمِنْ جُمْلَةِ الْاٰیَاتِ الَّتِیْ اَلَّتِہٖ عَلٰی صِحَّةِ مَا ذَکَرْنَاہُ اَنَّہٗ تَعَالٰی لَمَّا حَکٰی عَنِ الْکُفَّارِ اَنَّھُمْ طَلَبُوْا مِنْہُ الْمُعْجِزَاتِ الْقَاھِرَةَ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا ثُمَّ اَنَّہٗ تَعَالٰی قَالَ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا یَعْنِیْ کَوْنَ الشَّخْصِ اِنْسَانًا مَوْصُوْفًا بِالرِّسَالَةِ مَعْنَاہُ کَوْنُہٗ کَامِلًا فِیْ قُوَّتِہِ النَّظَرِیَّةِ وَالْعَمَلِیَّةِ وَقَادِرًا عَلٰی مُعَالَجَةِ النَّاقِصِیْنَ فِیْ ھَاتَیْنِ الْقُوَّتَیْنِ وَلَیْسَ یَلْزَمُ مِنْ حُصُوْلِ ھٰذِہِ الصِّفَةِ کَوْنُہٗ قَادِرًا عَلَی الْاَحْوَالِ الَّتِیْ طَلَبْتُمُوْھَا مِنْہُ

اور منجملہ ان باتون کے جن سے ہمارے دعوی مذکور کی صحت ثابت ہوتی ہی، یہ ہی کہ خدانے کافرون کا یہ قول نقل کیا کہ ‟اے محمد ہم تم پر ایمان نہ لائین گے جب تک کہ تم زمین مین سے ہمارے لیے چشمہ نہ نکال دو وغیرہ وغیرہ،، تو اسکے جواب مین خدانے کہا کہ ای محمد کہدو کہ ‟سبحان اللہ مین تو صرف آدمی اور پیغمبر ہون،، یعنی کسی آدمی کا پیغمبر ہونا صرف اسپر موقوف ہی، کہ وہ قوت نظری و عملی مین کامل ہو، اور ناقصون کو کامل کرسکتا ہو۔ اس سے یہ نہین لازم آتا کہ وہ ان باتون پر بھی قادر ہو جو تم طلب کرتے ہو (یعنی معجزات)

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین **نبوت** کی حقیقت زیادہ نکتہ سنجی اور حقیقت شناسی کیساتھ لکھی ہی چنانچہ ہم انکے مضمون کو اپنے الفاظ اور اپنے پیرایہ مین ادا کرتے ہین لیکن ہمنے اپنی طرف سے کوئی بات اضافہ نہین کی ہے

‟اس امر کے سمجھنے کے لئے کہ انسان کا مکلف ہونا، اور شرائع و ادیان کا قائم ہونا سب فطری امور ہین، سلسلہ کائنات پر غور کرنا چاہئے،،

سب سے پہلے نباتات پر غور کرو، درختون کو دیکھو، اُن کے ہزارون لاکھون اقسام ہین

لیکن ہر ایک کی شاخین پتے پھول پھل، پھلون کی بو باس، رنگ ذائقہ سب مختلف ہے، یہ اختلافات، ان کی صورت نوعیہ کے نتائج ہین یعنی ہر درخت کے جتنے خصوصیات ہین خود اس کی صورت نوعیہ نے پیدا کی ہین۔ اس بنا پر مثلاً یہ سوال کرنا کہ انگور شیرین، لطیف، باریک پوست، کیون پیدا کیا گیا ایک لغو سوال ہے کیون کہ یہ سوال کرنا گویا یہ کہنا ہے کہ انگور انگور کیون ہوا، انگور کی فطرت خود اسکی مقتضی ہے کہ وہ شیرین ہو، لطیف ہو، باریک پوست ہو،

اب حیوانات کو لو، نباتات کی طرح ان مین سے ہر ایک کی شکل۔ صورت۔ رنگ، جدا ہے لیکن ان مین نباتات سے بڑھکر کچھ اور چیزین بھی ہین یعنی اختیاری حرکات اور فطری الہامات ہر جانور کو خاص خاص الہامی علوم عنایت ہوئے ہین جن کی وجہ سے وہ اپنے بنی نوع سے ممتاز ہے اور جو اُسکے تمام ضروریات وخصوصیات زندگی کے کفیل ہین، اُن کی تربیت وپرورش کے لئے اُن کی فطرت کے لحاظ سے الگ الگ سامان مہیا ہین، نباتات چون کہ حساس اور متحرک بالارادہ نہین ہین اس لئے ان مین رگ وریشے پیدا کئے گئے ہین جو پانی، ہوا، اور مٹی، کے لطیف اجزا کو چوستے ہین اور تمام شاخ وبرگ مین تقسیم کرتے ہین، حیوان چونکہ حساس اور متحرک بالارادہ پیدا کیا گیا تھا اس لئے اُس کو اس قسم کا فطری ادراک دیا گیا جس سے وہ خود چل پھر کر اپنی تمام ضروریات زندگی مہیا کر سکتا ہے، پھر ہر ایک کے کھانے پینے، رہنے سہنے کے طریقے مختلف ہین، چار پائے گھانس چرتے ہین، درندہ گوشت کھاتا ہے۔ پرند اڑتے ہین مچھلی تیرتی ہے، یہ تمام اختلافات بھی اُن کے مختلف **صور نوعیہ** کے نتائج ہین، اور یہی صورت نوعیہ ہر ایک کو اُس قسم کے خاص ادراکات۔ خاص علوم، خاص الہامات،

عطا کرتی ہے۔ جو اُس کی ضروریات کے مناسب ہین، لیکن حیوانات کے جس قدر علوم اور ادراکات ہین سب فطری اور الہامی ہین یعنی ان کو کسب اور اکتساب سے واسطہ نہین بلکہ وہ علوم اور ادراکات اُن کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہین، اور یہ سب سے بڑی خصوصیت ہے جو حیوان کو انسان سے جدا کرتی ہے، انسان کو طبعی اور فطری ادراکات اور علوم کے علاوہ (جنمین وہ اور دیگر تمام حیوانات، برابر کے شریک ہین،) ایک دوسری قسم کا ادراک بھی دیا گیا ہے جس کو اکتسابی اور نظری کہتے ہین اور جو تجربہ۔ غور و فکر اور ترتیب مقدمات سے حاصل ہوتا ہے، یہی اکتسابی ادراک یا الہام ہے جس کے ذریعہ سے انسان تجارت، صنعت، حرفت، اور ہر قسم کے علوم و فنون حاصل کرتا ہے، یہی قوت ہے جو مختلف پیرایون مین ظاہر ہو کر کسی کو بادشاہ کسی کو سپہ سالار کسی کو حکیم۔ کسی کو صنعت گر بناتی ہے۔

لیکن یہ تمام علوم وادراکات وہ ہین جو انسان کے جسمانی حالات سے تعلق رکھتے ہین۔ ان کے سوا انسان کو ایک اور قسم کا ادراک دیا گیا ہے جو اسکی روحانیت کا خاصہ ہے، اور جس کو **قوت ملکیہ** سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی قوت کا اثر ہے کہ انسان اپنے گرد و پیش کی مخلوقات کو دیکھکر یہ غور کرتا ہے کہ یہ تمام کارخانہ کیون کر قائم ہو گیا؟ خود مجھکو کسنے پیدا کیا؟ کون مجھکو روزی دیتا ہے؟ ان سوالات کے جواب وہ ایک قوت اعظم کا قائل ہوتا ہے، اور پھر اسکے سامنے سر عجز خم کرتا ہے اور خضوع و خشوع کے تمام آداب بجالاتا ہے، اگرچہ تمام مخلوقات شجر و حجر چاند سورج۔ ستارے۔ زمین۔ آسمان، سب اُس مدبر اعظم کے معترف ہین اور اُسکے آگے سر بہ نیاز ہین جیسا کہ قرآن مجید مین ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ	کیا تم یہ نہین دیکھتے کہ آسمان اور زمین مین جو چیزین ہین اور آفتاب و ماہتاب و درخت و چارپاے سب خدا کے آگے سجدہ کرتی ہیں

لیکن فرق یہ ہے کہ اور مخلوقات کا اعتراف اور خضوع زبان حال سے ہے اور انسان کو حال کے ساتھ زبان قال بھی عطا کی گئی ہے۔ حاسۂ انفعال بھی اسی روحانی قوت کا اثر ہے یعنی جب انسان کوئی اچھا یا برا کام کرتا ہے تو اس کا اثر اُس کے دل پر قائم رہ جاتا ہی، اگر وہ اچھا کام تھا تو اُس کے دل مین انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اگر بُرا تھا تو انقباض ہوتا ہے (جانورون مین یہ حاسہ بالکل نہین ہی)

غرض اس روحانی ادراک کے اقتضاے سلسلہ بہ سلسلہ بہت سے اصول، قواعد، عقائد، اعمال، قائم ہو جاتے ہین لیکن چونکہ یہ قوت تمام افراد مین یکسان نہین ہوتی، اور چونکہ انسان کا کمال روحانی اسپر موقوف ہے کہ روحانی حیثیت سے نیکی بدی، اور برائی بھلائی کا ایک مکمل قانون طیار ہو جاے، اس لئے خدا مدتون مین ایک شخص پیدا کرتا ہی جو وحی الٰہی کے القا کے قابل ہوتا ہے۔ یہ شخص خدا کا خاص منظور نظر ہوتا ہے، اسی سے تعلیم پاتا ہی، اسی کے دامن تربیت مین پلتا ہی، اُس کو شریعت عطا ہوتی ہے اور تمام لوگون کو حکم ہوتا ہے کہ اُسکے امر و نہی کو بجا لائین۔ لیکن یہ جو کچھ ہوتا ہے سب انسان کی فطرت اور صورت نوعیہ کا اقتضا ہے

فَاِنْ قِیْلَ مِنْ اَیْنَ وَجَبَ عَلَی الْاِنْسَانِ اَنْ یُّصَلِّیَ وَمِنْ اَیْنَ وَجَبَ عَلَیْهِ اَنْ یَّنْقَادَ لِلرَّسُوْلِ وَمِنْ اَیْنَ حَرُمَ عَلَیْهِ الزِّنَاءُ وَالسَّرِقَةُ فَالْجَوَابُ وَجَبَ عَلَیْهِ	اگر کوئی کہے کہ انسان پر نماز پڑھنا، اور پیغمبر کی اطاعت کرنا اور زنا و سرقہ سے بچنا کیون واجب ہوا، تو جواب یہ ہے کہ اسی طرح جس طرح چرندون پر یہ واجب ہے

هذا وحرم عليه ذالك من حيث وجب على البهائم
ان ترعى الحشيش وحرم عليها اكل اللحم +
ومن حيث وجب على النحل ان تتبع اليعسوب
الا ان الحيوان استوجب تلقى علومها الهاما
جبليا واستوجب الانسان تلقى علومهم كسبا
ونظرا او وحيا وتقليدا (حجة الله البالغه صفحه ۳)

کہ گھانس چرین اور گوشت نہ کھائین، اور جس طرح شہد کی
مکھیون پر واجب ہے کہ مکھیون کا جو سردار ہو اُسکی اطاعت
کرین، فرق یہ ہے کہ حیوانات کو یہ علوم محض الہام سے
حاصل ہوتے ہین، اور انسان کو کسب و نظر اور وحی و
تقلید سے، لیکن دونون کو ان علوم کا حاصل ہونا ضروری
اور وجوبی ہے۔

امام غزالی نے نبوت کی حقیقت، سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ **معارج القدس**
مین بیان کی ہے، چونکہ اس کا بعینہ یہان نقل کرنا موقع اور مقام کے لحاظ سے موزون
نہ تھا، ہم نے اس کو کتاب کے ضمیمہ مین شامل کر دیا ہے، اس موقع پر جو کچھ امام صاحب نے
کتاب المنقذ اور احیاء العلوم مین لکھا ہے اس کا خلاصہ لکھتے ہین۔ وہ فرماتے ہین کہ

انسان اصل خلقت کے لحاظ سے، جاہل پیدا کیا گیا ہے، پیدا ہونے کے وقت وہ
اقسام موجودات مین سے کسی چیز سے واقف نہین ہوتا سب سے پہلے اُس مین لمس کا احساس پیدا
ہوتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ ان چیزون کو محسوس کرتا ہے جو چھونے سے تعلق رکھتی ہین،
مثلاً حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست نرمی۔ سختی، اس حاسہ کو مرئیات۔ اور مسموعات سے
تعلق نہین۔ جو شے محض سننے سے معلوم ہو سکتی ہے اس کے حق مین یہ حاسہ بالکل معدوم ہے،
لمس کے بعد پھر انسان مین دیکھنے کا حاسہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ رنگ اور
مقدار کا ادراک کر سکتا ہے، پھر سننے کی قوت پیدا ہوتی ہے پھر چکھنے کی، یہانتک کہ محسوسات کی

حد ختم ہو جاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، اب اُسکو تمیز دی جاتی ہے اور ان چیزونکا ادراک کر سکتا ہے جو حواس کے دسترس سے باہر ہین یہ دور ساتوین برس سے شروع ہوتا ہے اُس سے آگے بڑھکر **عقل** کا زمانہ آتا ہے جس سے انسان کو ممکن، محال، جائز، ناجائز، کا ادراک ہوتا ہے، اس سے بڑھکر ایک اور درجہ ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہو اور جس طرح تمیز و عقل کی مدرکات کے لئے حواس بالکل بیکار ہین، اسی طرح اس درجہ کے مدرکات کے لئے عقل بیکار ہے اور اسی درجہ کا نام **نبوت** ہے؛

بعض عقلا اس درجہ کے منکر ہین، لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہے جس طرح وہ شخص عقلی چیزون کا انکار کرتا ہے جس کو ہنوز عقل کی قوت عطا نہین کی گئی ہے۔

منقذ من الضلال مین لکھتے ہین۔

بَلِ الْاِیْمَانُ بِالنُّبُوَّۃِ اَنْ یُّقِرَّ بِاِثْبَاتِ طَوْرٍ وَرَاءَ الْعَقْلِ تَنْفَتِحُ فِیْہِ عَیْنٌ یُدْرَکُ بِهَا مُدْرَکَاتٌ خَاصَّۃٌ وَالْعَقْلُ مَعْزُوْلٌ عَنْهَا کَعَزْلِ السَّمْعِ عَنْ اِدْرَاکِ الْاَلْوَانِ الخ[1]	نبوت کے تسلیم کرنے کے یہ معنی ہین کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جس مین وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے وہ چیزین معلوم ہوتی ہین جن سے عقل بالکل محروم ہے، جسطرح سامعہ، رنگ کے ادراک سے بالکل معذور ہے؛

اس بنا پر نبوت کا اصلی اذعان صرف اس شخص کو ہو سکتا ہے جس کو خود نبوت کا رتبہ حاصل ہے، یا ان لوگون کو جو نفوس قدسیہ رکھتے ہین یا جنھون نے ریاضات اور مجاہدات سے

[1] منقذ من الضلال صفحہ ۲۱.

مکاشفات اور مشاہدات کا درجہ حاصل کیا ہے۔ امام غزالی منقذ من الضلال مین اپنی حالت کا ذکر کر کے لکھتے ہین۔

وبالجملة من لم يرزق منه شيئاً بالذوق فليس يدرك من حقيقة النبوة الا الاسم۔

مختصر یہ کہ جس نے تصوف کا کچھ مزا نہین چکھا ہو وہ نبوت کی حقیقت نہین جان سکتا بجز اسکے کہ نبوت کا نام جان لے

اسکے بعد لکھتے ہین

ومما بان لي بالضرورة من ممارسة طريقتهم حقيقة النبوة وخاصيتها۔

صوفیون کے طریقہ کی مشق سے مجکو نبوت کی حقیقت اور اسکی خاصیت بدیہی طور پر معلوم ہوگی

نبوت کے ثبوت کا ایک اور طریقہ

امام صاحب نے ایک اور طریقہ سے **نبوت** کی حقیقت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہین کہ یہ عموماً مسلم ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیون مین یکسان نہین پیدا کی گئین۔ ذہن و ذکاوت فہم و فراست عقل و ذہانت مختلف افراد انسانی مین کسقدر مختلف المراتب ہین۔ ایک شخص ذہین ہے دوسرا اس سے ذہین، تیسرا اُس سے بھی زیادہ ذہین۔ بڑھتے بڑھتے یہان تک نوبت پہونچتی ہے کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہین جو بظاہر قدرت انسانی کے حد سے باہر نظر آتے ہین۔ جو لوگ شاعری مین۔ قوت تقریر مین۔ صناعی مین۔ ایجاد مین تمام زمانہ سے ممتاز گذرے وہ اسی درجہ کی مثالین ہین۔ یہ درجہ فطری ہوتا ہے یعنی پڑھنے اور سیکھنے سے نہین حاصل ہوتا بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگون مین یہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور اسیوجہ سے دوسرے اشخاص گو کتنی ہی کوشش کرین، اُنکے ہم پلہ نہین ہو سکتے انھین، قوئے مین حقائق اشیا کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی مین کم ہے اور کسی مین زیادہ۔ کسی مین

زیادہ تر ہوتی ہے، اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانون مین اس حد تک پہونچتی ہے کہ کسب وتعلم کے بغیر ان کو حقائق اشیا کا ادراک ہوتا ہے، ان کو کسی چیز کا بیرونی علم نہین ہوتا لیکن اس قوت کیوجہ سے خودبخود ان کو اشیاء کا علم ہوتا جاتا ہے اسی قوت کا نام ملکۂ نبوت ہے اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہین۔

امام صاحب نے یہ مضمون[له] احیاء العلوم کے شروع مین ایک ضمنی بحث مین لکھا ہے جسکا عنوان یہ ہی۔ بَیَانُ تَفَاوُتِ النَّاسِ فِی الْعَقْلِ چنانچہ اسکے بعض فقرے یہ ہین۔

وَكَيْفَ يُنْكَرُ تَفَاوُتُ الْغَرِيْزَةِ وَلَوْلَاهَا لَمَا اخْتَلَفَتِ النَّاسُ فِي فَهْمِ الْعُلُوْمِ وَلَمَا انْقَسَمُوْا اِلٰى بَلِيْدٍ لَا يَفْهَمُ بِالتَّفْهِيْمِ اِلَّا بَعْدَ تَعَبٍ طَوِيْلٍ مِنَ الْمُعَلِّمِ وَاِلٰى ذَكِيٍّ يَفْهَمُ بِاَدْنٰى رَمْزٍ وَاِشَارَةٍ وَاِلٰى كَامِلٍ يَنْبَعِثُ مِنْ نَفْسِهٖ حَقَائِقُ الْاُمُوْرِ دُوْنَ التَّعَلُّمِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ وَذَالِكَ مِثْلُ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اِذْ يَتَّضِحُ لَهُمْ فِي بَاطِنِهِمْ اُمُوْرٌ غَامِضَةٌ مِنْ غَيْرِ تَعَلُّمٍ وَسَمَاعٍ وَيُعَبَّرُ ذَالِكَ بِالْاِلْهَامِ وَعَنْ مِثْلِهٖ عَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

فطرت کے تفاوت کا کیونکر انکار ہوسکتا ہی، یہ تفاوت نہوتا تو علوم کے سمجھنے مین اختلاف مراتب کیون ہوتا۔ اور یہ بات کیون ہوتی کہ بعض آدمی ایسے کودن ہوتے ہین جو اُستاد کے سمجھانے پر بھی مشکل سے سمجھتے ہین۔ اور بعض ایسے ذہین ہوتے ہین کہ ذرا اشارے مین سمجھ جاتے ہین۔ اور بعض ایسے کامل ہوتے ہین کہ خود اُنکی طبیعت سے حقائق امور پیدا ہوتے ہین جیساکہ خدا نے کہا ہی يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ اور انبیاء علیہم السلام کا یہی حال ہے اُن کے دل مین دقیق باتین خودبخود بغیر سکھانے اور سننے کے روشن اور ظاہر ہوجاتی ہین، اور اسی کو الہام کہتے ہین اور اسی کو آنحضرت صلی اللہ

[له] ہم نے اس مضمون کو اپنے طرز بیان مین ادا کیا ہی۔

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیْثُ قَالَ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ | علیہ وسلم نے اسطرح تعبیر کیا ہی کہ روح القدس نے میری روح مین پھونکا

امام صاحب اس تقریر سے نبوت کا امکان ثابت کر کے لکھتے ہین کہ "اب اگر کسی خاص شخص کی نسبت بحث ہو کہ وہ نبی ہے یا نہین تو اوسکے حالات خود اسکی شہادت دے سکتے ہین۔ امام شافعی کے فقیہ ہونے کا ہم کو کیون یقین ہے؟ اس لئے کہ فقہ مین انکی نہایت عمدہ تصنیفات موجود ہین۔ اسی طرح جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہین، اور یہ دیکھتے ہین کہ نبوت کے جو آثار ہین اُس کے ہر ہر لفظ سے نمایان ہین تو صاف یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا حامل بجز پیغمبر کے اور کوئی شخص نہین ہو سکتا تھا"[۱]

محدث ابن حزم نے نبوت کی یہ حقیقت بیان کی ہے کہ بغیر تعلم و تعلیم کے علم حاصل ہو چنانچہ لکھتے ہین[۲]

نَصَحَ اَنَّ النُّبُوَّۃَ فِی الْاِمْکَانِ وَھِیَ بَعْثَۃُ قَوْمٍ قَدْ خَصَّھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِالْفَضِیْلَۃِ لَا لِعِلَّۃٍ اِلَّا اَنَّہٗ شَاءَ ذٰلِکَ فَعَلَّمَھُمُ اللّٰہُ الْعِلْمَ بِدُوْنِ تَعَلُّمٍ وَلَا تَنَقُّلٍ فِیْ مَرَاتِبِہٖ وَلَا طَلَبٍ لَہٗ وَمِنْ ھٰذَا الْبَابِ مَا یَرَاہُ اَحَدُنَا فِی الرُّؤْیَا فَیَخْرُجُ صَحِیْحًا

تو یہ بات ثابت ہوئی کہ نبوت ممکن ہے، اور نبوت کے معنی یہ ہین کہ خدا ایک گروہ کو مبعوث کرتا ہی اور اُن کو فضیلت کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہی نہ کسی علت کیوجہ سے بلکہ صرف اپنی مرضی کیوجہ سے خدا ان کو علم سکھلاتا ہی بغیر سیکھنے کے اور بغیر درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور بغیر طلب کے اور یہ اسی طرح کی بات ہی جسطرح ہملوگ خواب مین کچھ دیکھتے ہین اور وہ صحیح نکل آتے

محدث موصوف نے اس کا امکان اسطرح ثابت کیا ہے کہ دنیا مین جسقدر علم و فن،

---

[۱] منقذ من الضلال از صفحہ ۲۴ تا ۲۶ [۲] ملل ونحل ابن حزم ۱

صنعت وحرفت وغیرہ ایجاد ہوئے موجد اوّل کو اُن کا علم آپ سے آپ بغیر تعلیم وتعلم کے ہوا ہوگا ورنہ تسلسل لازم آئے گا اسلئے انبیاء کو بھی ایسا علم ہونا ممکن ہے اور اسی کا نام وحی ہے چنانچہ محدث موصوف بہت سے صنائع وفنون کے نام لکھکر لکھتے ہین

فوجب بالضرورة انه لابد من انسان واحد فاكثر علمهم الله ابتداء كل هذا دون معلم لكن بوحي حققه عنده وهذه صفة النبوة[1]	تو یہ بات ضروری ٹھہری کہ ایک یا ایک سے زیادہ اس قسم کے انسان پائے جائین جن کو خدا نے یہ علوم وصنائع ابتداءً بغیر کسی معلم کے خود اپنی وحی سے سکھلائے اور یہی نبوت کی صفت ہے۔

ان تمام تقریرون کا ماحصل اور قدر مشترک یہ ہے کہ خدا نے انسان کو جس طرح اور مختلف قوتین عطا کی ہین جو بعض افراد مین بالکل نہین پائی جاتین، اور بعض مین بہ تفاوت درجات پائی جاتی ہین اسی طرح ایک روحانی قوت عطا کی ہے جس کا نام قوت قدسیہ یا ملکہ نبوت ہے یہ قوت تزکیہ نفس اور پاکیزگی اخلاق سے تعلق رکھتی ہے، جس شخص مین یہ قوت موجود ہوتی ہے وہ اخلاق مین کامل ہوتا ہے اور اپنے اثر سے اور انسانون کو کامل بنا سکتا ہے یہ شخص کسی سے تعلیم وتربیت نہین پاتا بلکہ بغیر تعلّم وتعلیم کے اسپر حقائق اشیاء منکشف ہو جاتے ہین۔

نبوت کی اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا۔ جب یہ بات بداہۃً نظر آتی ہے کہ ایک شخص کچھ پڑھا لکھا نہین ہوتا (مثلاً ہومر اور امرء القیس) اور باوجود اس کے اس درجہ کا فصیح وبلیغ، شاعر، یا خطیب، یا صنّاع، یا موجد ہوتا ہے کہ تمام زمانہ مین اُس کا جواب نہین ہوتا

---

[1] ملل ونحل صفحہ ۷۶ مطبوعہ مصر۔

تو یہ کیا بعید ہے کہ خدا بعض افراد کو اس قسم کی قوت قدسیہ عطا کرے کہ اُنپر بغیر تعلّم و تعلیم کے اخلاق کے حقائق و اسرار منکشف ہو جائیں،

کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اکثر انبیا مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ، اور جناب رسالت پناہ نے علوم و فنون کی مطلق تعلیم نہ پائی تھی اور باوجود اسکے صرف ہدایت و تلقین کی تاثیر سے دنیا کی حالت بدل دی، اور فلسفہ اخلاق کے وہ اصول اور مسائل تعلیم کیے کہ افلاطون اور ارسطو کا خیال بھی وہاں تک نہ پہنچ سکا تھا،

نبوت کی تصدیق اور نبی کی باتوں کو سچ سمجھنا خود انسان کی فطرت صحیح کا اقتضا ہے ایک شخص جو حق کا تشنہ ہے جسکا وجدان صحیح ہے، جو سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکتا ہے، جسکے دل میں سچی بات آپ سے آپ اُتر جاتی ہے، وہ جب کسی نبی سے تلقین و ہدایت سنتا ہے تو بیہودہ کج بحثیوں میں نہیں پڑتا بلکہ آپ سے آپ اُس کا دل مان لیتا ہے کہ یہ سچ ہے اور سچائی کے مرکز سے نکلا ہے۔ مولانا روم نے اسکی یہ تشبیہ دی ہے کہ اگر کسی پیاسے کو پانی دیا جائے تو کیا وہ یہ بحث پیش کریگا کہ پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ یہ پانی ہے، یا اگر ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پینے کے لیے بلائے تو کیا اس کو شک ہوگا کہ یہ میری ماں ہے اور واقعی دودھ پلانے کے لیے بُلا رہی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

تشنہ را چون بگوئی تو شتاب
در قدح آب است بستان زود آب

ہیچ گوید تشنہ کاین دعوی است رو
از برم اے مدعی مہجور شو

یا گواہ و حجتے بنما کہ این
جنس آب ست وازان ماء معین

یا بہ طفلِ شیر۔ مادر بانگ زد | کہ بیا من مادرم ہان اے ولد
طفل گوید، مادرا حجت بیار | تاکہ با شیرت بگیرم من قرار
در دل ہر امتی کز حق مزہ است | روی و آواز پیمبر معجزہ ست
چون پیمبر از برون بانگے زند | جان ہت در درون سجدہ کند
زانکہ جنس بانگ او اندر جہان | از کسی نشنیدہ باشد گوش جان

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں[1] کہ انبیا کو دو قسم کے معجزے دیئے جاتے ہین پہلی قسم یہ ہے کہ وہ پاک نسب ہوتے ہین، اُن کے چہرون پر وہ نور ہوتا ہے جو دلون کو فریفتہ کرلیتا ہی اُن کے اخلاق ایسے ہوتے ہین جو قلوب کو مسخر کرلیتے ہین، اُن کی تقریر ایسی ہوتی ہے جس سے سامع کو تشفی ہوجاتی ہے،، پھر لکھتے ہین۔

وَهٰذِهِ الْاَحْوَالُ اِذَا حَصَلَتْ لَا يَحْتَاجُ ذُو الْبَصِيْرَةِ مَعَهَا اِلَى مُعْجِزَةٍ وَلَا يَطْلُبُهَا	اور یہ حالات جب پائے جاتے ہین توسمجھ دار آدمی کو اورکسی معجزہ کی ضرورت نہین رہتی اور وہ کسی معجزہ کا طالب نہین ہوتا

امام غزالی نے منقذ من الضلال مین جہان نبوت پر بحث کی ہے لکھتے ہین کہ جو شخص آنحضرت کے ہدایات اور ارشادات پر بار بار غور کرے گا اُس کو خود آنحضرت کی نبوت پر یقین ہوجائے گا۔ پھر لکھتے ہین،

فَمِنْ ذَالِكَ الطَّرِيْقِ فَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ بِالنُّبُوَّةِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ الخ	تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ نہ اس سے کہ عصا سانپ ہوگیا یا چاند شق ہوگیا،

[1] الذریعہ مطبوعہ مصر صفحہ ۶۹

معارف فی شرح الصحائف مین جو علم کلام کی مستند کتاب ہی آنحضرت کی نبوت پر دو طریقہ سے استدلال کیا ہے پہلا وہی قدیم طریقہ یعنی معجزات ہے۔ دوسرا طریقہ یہ لکھا ہے

اَلْوَجْهُ الثَّانِي فِي اِثْبَاتِ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ صلعم اَلْاِسْتِدْلَالُ بِاَخْلَاقِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَاَحْكَامِهٖ	دوسرا طریقہ، آنحضرت کی نبوت ثابت کرنے کا آنحضرت کے افعال۔ اقوال، اور احکام سے استدلال کرنا ہے
پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہین	
وَهٰذَا الْوَجْهُ بِالْحَقِيْقَةِ يُعَيِّنُ حَقِيْقَةَ النُّبُوَّةِ	اور یہ طریقہ درحقیقت۔ نبوت کی حقیقت بتا دیتا ہے۔

انبیا کی تعلیم وہدایت کا طریقہ

مذہب کے متعلق بہت بڑی غلطی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ انبیا کے اصول طریقہ تعلیم کو ملحوظ نہین رکھتے، علم کلام کی متداول کتابون مین اس ضروری نکتہ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے لیکن امام رازی نے مطالب عالیہ مین۔ ابن رشد نے کشف الادلہ مین اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین تفصیل کے ساتھ یہ اصول بیان کیے ہین ان مین سے ضروری الذکر یہ ہین

(۱) انبیا کو اگرچہ عوام وخواص دونون کی ہدایت مقصود ہوتی ہے لیکن چونکہ عوام کے مقابلہ مین خواص کی تعداد اقل قلیل ہوتی ہے اس لئے ان کی طرز تعلیم اور طریقہ ہدایت مین عوام کا پہلو زیادہ ملحوظ ہوتا ہے۔ البتہ ہر جگہ ضمن مین ایسے الفاظ موجود ہوتے ہین جن سے اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جن کے مخاطب خواص ہوتے ہین

امام رازی نے آیات متشابہات کے ورود کے متعلق سب سے قوی وجہ یہ بیان کی ہے کہ۔

اَنَّ الْقُرْاٰنَ کِتَابٌ مُشْتَمِلٌ عَلٰی دَعْوَۃِ الْخَوَاصِّ وَالْعَوَامِ بِالْکُلِّیَّۃِ وَطَبَائِعُ الْعَوَامِ تَنْبُوْ فِیْ اَکْثَرِ الْاَمْرِ عَنْ اِدْرَاکِ الْحَقَائِقِ۔ فَکَانَ الْاَصْلَحُ اَنْ یُخَاطَبُوْا بِاَلْفَاظٍ دَالَّۃٍ عَلٰی بَعْضِ مَا یُنَاسِبُ مَا یَتَوَھَّمُوْنَہٗ وَیَتَخَیَّلُوْنَہٗ وَیَکُوْنُ ذٰلِکَ مَخْلُوْطًا بِمَا یَدُلُّ عَلَی الْحَقِّ الصَّرِیْحِ

قرآن ایسی کتاب ہے جس سے خاص وعام سب کو حق کیطرف دعوت دی گئی ہے اور عوام کا یہ حال ہے کہ انکی طبیعت اکثر امور مین حقائق کے ادراک سے انکار کرتی ہے اس لئے مصلحت یہ تھی کہ ایسے الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جائے جو عوام کے خیالات اور تصورات کے ساتھ کچھ مناسبت رکھتے ہون اور اُسکے ساتھ حقیقت واقعی بھی ملحوظ ہو

(تفسیر کبیر آل عمران آیت ھُوَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ)

ابن رشد فصل المقال مین لکھتے ہین

وَکَانَ الشَّرْعُ مَقْصُوْدُہُ الْاَوَّلُ الْعِنَایَۃُ بِالْاَکْثَرِ مِنْ غَیْرِ اِغْفَالٍ لِتَنْبِیْہِ الْخَوَاصِّ

شریعت کا مقصود اولی جمہور عوام کے ساتھ اعتنا کرنا ہے تاہم خواص کی تنبیہ سے بھی چشم پوشی نہین کی جاتی۔

دوسرا اصول

(۲) انبیا۔ لوگون کی عقل وعلم کے لحاظ سے اُن سے خطاب کرتے ہین لیکن اس علم وعقل کے لحاظ سے جو اکثر افراد انسانی مین پائی جاتی ہے۔ اکتساب مجاہدہ۔ مراقبہ ممارست کیوجہ سے جو علم وعقل پیدا ہوتی ہے وہ انبیا کے خطاب کا موضوع نہین

وَمِنْ سِیْرَتِھِمْ اَنْ لَّا یُکَلِّمُوا النَّاسَ اِلَّا عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمُ الَّتِیْ خُلِقُوْا عَلَیْھَا

اور انبیا کے اصول مین سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگون سے انکی خلقی عقل، کے موافق خطاب کرتے ہین

فالانبیاء لم یخاطبوا الناس الا علی منهاج ادراکهم الساذج المودع فیهم باصل الخلقة فلذالک لم یکلفوا الناس ان یعرفوا ربهم بالتجلیات والمشاهدات ولا بالبراهین والقیاسات ولا ان یعرفوه منزها من جمیع الجهات (حجة الله البالغة صفحہ ۸۸)

اس لئے انبیا نے محض اُس فہم اور ادراک کے لحاظ سے خطاب کیا، جو ان لوگون کی خلقت مین ودیعت ہے چنانچہ انبیا نے لوگون کو یہ تکلیف نہین دی کہ وہ خدا کو تجلیات مشاہدات۔ براہین۔ اور قیاسات کے ذریعہ سے پہچانین نہ انکو اس بات پر مکلف کیا کہ وہ خدا کو ہر جہت، اور ہر حیثیت سے منزہ خیال کرین،

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ انبیا تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کے سوا اور قسم کے مسائل اور مباحث اور حقائق سے متعرض نہین ہوتے، اور اس قسم کے امور کے متعلق کچھ بیان کرتے ہین تو انھی کی روایات اور خیالات کے مطابق، اور اسمین بھی استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہین۔

ومن سیرتهم ان لا یشتغلوا بما لا یتعلق بتهذیب النفس وسیاسة الامة کبیان اسباب حوادث الجو من المطر والکسوف والهالة وعجائب النبات والحیوان ومقادیر سیر الشمس والقمر واسباب الحوادث الیومیة وقصص الانبیاء والملوک والبلدان ونحوها الا کلمات یسیرة الفها اسماعهم وقبلها

اور انبیا کے اصول مین سے ایک یہ بات ہے کہ جو امور تہذیب نفس، اور سیاست قومی سے تعلق نہین رکھتے انمین وہ دخل نہین دیتے مثلاً کائنات الجو یعنی بارش۔ گرہن۔ ہالہ کے پیدا ہونے کے اسباب۔ نباتات اور حیوانات کے عجائبات چاند سورج کی رفتار کی مقدار حوادث یومیہ کے اسباب۔ انبیا سلاطین اور ممالک کے قصے وغیرہ وغیرہ ان چیزون سے وہ بحث نہین کرتے مگر ہان کچھ چند معمولی

فھو لھم یوحی بھا فی التذکیر بالآء اللہ والتذکیر بایام اللہ علی سبیل الاستطراد بکلام اجمالی یسامح فی مثلہ بایراد الاستعارات والمجازات ولھذا الاصل لما سألوا النبی ﷺ عن لمیۃ نقصان القمر وزیادتہ اعرض اللہ تعالی عن ذالک الی بیان فوائد الشھور فقال یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج وتری کثیرا من الناس فسد ذوقھم بسبب الالف بھذہ الفنون اوغیرھا من الاسباب فحملوا کلام الرسل علی غیر محلہ (حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۸۸)

باتین جن سے لوگون کے کان مانوس ہو چکے ہین اور اُنکی عقلون نے ان باتون کو قبول کرلیا ہے، اور ان باتونکو بھی وہ لوگ خدا کی شان اور قدرت کے ذکر مین ضمنی طور پر اجمالا بیان کرتے ہین اور اسمین مجاز اور استعارہ سے کام لیتے ہین، اور اسی اصول کی بنا پر جب لوگون نے آنحضرت سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب پوچھا تو خدا نے اُسکے جواب سے اعراض کیا اور اُسکے بجاے مہینونکا فائدہ بیان کردیا چنانچہ فرمایا یسئلونک الخ اور اکثر لوگون کا مذاق، ان فنون (یعنی ریاضیات وغیرہ) کے اشتغال کی وجہ سے خراب ہو گیا ہے تو یہ لوگ انبیا کے کلام کو خلاف حقیقت محل پر محمول کرتے ہین۔

چوتھا اصول

(۴) ایک عام اصول جس پر تمام انبیا کا عمل رہا یہ ہے کہ وہ جس قوم مین مبعوث ہوتے ہین اسکے اکل وشرب، لباس، مکان، سامان آرائش۔ طریقہ نکاح زوجین کے عادات، بیع وشرا، معاصی پر دار وگیر، فصل قضایا، غرض اس قسم کے تمام امور پر نظر ڈالتے ہین اگر یہ چیزین ویسی ہی ہین جیسا انکو ہونا چاہیے تو پھر کسی قسم کا تبدل وتغیر نہین کرتے بلکہ ترغیب دلاتے ہین کہ یہ رسوم واقعی صحیح اور واجب العمل اور مبنی علی المصالح ہین، البتہ اگر ان مین کچھ نقص ہوتا ہے مثلا وہ آزار رسانی کا ذریعہ ہون۔ یا بالذات دنیوی مین انہماک کا باعث ہون

یا اصول جہان کے مخالف ہون۔ یا انسان کو دنیاوی اور دینی مصالح سے نے پروا کر دینے والی ہون تو اُسکو بدل دیتے ہین وہ بھی اس طرح نہین کہ سرے سے انقلاب کر دین، بلکہ اس قسم کی تبدیلی کرتے ہین جس کے مشابہ کوئی چیز قوم مین پہلے سے موجود ہوتی ہے یا ان لوگونکے حالات مین انکی مثالین پائی جاتی ہین۔ جنکو قوم، اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کرتی آتی ہے"

شاہ ولی اللہ صاحب یہ اصول نہایت تفصیل[1] سے بیان کر کے لکھتے ہین،

وَلِهٰذَا الْمَعْنیٰ اِخْتَلَفَ شَرَائِعُ الْاَنْبِيَاءِ وَالرَّاسِخُ فِی الْعِلْمِ يَعْلَمُ اَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يَجِیْ فِی النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْمُعَامِلَاتِ وَالزِّيْنَةِ وَاللِّبَاسِ وَالْقَضَاءِ وَالْحُدُوْدِ وَالْغَنِيْمَةِ بِمَا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ اَوْ يَتَرَدَّدُوْنَ فِيْهِ اِذَا كُلِّفُوْا نَعَمْ اِنَّمَا وَقَعَ اِقَامَةُ الْمُعْوَجِّ وَتَصْحِيْحُ السَّقِيْمِ	اور اسی وجہ سے انبیا کی شریعتین مختلف ہین۔ اور جو لوگ علم مین پختہ کار ہین وہ جانتے ہین کہ شریعت نے نکاح۔ طلاق۔ معاملات۔ آرایش۔ لباس۔ قضا۔ تعزیرات غنیمت، مین کوئی ایسی بات نہین پیش کی جسکو وہ لوگ سرے سے نہ جانتے ہون یا ایسی جسکے قبول کرنے مین انکو پس و پیش ہو، ہان یہ ضرور ہوا کہ جو کجی تھی، سیدھی کر دی گئی اور جو خرابی تھی رفع کر دی گئی

(۵) **انبیا پر جو شریعت نازل ہوتی ہے** اُسکے دو حصے ہوتے ہین ایک وہ عقائد و مسائل جو مذہب کے اصول کلیہ ہوتے ہین، اس حصہ مین تمام شریعتین متحد ہوتی ہین۔ شلاً خدا کا وجود۔ توحید۔ ثواب عقاب۔ عبادت۔ شعائر اللہ کی تعظیم۔ نکاح۔ وراثت وغیرہ وغیرہ دوسرے وہ احکام اور سنن، جو خاص خاص انبیا کے ساتھ مخصوص ہوتے ہین اور جنکی نبا پر

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰

کہا جاتا ہے کہ شریعت موسوی مثلاً شریعت عیسوی سے مختلف ہے شریعت کا یہ حصہ خاص خاص قومون یا ملکون کے مصالح اور فوائد پر مبنی ہوتا ہے اور اُسکی بنیاد زیادہ تر ان خیالات، عقائد، عادات، معاملات، رسوم، طریق معاشرت، اور اصول تمدن پر ہوتی ہی جو پہلے سے اُس قوم مین موجود تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین

فَكَذَالِكَ يُعْتَبَرُ فِي الشَّرَائِعِ عُلُومٌ مَخْزُونَةٌ فِي الْقَوْمِ وَاعْتِقَادَاتٌ كَامِنَةٌ فِيهِمْ وَعَادَاتٌ تَتَجَارَى فِيهِمْ وَلِذَالِكَ نَزَلَ تَحْرِيمُ لُحُومِ الْإِبِلِ وَأَلْبَانِهَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ دُونَ بَنِي إِسْمٰعِيلَ وَلِذَالِكَ كَانَ الطَّيِّبُ وَالْخَبِيثُ فِي الْمَطَاعِمِ مُفَوَّضًا إِلَى عَادَاتِ الْعَرَبِ وَلِذَالِكَ حَرُمَتْ بَنَاتُ الْأُخْتِ عَلَيْنَا دُونَ الْيَهُودِ۔[1]

اسی طرح شریعت مین اُن علوم اور اعتقادات وعادات کا لحاظ کیا جاتا ہی جو، قوم مین مخزون اور جاری وساری ہوتے ہین یہی وجہ تھی کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل پر حرام ہوا اور بنی اسمعیل پر حرام نہ ہوا، اور یہی وجہ ہی کہ کھانون مین پاک، اور نجس کی تفریق، عرب کے مذاق پر محمول کی گئی، اور یہی وجہ ہی کہ بھانجی سے شادی کرنا ہمارے مذہب مین حرام ہے، اور یہود کے یہان نہین۔

شاہ صاحب نے اس موقع پر اس اصول کی اور بہت سی تفریعات بیان کی ہین ہم نے تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کر دین۔

اسی بحث مین آگے چلکر لکھتے ہین

وَاعْلَمْ أَنَّ كَثِيرًا مِنَ الْعَادَاتِ وَالْعُلُومِ الْكَامِنَةِ يَتَّفِقُ فِيهَا الْعَرَبُ وَالْعَجَمُ

جاننا چاہیے بہت سے مراسم اور علوم ایسے ہین جن مین تمام عرب وعجم، اور تمام معتدل ممالک کے رہنے والے اور

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۲

وَجَمِيعُ سُكَّانِ الْأَقَالِيمِ الْمُعْتَدِلَةِ وَأَهْلُ الْأَمْزِجَةِ الْقَابِلَةِ لِلْأَخْلَاقِ الْفَاضِلَةِ كَالْحُزْنِ لِمَيِّتِهِمْ وَاسْتِحْبَابِ الرِّفْقِ بِهِمْ وَكَالتَّمَدُّحِ بِالْأَحْسَابِ وَالْأَنْسَابِ فَتِلْكَ الْعَادَاتُ وَالْعُلُومُ أَحَقُّ الْأَشْيَاءِ بِالْاِعْتِبَارِ ثُمَّ بَعْدَهَا عَادَاتٌ وَعَقَائِدُ تَخْتَصُّ بِالْمَبْعُوثِ عَلَيْهِمْ فَتُعْتَبَرُ تِلْكَ أَيْضًا	تمام وہ لوگ جن مین اخلاق فاضلہ کے قبول کرنیکی صلاحیت ہی سب متفق ہوے ہین مثلاً مُردہ کا غم کرنا، اور اونپر رحم کھانا۔ یا مثلاً حسب ونسب پر فخر کرنا۔ تو یہ مراسم اور یہ اصول، سب سے زیادہ لحاظ کے قابل ہین۔ انکے بعد وہ مراسم ہین جو خاص اسی قوم مین جاری ہین جنپر وہ پیغمبر مبعوث ہوا ہی تو ان مراسم کا بھی لحاظ کیا جاتا ہی۔

(۶) کسی چیز سے روکنے یا کسی چیز کے حکم دینے کے دو طریقے ہین ایک یہ کہ اُس چیز کے فوائد و نقصان بیان کئے جائین اور یہ بتایا جائے کہ وہ شے مقصود بالذات نہین ہی بلکہ امر ونہی کا اصلی سبب، اسکا مفید یا مضر ہونا ہی دوسرا طریقہ یہ ہی کہ یہ کہا جائے کہ خود وہ شے بالذات موجب ثواب یا عقاب ہی جیسا کہ بعض دعاؤن کی نسبت لوگون کا خیال ہی کہ اگر اُسکے الفاظ، ادل بدل ہو جائین تو دعا مین وہ تاثیر نہ رہیگی۔

پہلا طریقہ اگرچہ بظاہر حکیمانہ اور اصول عقل کے زیادہ موافق ہی لیکن یہ طریقہ عام نہین ہو سکتا۔ اگر امر ونہی کا مدار اسپر رکھا جائے تو ایک ایک عامی کو اوامر ونواہی کے دقائق اور باریکیان سمجھانی پڑینگی اور یہ بالکل ناممکن ہی اسکے علاوہ کسی کام کے کرنے کیلئے عام طبائع پر جسقدر اسبات کا اثر پڑتا ہی کہ خدا نے اسکام کا حکم دیا ہے، اور خدا اسکی تعمیل سے خوش ہوتا ہی، اسقدر اس بات کا اثر نہین پڑسکتا کہ وہ چیز فی نفسہ اچھی ہی فرض کرو اگر تعزیرات ہند کی بجائے، اخلاقی کتابین جاری کیجائین جنمین یہ لکھا ہو کہ چوری ۔ ڈکیتی ۔ رہزنی ۔ بُری باتین ہین اسلئے انسے بچنا چاہئے۔ تو کیا یہ اخلاقی کتابین جرائم کے گھٹانے مین وہ کام دینگی جو تعزیرات ہند

دے رہی ہے؟ اس بنا پر انبیا افعال کی ترغیب و ترہیب کے لئے زیادہ تر یہی دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہین یعنی بجاے اسکے کہ اوامر اور نواہی کے وجوہ اور اسباب بتائین۔ وہ ان افعال کو بالذات موجب ثواب و عقاب بتاتے ہین۔ اور ثواب و عقاب کو صرف خدا کی خوشنودی اور ناراضی پر محوّل کرتے ہین۔ وہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کے حکم دینے مین عام لوگون سے یہ نہین کہتے کہ ان ارکان کے ادا کرنے مین یہ یہ فائدے ہین بلکہ صرف یہ کہتے ہین کہ ان چیزون سے خدا خوش ہوتا ہے اور انکے نہ ادا کرنے سے وہ ناراض ہوتا ہے اور در اصل عوام کو کسی چیز کیطرف راغب کرنیکا صرف یہی موثر طریقہ ہے[۱]

۱؎ یہ اصول۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی اُس تقریر سے ماخوذ ہے جو انھون نے حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۹۵ مین لکھی ہے لیکن شاہ صاحب اس اصول کو فلاسفہ اسلام کیطرف منسوب کرتے ہین چنانچہ لکھتے ہین ومذہب طائفۃ من فلاسفۃ الاسلام الی ان العذاب والثواب انما یکونان علی الصفات النفسانیۃ والاخلاق المتشبثۃ بالروح وانما ذکر قوالبہا واشباحہا فی الشرائع تفہیما وتقریبا للمعانی الدقیقۃ الی اذہان الناس شاہ صاحب کی ذاتی رائے یہ ہے کہ جب کوئی شی شریعت مین مامور بہ و منہی عنہ ہوتی ہے تو بالذات اسپر ثواب و عقاب مرتب ہو جاتا ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے آگے چلکر جہان اسپر بحث کی ہے کہ جو شریعت تمام شریعتون کی ناسخ ہوتی ہے اسکے اصول کیا ہوتے ہین، وہان اس اصول کو خود، شریعت ناسخہ کے اصول مین شمار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہین

ومنہا ان یکلف الناس باتباع البر والاثم ویلزمہم ذالک الزاما عظیما ولا یلوح لہم بابا واسعا کثیر تلویح ولا یخیرہم فی شی من الشرائع ویجعل علم الشرائع الذی ماخذ الاحکام التفصیلیۃ علما مکنونا وذلک لان اکثر المکلفین لا یعرفون المصالح ولا یستطیعون معرفتہا الا اذا ضبطت بالضوابط وصارت محسوسۃ یتعاطاہا کل متعاط فلو رخص لہم فی ترک شی منہا او بین ان المقصود الاصلی غیر تلک الاشباح لتوسع لہم مذاہب الخوض ولاختلفوا اختلافا فاحشا

اور ان اصول مین سے ایک یہ ہے کہ پیغمبر لوگونکو نیکی و بدی کی جزئی صورتون کا مکلف کرے، اور انکو سخت تاکید کرے، اور ان اعمال کی اور حالتون کا اثر بہت کم اظہار کرے۔ اور انکو احکام شریعت مین سے کسی حکم کی نسبت انکو کرنے نکرنے کا مختار نہ بنائے۔ اور اسرار شریعت کے علم کو جو احکام تفصیلی کا ماخذ ہے ایک راز مخفی قرار دے۔ اور یہ اسلئے کہ اکثر لوگ مصالح سے واقف نہین اور اسکو سمجھ نہین سکتے جبتک کہ ایسے قاعدے نہ بنائے جائین جو محسوس صورتین آجائین اور جسکو ہر شخص سمجھ لے اسلئے اگر انکو کسی شے کے چھوڑنیکی اجازت دیجائے۔ یا انسے کہا جائے کہ اعمال مقصود اصلی نہین ہین۔ تو انکو بڑی وسعت ہو جائیگی اور انمین سخت اختلاف پیدا ہو جائیگا

مذکورہ بالا اصول، تمام انبیا مین مشترک ہوتے لیکن جس نبی کی رسالت عام ہوتی ہے اور تمام عالم کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوتا ہے، اُسکی ہدایت اور تلقین مین بعض زائد خصوصیات ہوتی ہین جو اور انبیا مین نہین پائی جاتین،

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ پیغمبر جس قوم مین مبعوث ہوتا ہے، اُس کی شریعت مین اُس قوم کے عادات اور خصوصیات کا خاص طریقہ پر لحاظ ہوتا ہے لیکن جو پیغمبر تمام عالم کے لئے مبعوث ہوا اُسکے طریقہ تعلیم مین یہ اصول چل نہین سکتا، کیونکہ نہ وہ تمام دنیا کی قومونکے لئے الگ الگ شریعتین بنا سکتا ہے نہ تمام قومونکی عادات اور خصوصیتین باہم متفق ہوسکتین ہین۔ اسلئے وہ پہلے اپنی قوم کی تعلیم و تلقین شروع کرتا ہے اور اُن کو محاسن اخلاق کا نمونہ بناتا ہے، یہ قوم اُس کے اعضا اور جوارح کا کام دیتی ہے اور اُسی کے نمونہ پر وہ اپنی تلقین کا دائرہ وسیع کرتا جاتا ہے، اُس کی شریعت مین اگرچہ زیادہ تر وہ قواعد کلیہ اور اصول عام ہوتے ہین جو قریبًا تمام دنیا کی قومون مین مشترک ہوتے ہین تاہم خاص اس کی قوم کی عادات اور خصوصیات کا لحاظ زیادہ ہوتا ہے لیکن جو احکام ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہین اُن کی پابندی مقصود بالذات نہین ہوتی اور نہ اُنپر چندان زور دیا جاتا ہے،

اس اصول کو شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین (صفحہ ۱۲۳) مین نہایت تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہین۔

وَهٰذَا الْاِمَامُ الَّذِیْ یَجْمَعُ الْاُمَمَ عَلٰی مِلَّةٍ وَّاحِدَةٍ یَحْتَاجُ | یہ امام جو تمام قومون کو ایک مذہب پر لانا چاہتا ہو۔

إلى أصول أخرى غير الأصول المذكورة فيما سبق منها أن يدعو قوما إلى السنة الراشدة ويزكيهم ويصلح شأنهم ثم يتخذهم بمنزلة جوارحه ++

وذلك لأن نفس الإمام لا يتأتى منه مجاهدة أمم غير محصورة وإذا كان كذلك وجب أن يكون مادة شريعته ما هو بمنزلة المذهب الطبيعي لأهل الأقاليم الصالحة عربهم وعجمهم ثم ما عند قومه من العلم والارتفاقات ويراعي فيه حالهم أكثر من غيرهم ثم يحمل الناس جميعا على اتباع تلك الشريعة لأنه لا سبيل إلى أن يفوض الأمر إلى كل قوم أو إلى أئمة كل عصر إذ لا يحصل منه فائدة التشريع أصلا ولا إلى أن ينظر ما عند كل قوم ويمارس كلا منهم فيجعل لكل شريعة ++

فلا أحسن ولا أيسر من أن يعتبر في الشعائر والحدود والارتفاقات عادة

اس کو اور چند اصول کی جو اصول مذکورہ بالا کے علاوہ ہین حاجت پڑتی ہی انہین سی ایک یہ ہی کہ ایک قوم کو راہ راست پر بلاتا ہی اسکی اصلاح کرتا ہی، اسکو پاک بنا دیتا ہی، پھر اسکو اپنا دست و بازو قرار دیتا ہی

یہ اسلئے کہ یہ تو ہو نہین سکتا کہ یہ امام تمام دنیا کی قومون کی اصلاح مین جان کھپائے اسلئے ضرور ہوا کہ اسکی شریعت کی اصلی بنیاد تو وہ ہو جو تمام عرب و عجم کا فطری مذہب ہو، اُسکے ساتھ خاص اسکی قوم کے عادات اور مسلمات کے اصول بھی لئے جائین اور انکے حالات کا لحاظ بہ نسبت اور قومون کے زیادہ تر کیا جائے پھر تمام لوگوں کو اس شریعت کی پیروی کی تکلیف دیجائے کیونکہ یہ تو ہو نہین سکتا کہ ہر قوم یا ہر پیشوائے قوم کو اجازت دیدی جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنا لین ورنہ تشریع محض بیفائدہ ہوگی، نہ یہ ہو سکتا کہ ہر قوم کی عادات و خصوصیات کا تجسس کیا جائے اور ہر ایک کیلئے الگ الگ شریعت بنائی جائے اس بنا پر اس سی بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہین کہ شعار، تعزیرات، اور انتظامات مین خاص اسی قوم کی عادات کا

قَوْمَهُ الْمَبْعُوْثَ فِيْهِمْ وَلَا يَضِيْقُ عَنْ تَضْيِيْقٍ لحاظ کیا جائے جن مین یہ امر پیدا ہوا ہے، اُسکے بعد آنیوالی
عَلَى الْآخَرِيْنَ الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ بَعْدُ نسلون پر اُن احکام کے متعلق چندان سخت گیری نکیجائے

اس اصول سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ شریعت اسلامی مین چوری - زنا. قتل - وغیر کی جو سزائین مقرر کی گئی ہین اُن مین کہان تک عرب کی رسم و رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ اُن سزاؤن کا بعینہا اور بخصوصہا پابند رہنا کہان تک ضروری ہے -

خرق عادات

بیانات مذکورہ بالا سے اگرچہ ثابت ہوچکا. کہ نبوت خرق عادت پر موقوف نہین، اور اس لحاظ سے ہم کو اس مسئلہ کے متعلق کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن خرق عادت تمام مذاہب کا ایک ضروری عنصر ہے اور اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ اسلام مین بھی کچھ نہ کچھ اسکی جھلک موجود ہے اس لئے اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہے قران مجید مین اس قسم کے جو واقعات منقول ہین فرقہ جدیدہ ان کی عموماً تاویل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قران مجید مین اس قسم کا ایک واقعہ بھی مذکور نہین لیکن انصاف یہ ہے کہ قران مجید بلکہ تمام آسمانی کتابون مین اس قسم کے واقعات کے مذکور ہونے سے انکار نہین ہوسکتا نے شبہ اشاعرہ کی افراط، بچون کے وہم پرستی کے درجہ تک پہونچ گئی ہے لیکن انکار محض کرنا بھی کچھ کم ہٹ دھرمی نہین ہے، ہمارے زمانہ کے لوگون نے جو تاویلین کی ہین، ہم اس سے بخوبی واقف ہین، بے شبہ یہ تاویلین نئی تعلیم یافتہ لوگون کے لئے

کافی ہین جو بیچارے عربی زبان اور اُس کے طرز و اسلوب سے ناآشنا ہین، مگر ماہر عربیت کے سامنے یہ تلبیع کیا کام دے سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید فرقہ چونکہ وہم پرست مسلمانون کا طرف مقابل ہے اس لئے ضرور تھا کہ وہ اعتدال سے متجاوز ہو جائے، ایک طرف جب یہ افراط ہی کہ کہ ہر قسم کے ناممکن اور محال واقعات، ہر کس و ناکس سے سرزد ہو سکتے ہین، اور کَرَامَةُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ کے دائرہ کی وسعت کی کوئی حد نہین قرار پائی۔ تو اس کے مقابلہ مین یہ تفریط کچھ تعجب انگیز نہین کہ کوئی واقعہ جو بظاہر خلاف ہو ہرگز وقوع مین نہین آسکتا لیکن ہم کو، افراط و تفریط سے الگ ہو کر، خود حقیقت حال پر غور کرنا چاہئے

خرق عادت کے منکرین کا استدلال اور اسپر بحث

خرق عادت کے منکرین، کا تمامتر استدلال یہ ہے کہ خرق عادت قانون فطرت کے خلاف ہی اور جو چیز قانون فطرت کے خلاف ہے وہ ممتنع ہی اس دلیل کے دوسرے مقدمہ کی کسی شخص کو انکار نہین ہو سکتا لیکن پہلے مقدمہ کے ثابت ہونے کا کیا طریقہ ہی، کیا فطرت کے تمام قوانین منضبط ہو چکے ہین؟ کیا اسپر اطمینان ہو چکا ہے کہ ہم جن امور کو قانون فطرت سمجھ رہے ہین وہ درحقیقت قانون فطرت ہین؟ علوم جدیدہ کی تحقیقات اور تجربہ نے سیکڑون ایسے قانون فطرت دریافت کئے جو پہلے مطلق معلوم نہ تھے۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم ہی، سیکڑون ہزارون برس سے فقرا اور جوگیون کے متعلق یہ واقعات منقول چلے آتے تھے کہ وہ محض توجہ قلب سے دوسرے شخص کو مدہوش اور متاثر کر سکتے ہین، موجودہ زمانہ اس بنا پر انکار کر رہا تھا کہ یہ خلاف قانون فطرت ہے کہ ایک مادہ بغیر اس کے کہ

دوسرا مادہ اس سے ملاقی ہو کسی قسم کا اثر قبول کر سکے لیکن جب مسمریزم کے تجربون سے قوت نفسانی کا اثر ثابت کیا تو تمام پچھلے واقعات تسلیم کرنے پڑے۔ آج ایک مسمریزم کا مشاق علیٰ رؤس الاشہاد دوسرے اشخاص کو محض قوت نظر یا قوت نفس سے بیہوش کر سکتا ہے، اس سے جو بات چاہے کہلوا سکتا ہے۔ جو کام چاہے کرا سکتا ہے

قدیم عربی کتابون مین مذکور ہے کہ مصر مین ایک مچھلی ہوتی ہے جس کے چھونے سے جسم پر رعشہ طاری ہونا شروع ہوتا ہے یہان تک کہ اگر آدمی اس کو ہاتھ سے پھینک نہ دے تو رعشہ کی شدت سے بیہوش ہو کر گر جائے، یہ واقعہ ایک مدت تک خلاف عقل قرار دیا گیا لیکن موجودہ تحقیقات نے اس مچھلی کا وجود ثابت کیا اور معلوم ہوا کہ اسمین الکٹرسٹی ہوتی ہے۔

خود یورپ کے محققین اس بات کو تسلیم کرتے جاتے ہین کہ جسقدر تحقیقات بڑھتی جاتی ہے ناممکن چیزین ممکن ثابت ہوتی جاتی ہین۔

خرق عادت کے متعلق یورپ کے علما کی رائے

فرانس کا مشہور فاضل کیمل فلامریان جو فزیکل سائنس کا استاد مانا جاتا ہے اپنی کتاب اسپرچولیزم مین لکھتا ہے "انسان کی فطری عادت ہے کہ جو چیز بظاہر مشکوک ہوتی ہے یا جس کو وہ نہین جانتا اور سمجھ نہین سکتا اس کے وجود سے انکار کرتا ہے، ہیروڈوٹس[1] یا اٹلین کی تحریرون مین اگر ہم یہ پڑھتے کہ ایک عورت کی ران مین چھاتی تھی اور اس سے وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی تو ہم کو بے اختیار ہنسی آتی اور ہم استہزا کرتے لیکن

[1] یونان کا مشہور مورخ ہے

پیرس کے علمی کانفرنس منعقدہ ۲۵ جون ۱۸۲۷ء میں یہ واقعہ براے العین مشاہدہ کیا گیا۔"

"اسی طرح اگر کوئی ہم سے یہ کہتا کہ ایک شخص مرگیا اور جب اس کی تشریح کی گئی تو اسکی پیٹ میں ایک بچہ پایا گیا جو اس شخص کا توام تھا اور اس کے جسم میں پرورش پاتا رہا تھا۔ تو ہم اس واقعہ کو محض خرافات سمجھتے لیکن چند روز ہوے ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بچہ چھپن برس تک بدن ہی میں پرورش پاتا رہا اور پھر ظاہر ہوا ہبر وڈوٹس کے ایک مترجم نے لکھا ہے کہ لوگوں کا یہ بیان کہ سکندر کی بیوی روکسان نے ایک ایسا بچہ دیا تھا جس کے سر نہ تھا خلاف عقل سمجھا جاتا تھا، لیکن آج تمام طبی ڈکشنریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ بہت سے بچے بغیر سر کے پیدا ہوتے ہیں"

"اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہیں کہ ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ جو لوگ بغیر بصیرت کے انکار کر دیا کرتے ہیں وہ جاہل اور کودن ہیں[1]"

چونکہ ہمارے ملک میں عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ یورپ عام طور پر خرق عادات کا منکر ہے اور اسی بنا پر جدید تعلیم کا ایک ایک بچہ ہر قسم کے ایسے واقعہ پر جو محسوسات عام کے خلاف ہو، استہزا اور انکار کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے، اسلئے ہم چاہتے ہیں کہ خرق عادات کے متعلق یورپ کے مشہور اور مستند حکما و فضلا کے اقوال اور آرا اس موقع پر نقل کریں،

---

[1] کامل فلامریان کی کتاب صفحہ ۲۴۰

دنیامین خرق عادات سے ہمیشہ اس فرقہ کو انکار رہا ہے جو طبعی اور مادّہ پرست ہوتا ہے یعنی وہ لوگ جن کی تحقیقات، اجسام اور خواص اجسام پر محدود ہوتی ہے یورپ کا یہی حال ہے ایک مدت تک یہی حالت رہی، پھر ایک فرقہ پیدا ہوا جسنے روح اور روح کے اثرون کی تحقیقات پر توجہ کی، ان لوگون سنے بہت سے تجربون کے بعد یہ دعوی کیا کہ روح جسم سے جداگانہ ایک چیز ہے اور اُسکے قوٰی اور ادراکات بالکل الگ ہین، روح سیکڑون کوس سے بغیر حواس کی وساطت کے ایک چیز کو دیکھ سکتی اور سُن سکتی ہے، روح واقعات آیندہ کا ادراک کر سکتی ہے، روح کوسون تک اپنا اثر پہونچا سکتی ہے۔ غرض روح کے ذریعہ سے بہت سے ایسے افعال سرزد ہو سکتے ہین جن کو خرق عادت کہا جاتا ہی

اس فرقہ نے اپنے دعوی کو اس بلند آہنگی سے ظاہر کیا کہ لوگون کو اسکی تحقیقات کی طرف متوجہ ہونا پڑا ۱۸۶۹ء مین بمقام لندن ایک بہت بڑی مجلس ان امور کی تحقیقات کے لئے منعقد ہوئی اس مجلس کے ارکان یہ تھے

سرجان لبک ممبر پارلیمنٹ صدر انجمن

پروفیسر ہکسلی جو طبعیات کا سب سے بڑا عالم تھا۔ وکیل

لوئیس۔ فزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم۔ ″

الفرد ویلز۔ جو ڈارون کا ہمعصر اور مسئلہ ارتقا مین برابر کا شریک تھا۔ ممبر

مارگن مجلس علوم ریاضیہ کا صدر انجمن ″

جان کوکس ″

ان کے سوا اور بہت سے فضلا شریک مجلس تھے، اٹھارہ مہینے تک یہ مجلس برابر تحقیقات کرتی رہی، اخیر مین مجلس نے جو رپورٹ مرتب کی اُسکے بعض فقرے یہ ہین۔

"مجلس نے اپنی راے کا مدار صرف ان تجربون پر رکھا جو مجلس نے برای العین مشاہدہ کئے اور جن مین کسی قسم کا شک وشبہ نہین ہوسکتا تھا مجلس مین چارخمس ایسے ممبر تھے جو شروع مین اس قسم کے واقعات کے سخت منکر تھے، اور سمجھتے تھے کہ یا توان واقعات مین فریب اور شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے یا خود انسان کی عصبی نظام کا اثر ہے لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجربون کے بعد اُن کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ خرق عادات حقیقی اور اور واقعی ہین"

اس کے بعد انگلستان اور امریکا مین اس کی تحقیقات کے لیے ایک مجلس قائم ہوئی جس کے صدر انجمن ہیزلوب اور ہوڈسن تھے، یہ مجلس قریباً بارہ برس تک تحقیقات مین مصروف رہی، اور بالآخر ۱۸۹۹ء مین اسنے اپنی تحقیقات ختم کی اور ان واقعات کی صحت کا اعتراف کیا، ہیزلوب نے جو راے لکھی اسکے بعض فقرے یہ ہین

"مجکو امید ہے کہ مین برس دو برس کے بعد، تمام دنیا کے سامنے دلائل قطعیہ سے یہ ثابت کردونگا کہ اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ مین نے خود اپنی آنکھون سے وہ وہ خرق عادات دیکھے جنکی نسبت کسی طرح شعبدہ اور فریب کا احتمال نہین ہوسکتا"

ہوڈسن کی رپورٹ کے بعض جملے یہ ہین

"دنیا کو بہت جلد عظیم الشان جدید اطلاعین، حاصل ہونے والی ہین، مجکو امید کہ

دو ہی ایک برس مین یہن دنیا کے لئے، انسانی زندگی کے قوانین فطرت کی نئی تفسیر پیش کرونگا - اگر پروفیسر ہیزلوب سنے یہ دعوی کیا ہے کہ اُسنے مردون کی روحون سے باتین کین تو اسنے بالکل سچ دعوی کیا ہے ‘‘

ایک اخبار کے نامہ نگار نے ہوڈسن سے اس مسئلہ کے متعلق گفتگو کی تو اُسنے یہ الفاظ کہے ’’مین نے اور پروفیسر ہیزلوب نے ایک ساتھ تحقیقات شروع کی ہم دونون دہریہ تھے، اور کسی شے پر یقین نہین رکھتے تھے تحقیقات سے ہماری غرض یہ تھی کہ مدعیان روحانیت جو شعبدہ بازیان کرتے ہین - ان کی پردہ دری کردی جائے لیکن آج مین اس بات کا قائل ہون کہ مردون سے بات چیت ہوسکتی ہے اور اُس کے متعلق اتنے دلائل ظاہر ہوچکے کہ اب مطلق شبہ کی گنجائش نہین رہی ‘‘

پروفیسر کوکس - جو امپیریل سائنٹفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے اُسنے مجمع عام مین کہا کہ ’’مین صرف یہی نہین کہتا کہ یہ ممکن ہے بلکہ مین کہتا ہون کہ وہ بالکل حقیقت واقعی ہے‘‘ پروفیسر کوکس نے خاص اسپیریچولیزم پر ایک کتاب لکھی جو نہایت کثرت سے بار بار چھپ چکی ہے، مین وہ لکھتا ہے کہ ’’چونکہ مجکو ان واقعات کا قطعی یقین ہوچکا ہے اس لئے یہ اخلاقی نامردی ہے کہ مین اُن کے ظاہر کرنے مین اس بنا پر ہچکچاؤن کہ نکتہ چین میری ہنسی اُڑائینگے ‘‘

مادیین مین بہت بڑا فاضل ڈاکٹر جارج سکستون ہے، وہ روح وغیرہ کا نہایت مخالف تھا اور ان امور پر سخت حملے کیا کرتا تھا، اس نے صرف اس غرض سے کہ

مدعیانِ روح کی شعبدہ بازیون کا پتہ لگائے، اسطرف توجہ کی اور پندرہ برس تک اس تگ و دو مین رہا، لیکن بالآخر اُسنے یہ الفاظ کہے

"مین نے خاص اپنے گھر مین جہان میرے احباب کے سوا، اور کوئی موجود نہ تھا بغیر کسی درمیانی شخص کے قطعی طور پر اس کا تجربہ کیا جن لوگون سے بات چیت ہوئی وہ مرے ہوئے ہمارے عزیز و اقارب تھے"

بارکس نے جو مشہور جیالوجسٹ فاضل ہے ایک علمی پرچہ مین لکھا کہ "مین نے تمام وہ کتابین جو روح کی رد مین لکھی گئی تھین پڑھین اور ان تمام لوگون سے مناظرے کئے لیکن مین نے یہ مشاہدات خود اپنی آنکھون سے دیکھے اور دس برس تک تجربہ کرتا رہا یہان تک کہ اب مین ان مشاہدات پر، بہ علم و درایت گفتگو کر سکتا ہون

مارگن جو علوم ریاضیہ کا پریسیڈنٹ ہے، اُسنے یہ شہادت دی کہ مین نے خود اپنی آنکھون سے جو دیکھا اور اپنے کانون سے جو سُنا اُسنے مجکو ایسا مطمئن کر دیا ہے کہ شک کا احتمال بھی نہین رہا"

سب سے بڑی شہادت اس باب مین رسل ویلز کی ہے، یہ مشہور فاضل ڈاروِن کا شریک اور ہمپلہ خیال کیا جاتا ہے، ڈارون کی ایجاد مین یہ برابر کا شریک تھا اس نے خاص اس بحث پر ایک کتاب لکھی جس کا نام عجائبات روح، ہے اسمین وہ لکھتا ہے کہ مین محض دہریہ تھا اور اپنے اس مذہب پر بالکل قانع تھا مجکو ذرہ بھر بھی خیال نہ تھا کہ مین روح کا معترف ہوسکون گا، یا اس بات کا قائل ہوسکون گا کہ اس عالم مین مادہ کے

سوا اور بھی کوئی چیز کوئی اثر پیدا کر سکتی ہے؟"

"لیکن محسوس حیرت خیز مشاہدات نے مجکو مجبور کر دیا کہ مین ان چیزون کو حقیقی اور واقعی تسلیم کرون، اگرچہ ابھی تک مین یہ تسلیم نہین کرتا تھا کہ یہ آثار روح سے سرزد ہوتے ہین لیکن ان مشاہدات نے رفتہ رفتہ میری عقل پر اثر کرنا شروع کیا نہ بطریق استدلال وحجت بلکہ یہ مشاہدات کے پے در پے تواتر کا اثر تھا جس کا یہ نتیجہ تھا کہ روح کے اقرار کے بغیر کوئی مفر نہ تھا"

پروفیسر ایسٹ جو امریکا کی سائنٹفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے اپنے ایک میگزین مین لکھا کہ "چند روز پہلے مجکو اس خیال سے بھی تکلیف ہوتی تھی کہ مجکو ایک ایسا واقعہ لکھنا پڑے گا لیکن اب مین دیکھتا ہون کہ اپنے اعتقاد کو اگر بد دیانتی سے چھپاتا ہون تو مین اپنی عقلی ترقی کو گھٹاتا ہون، یہ تمام سچے مشاہدات دیکھکر اب مین چپ نہین رہ سکتا ورنہ مین اخلاقی بزدلی کا مرتکب ہونگا"

جرمن کا مشہور ہیئت دان زولنر بھی اسکی تحقیقات پر متوجہ ہوا، اس کے ساتھ اور چند مشہور فضلا شریک ہوے جنمین سے بعض کے یہ نام ہین

دیبر

فیشنر فزیکل سائنس کا استاد اور یونیوسٹی کا پروفیسر

دنڈٹ نہایت مشہور فاضل اور یونیورسٹی کا پروفیسر

بالآخر بہت سی تحقیقات کے بعد ان تمام فاضلون نے روح کے عجیب وغریب کرشمون کا اعتراف کیا زولنر بہت بڑا عالم تھا۔ اس کے اعتراف پر لوگون کو خیال ہوا کہ شاید اُسنے

دھوکا کھایا چنانچہ چند مشہور پروفیسرون نے یہ خیال اخبار کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اسپر زولنر نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام اوراق علمیہ ہے، اسمین اسنے نہایت زور شور سے اپنے مشاہدات کا حوالہ دیا، اور اُن کے صحت پر دلائل قائم کیے

۱۸۹۱ء مین جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی اسکے ایک جلسہ مین پروفیسر لودج نے جو بہت بڑا ریاضی دان ہے ایک لکچر دیا اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا کہ "اب وہ وقت آگیا ہے کہ مادی اور روحانی عالم مین ابتک جو حد فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے جسطرح اور بہت سی حدین ٹوٹ گیئن۔ اس طریقہ سے ثابت ہو جائے گا کہ ممکنات کی کچھ انتہا نہین، اور یہ کہ جسقدر ہم جانتے ہین وہ بمقابلہ ان چیزون کے جو ہم کو معلوم نہین ہین کچھ بھی نسبت نہین رکھتین"

۲۲- جون ۱۸۹۸ء کو جو کانفرنس، منعقد ہوئی اس مین پروفیسر دروتاش نے اپنی اسپیچ مین کہا کہ "خرق عادات جو اُس وقت ہمنے مشاہدہ کیے اور جن کے ذکر سے ان لوگون کو طیش آجاتا ہے جو اپنے آپ کو عالم خیال کرتے ہین اور جنکی مباحث علمیہ پر گفتگو کیا کرتے ہین، اُنھی متواتر مشاہدات کے سلسلہ مین داخل ہین جو ایک مدت سے ہمارے تجربہ مین آرہے ہین اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہوگیا ہے"

۱۸۹۳ء مین بمقام میلان ایک بہت بڑی کمپنی منعقد ہوئی جسکے ممبر حسب ذیل تھے

الگزنڈر گزاکوف۔

جیوفانی۔ میلان کے رصد خانہ کا سکرٹری۔

کارل دوپرل جرمن کا مشہور ڈاکٹر

جیوزوب جیروزا۔ فزیکل سائنس کا پروفیسر

پروفیسر شارل ریشیہ۔ فرانس کے طبی کالج کا پروفیسر

لمبروزو

ان علمائے ۱۷ اجلاس مین ان امور کی تحقیقات کی، اور بالآخر اپنی رپورٹ مین لکھا کہ جو خوارق عادات ہمنے مشاہدہ کیے ان مین کسی قسم کی شعبدہ بازی یا چالاکی نہین تھی، اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہین کہ مسائل علمیہ مین داخل کیے جاءین "

اس قسم کی سیکڑون شہادتین ہین جن کو نقل کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب طیار ہو گی اسلئے ہم دائرۃ المعارف کے فقرۂ ذیل پر اکتفا کرتے ہین

وَكَثِيرُوْنَ مِنْ اَهْلِ اَمْرِيكَا وَاُوْرُبَا الْمُمْتَازِيْنَ بِالْعُلُوْمِ وَالْفَلْسَفَةِ وَالْحِكْمَةِ وَالسِّيَاسَةِ يَعْتَقِدُوْنَ وُجُوْدَ قُوَّةٍ لَمْ يَكْشِفْهَا الْعِلْمُ تَقُوْمُ بِتِلْكَ الْاَعْمَالِ اَوْ اَنَّ مَا رَاَوْهُ مِنَ الظَّوَاهِرِ لَا يُنْسَبُ اِلَى الْخِدَاعِ اَوِ الشَّعْوَذَةِ وَ قَالُوْا اِنْ لَمْ تَكُنْ حَقِيْقَةً فَهِيَ جَدِيْرَةٌ بِالْبَحْثِ وَالتَّامُّلِ

امریکا اور یورپ کے بہت سے علما جو علوم فلسفہ حکمت اور سیاست مین ممتاز ہین، اس بات کے معتقد ہین کہ ایک ایسی قوت موجود ہے جس کو علم نے ابتک دریافت نہین کیا تھا۔ وہ قوت ان اعمال کو انجام دیسکتی ہے۔ ان لوگون کا اعتقاد ہے کہ جو تجربے ان لوگون نے کیے وہ فریب یا شعبدہ نہین قرار دیے جاسکتے، اور اگر وہ حقیقی نہین ہین تو کم ازکم ان پر غور اور تامل کرنا ضروری ہے

جو خوارق عادات، ان تجربیات اور مشاہدات سے ثابت ہوئے اگرچہ وہ ہزاروںنے

متجاوز ہین لیکن ان کی بناپر جو کلیات قائم ہوتے ہین اُن کو کامل فلا مریان نے حسب ذیل شمار کیا ہے۔

(۱)۔ روح جسم سے جداگانہ ایک وجود مستقل رکھتی ہے

(۲) روح مین اس قسم کی خاصیتین ہین جواب تک علوم موجودہ کی روسے غیر معلوم تھین

(۳) روح حواس کے وساطت کے بغیر متاثر ہو سکتی ہے یا دوسری چیز پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے۔

(۴) روح آیندہ واقعات سے واقف ہو سکتی ہے

ان شہادتون کو ہم روح کے ثبوت مین پیش نہین کرتے بلکہ ہم صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ انسان مین ایک قوت ہے جسکو خواہ روح کہو خواہ ترکیب جسم کا خاصہ مانو، اُس سے ایسے عجیب وغریب افعال سرزد ہوتے ہین جنکو علوم جدیدہ کے اساتذہ بھی خرق عادت سے تعبیر کرتے ہین اور اعتراف کرتے ہین کہ وہ جسم اور مادہ کے دسترس سے باہر ہین اس بناپر خوارق عادات سے کسی عاقل کو انکار نہین ہو سکتا، البتہ فرق یہ ہے کہ وہم پرست اور خوش اعتقاد لوگ ان چیزون کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ بلا کسی سبب اور واسطہ کے براہ راست خود خدا کی قدرت سے سرزد ہوتے ہین، اور خواص کا یہ اعتقاد ہے کہ عالم اسباب مین ہر چیز وابستہ علت ہے اسلئے ان خرق عادات کا بھی کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے

اسلام مین جو حکما اور عرفا گذرے ہین مثلاً امام غزالی - ابن رشد - شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ سب نے ان خرق عادات کو اسباب کا معلول مانا ہے اور ان اسباب کی تشریح کی ہے جن سے یہ خرق عادات سرزد ہوتے ہین - امام غزالی نے تمام معجزات کی تین قسمین قرار دی ہین، حسّی - خیالی - عقلی - پہلی قسم تو اشاعرہ کے استمالت کے لئے قائم کی ہے - باقی دو قسمین جو اپنے مذاق کے موافق بیان کی ہین وہ بالکل آج کل کی تحقیقات کے موافق ہین، چنانچہ ہم نے امام غزالی کی سوانح عمری مین جو چھپ کر شایع ہو چکی ہے امام صاحب کی اصلی عبارت نقل کی ہے -

بو علی سینا کو بھی ایک مدت تک خرق عادات سے انکار تھا لیکن جو صوفیہ اُسکے زمانہ مین موجود تھے، ان کے خوارق عادات اس کثرت سے خود اُسکے مشاہدہ مین آئے کہ بالآخر اس کو اقرار کے ساتھ اُنکے اسباب و علل پر غور کرنا پڑا اشارات مین خود اُسکے الفاظ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے، وہ خرق عادات کے بیان مین لکھتا ہے،

وَلٰكِنَّهَا تَجَارِبُ لَمَّا ثَبَتَتْ طَلَبَتْ اَسْبَابَهَا ثُمَّ اِنِّیْ لَوِ اقْتَصَصْتُ جُزْئِيَّاتِ هٰذَا الْبَابِ مِمَّا شَاهَدْنَاهُ وَفِيْمَا حُكِیَ عَمَّنْ صَدَّقْنَاهُ لَطَالَ الْكَلَامُ

لیکن یہ تجربے ہین اور جب وہ ثابت ہوئے تو اُنکے اسباب کی جستجو ہوئی اور اگر مین اس قسم کے جزئیات کا شمار کرون جو مینے خود دیکھے یا ان لوگون نے دیکھے جنکو مین ثقہ سمجھتا ہون، تو بہت طول ہو جائیگا

بو علی سینا نے مختلف خرق عادات کے مختلف اسباب بیان کئے ہین، انمین سے اسی نے سب سے بڑا سبب، قوت نفسانی کا اثر قرار دیا ہے - اس کی تفصیل اس کے بیان کے موافق حسب ذیل ہے

"یہ امر بداہتہً ثابت ہے کہ تخیل اور توہم کا اثر جسم پر پڑتا ہے، مثلاً خوشی سے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے بعض دفعہ محض وہم سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے انسان کو کسی کی طرف سے دل مین ناگوار خیالات آتے ہین، ان خیالات سے غصہ پیدا ہوتا ہے غصّہ سے حرارت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے، یہان تک کہ پسینہ آجاتا ہے، اس سے اسقدر ثابت ہوا کہ مادیین کا یہ دعوی صحیح نہین کہ مادّہ پر صرف مادّہ ہی اثر ڈال سکتا ہے، خیال۔ وہم۔ غیظ۔ غضب۔ مادہ نہین بلکہ ایک کیفیت ہے، باوجود اس کے ان کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔

جس طرح ان کیفیات سے، انسان خود متاثر ہوتا ہے، بعض انسانون مین یہ قوت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ وہ دوسرون پر اثر ڈال سکتے ہین، یہ قوت انسانون مین علی قدر مراتب قوی اور ضعیف ہوتی ہے اور بعض انسانون مین اس قدر قوی ہوتی ہے کہ اس سے نہایت عجیب وغریب افعال سرزد ہوتے ہین"

"یہ قوت جس شخص مین فطری اور جبلی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ وہ فطرۃً مقدس اور پاکیزہ خو ہوتا ہے اور اس قوت کو اغراض حسنہ مین استعمال کرتا ہے، وہ نبی یا ولی ہوتا ہے اور اگر اس قوت کے ساتھ فطرۃً بدطینت اور شریر ہوتا ہے اور اس قوت کو برے کامون مین صرف کرتا ہے تو وہ جادوگر اور شعبدہ گر ہوتا ہے"

امام غزالی، نے معارج القدس مین جہان انبیاء کے مختصات لکھے ہین، لکھتے ہین:

وَلَا یُنکَرُ اَن یَکُونَ مِنَ القُوَی النَّفسَانِیَۃِ | اور کچھ بعید نہین کہ بعض لوگون کے قوائے نفسانی

ما هو اقوى فعلاً و تاثيراً من انفسنا نحن حتى لا يقتصر فعلها في المادة التي هي لها وهو بدنها بل اذا شاءت احدثت في مادة العالم ما يتصور في نفسها

ایسے ہوں جنکی قوت اور تاثیر ہمارے نفوس سے زیادہ ہو - یہان تک کہ ان کا اثر اپنے ہی جسم پر محدود نہو بلکہ جس طرح اپنے اجسام پر وہ اثر ڈال سکتے ہین مادہ عالم پر بھی ایسا ہی اثر ڈال سکین

بو علی سینا نے قوت نفسانی کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے جدید تحقیقات کے بالکل مطابق ہے، اسپر چولیزم والے تو صاف اعتراف کرتے ہین کہ روح ایک مستقل جداگانہ چیز ہے اور یہ خوارق عادات اسی کے آثار ہین، جو لوگ روح کے قائل نہین ہین ان کو بھی مشاہدات اور تجربون کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسان مین کوئی ایسی قوت ہے جس سے وہ خوارق عادات سرزد ہوتے ہین جو جسم اور مادہ سے سرزد نہین ہو سکتے، چنانچہ اس کے متعلق، یورپ کے بڑے بڑے علماے علوم جدیدہ کی شہادتین اوپر گذر چکین -

غرض، خرق عادت ایسی چیز نہین کہ محض اس کی بناپر کسی مذہب کو غلط کہدیا جائے البتہ چونکہ خرق عادت، کوئی معمولی چیز نہین، اسلئے یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ جب تک اسکے ثبوت کی قطعی شہادت موجود نہو، ہم اسپر اعتبار نہ کرین - قرآن مجید چونکہ قطعی الثبوت ہے اس لئے اسمین جہان خرق عادت کا ذکر ہوگا، واجب التسلیم ہوگا لیکن پہلے یہ امر نہایت غور اور دقت نظر سے طے کرنا پڑے گا کہ فی الواقع قرآن مجید کے الفاظ، اسکے ثبوت مین قطعی الدلالہ ہین یا نہین -

مفسرین مین جو محقق گذرے ہین مثلاً قفال ۔ ابو مسلم صفہانی ۔ ابو بکر اصم وغیرہ ان کی تحقیقات کے مطابق قرآن مجید مین، بہت کم خرق عادات مذکور ہین اور جو واقعی مذکور ہین ان کی صحت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے

اخیر مین یہ جتا دینا بھی ضرور ہے کہ اشاعرہ اور آج کل کے عام مسلمانون نے خرق عادت کے مفہوم کو جو وسعت دی ہے، اس کے رو سے ہر قسم کے محالات اور حقیقی ناممکنات بھی، خرق عادت کے دائرہ مین آجاتے ہین، اور حاشا ہم اُن کے امکان کا دعوی نہین کرتے ۔ مدت کے ڈوبنے ہوئے آدمیون کو، دریا مین ایک کنکری پھینک کر زندہ کر دینا خرق عادت نہین بلکہ محال ہے ۔ اور خرق عادت کے جواز سے ہمارا یہ مقصد نہین کہ اس قسم کی دور از کار روایتون کو صحیح تسلیم کیا جائے

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت

بَعَثَ فِی الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

نبوت کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد آنحضرت کا نبی ہونا ایک بدیہی مسئلہ رہجاتا ہے نبی کی حقیقت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اجزاے ذیل سے مرکب ہے خود کامل ہو، دوسرون کو کامل کر سکتا ہو، اُسکے علوم اور معارف، اکتسابی نہ ہون، بلکہ منجانب اللہ ہون ۔ یہ تمام باتین جس کمال کے ساتھ آپ کی ذات مبارک مین موجود تھین کیا ابتداے آفرینش سے آجتک اسکی کوئی نظیر مل سکتی ہے؟

غور کرو وہ شخص جسنے کسی قسم کی ظاہری تعلیم نہ پائی ہو۔ جسنے آنکھ کھول کر اپنے گردو پیش۔ بت پرستی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہو جس کے کانون مین ناقوس کے سوا اور کوئی آواز نہ آئی ہو۔ جسنے الٰہیات۔ اخلاق۔ اصولِ معاشرت، قانون تمدن کے متعلق ایک حرف بھی کسی سے نہ سنا ہو۔ دفعۃً منظر عام پر آئے اور ایک طرف تو فلسفہ **اخلاق تزکیۂ روح۔ الٰہیات معاد۔ قانون معاشرت اصول تمدن**۔ کے وہ دقائق اور نکات بتائے جو کسی حکیم کسی فلسفی۔ کسی مقنن کسی پیغمبر نے کبھی نہین بتائے تھے دوسری طرف تمام قوم کی قوم مین جو اُسوقت جہالت وحشت۔ جور وظلم فسق وفجور۔ سفاکی وخونریزی مین ڈوبی ہوئی تھی پاکیزہ اخلاق اور سچائی کی وہ روح پھونک دے کہ دفعۃً ان کی کایا پلٹ ہو جائے بجز محمد رسول اللہ کے اور کون ہو سکتا ہے؟

غور کرو آنحضرت کی بعثت کے وقت تمام دنیا کی کیا حالت تھی؟ ہندو اور مصری سیکڑون خدا یا اوتار مانتے تھے عیسائی **تثلیث** کے قائل تھے **صابئین** ستارہ پرست تھے **مجوسی** یزدان اور اہرمن دو خدا تسلیم کرتے تھے **یہودی** توحید کے قائل تھے مگر جس قسم کا خدا مانتے تھے وہ انسان سے کچھ ہی بڑھکر بلکہ بہت سی باتون مین برابر یا گھٹ کر تھا، اہلِ عرب یا تو خدا کے سرے سے قائل ہی نہ تھے یا مانتے تھے تو اس قسم کا خدا مانتے تھے جسکے نہایت کثرت سے لڑکیان (یعنی ملائکہ) تھین بہت سے فرشتے ہر دن کا الگ الگ خدا مانتے تھے۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو خیال اُسکے دل مین آتا ہے وہ اُنھی واقعات

روایات، اور خیالات سے ماخوذ ہوتا ہے جو اس کے گرد وپیش پھیلے ہوتے ہین انھی
سے وہ ادل بدل کر ایک دوسری صورت بنا لیتا ہے۔ اب غور کرو کہ اگر اس
فطرت کے روسے آنحضرت کے دل مین خدا کا خیال آتا تو اسی قسم کا خدا ہوتا جو اس
زمانہ کے لوگون کا تھا۔ لیکن آپ نے جس خدا کی تلقین کی وہ ایسا خدا تھا جو واحد محض ہے
جس کی ذات اور صفات مین کسی شخص کو کسی قسم کا اشتراک نہین، جو نہ زمین مین ہے نہ
آسمان مین نہ اوپر نہ نیچے، نہ داہین نہ باہین، نہ زمان مین نہ مکان مین اور پھر ہر جگہ ہے
جو ایک ایک ذرہ کو جانتا ہے چیونٹی کے پاؤن کی آہٹ کو سن لیتا ہے، ہمارے
دل کے چھپے ہوے بھیدون کو جانتا ہے۔ ایسا منزہ۔ ایسا کامل۔ ایسا بالاتر خدا
انسان خود اپنے خیال سے نہین پیدا کر سکتا تھا، بلکہ وہی خدا یہ خیال پیدا کر سکتا تھا
جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے۔

عیسائیون کا یہ دعوی کہ آنحضرت نے توریت اور انجیل کی تعلیم پائی تھی

عیسائیون نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے بہت کوشش کی ہے کہ آنحضرت
پڑھے لکھے تھے تورات وانجیل سے واقف تھے اور جرجیس نام ایک عیسائی سے تعلیم
حاصل کی تھی اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی نسبت آنحضرت کو یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ
محال تھا کیونکہ اس زمانہ کی تورات وانجیل اور عیسائی معلم اسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے جو خود
انکا خدا تھا، فرانس کا مشہور فاضل کانٹ ہنری دی کاستری اپنی کتاب اسلام[1] مین لکھتا ہے۔
"اُن روایات کا پتہ لگانا جنسے یہ ثابت ہو کہ محمد صلعم نے عیسائیون یہودیون

[1] یہ کتاب فرنچ زبان مین تھی بمصر کے ایک عالم نے عربی زبان مین اسکا ترجمہ کیا اور ۱۸۹۸ء مین چھاپ کر شایع کیا

اور ستارہ پرستون کے عقائد بالمشافہہ حاصل کئے تھے، فائدہ سے خالی نہین کیونکہ ایسے ان مقامات کی تشریح ہوتی ہے جہان قرآن اور تورات کی آیتین ہم مضمون ہین، لیکن یہ بھی یہ دوم درجہ کی بحث ہے کیونکہ گو یہ فرض کرلیا جائے کہ قران آسمانی کتابون سے ماخوذ ہے لیکن یہ مشکل حل نہین ہوتی کہ محمدؐ مین یہ مذہبی روح کیون کر پیدا ہوئی اور وحدانیت کا ایسا مضبوط اعتقاد کیون پیدا ہوا جو اُن کے جسم و روح پر بالکل چھا گیا[1]"

یہی مصنف آگے چلکر لکھتا ہے "یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد تورات اور انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو، اگر محمدؐ نے ان کتابون کو پڑھا ہوتا تو اُن کو اُٹھا کر پھینکدیا ہوتا کیون وہ اُن کی فطرت اور وجدان اور مذاق کے مخالف تھین۔ اس قسم کے اعتقاد کا محمدؐ کی زبان سے ادا ہونا ان کی زندگی کا سب سے بڑا مظہر ہے اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر مامون تھے"

اب ہم تفصیل کے ساتھ دکھلاتے ہین کہ **عقائد عبادات۔ اخلاق۔ معاشرت** کے متعلق، آنحضرت نے جو اصول اور مسائل، **وحی** کے ذریعہ سے تلقین فرمائے وہ اس قدر کامل اور اعلیٰ درجہ کے ہین کہ کسی حکیم، اور متقنن کے خیال مین نہین آتے اور بغیر وحی الٰہی کے کسی کے خیال مین آ ہی نہین سکتے تھے۔

عقائد

سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی فکر اور اجتہاد سے عقائد قائم کرنے چاہئین یا دوسرونکی

[1] ترجمہ کتاب مذکور بزبان عربی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸

تقلید اور پیروی سے، اسلام سے پہلے جسقدر مذاہب تھے سب مین، ائمہ دین کے سوا باقی تمام لوگ تقلید پر مجبور تھے، عیسائیون مین **پوپ**، یہودیون مین **احبار**، پارسیون مین **دستور** ہندؤن مین **پنڈتون** اور **شیون** کے سوا کوئی شخص نہ مذہبی عقیدہ کے متعلق، کچھ کہہ سکتا تھا۔ نہ عقائد کے متعلق، اپنی رائے قائم کرسکتا تھا،

عقائد مین تقلید کرنا شرک ہے

اسلام نے اس قسم کی تقلید کو شرک قرار دیا اور کہا کہ

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ۔ آیت ۳۱)	عیسائیون اور یہودیون نے خدا کو چھوڑ کر اپنے احبار اور رہبانون کو خدا بنالیا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل کتاب نے بڑے تعجب سے کہا کہ ہم لوگ، احبار اور رہبان کو خدا کہان سمجھتے ہین!! آنحضرت نے فرمایا کہ تمھارا عقیدہ ہے کہ بطریق (پادری) جس چیز کو حلال کردیتا ہے، حلال ہوجاتی ہے اور جس چیز کو حرام کردیتا ہے حرام ہوجاتی ہے"

اسی مضمون کو ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران۔ آیت ۲۷)	تو کہدے کہ اے کتاب والو! آؤ ایک بات پر جو ہمارے اور تمھارے دونون کے ہان مسلّم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا اور کسیکو نہ پوجین اور خدا کے ساتھ کسیکو شریک کرین اور ہم مین سے ایک ایک کو اپنا رب نہ بنائے، خدا کو چھوڑ کر

اسلام نے اس قسم کی جو آزادی دی، اس کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ مین گو نہایت اختلاف مراتب تھا، لیکن عقائد مین کوئی شخص کسی کا مقلد نہ تھا، ایک جاہل بدو بھی

عقائد مین بڑے سے بڑے صحابی کی تقلید نہین کرتا تھا، بلکہ اپنی سمجھ اور عقل سے کام لیتا تھا اسی کا اثر ہی کہ گو زمانہ مابعد مین جب اسلام کو تنزل ہوا تو تقلید کا رواج شروع ہوا لیکن یہ مسئلہ آج تک مسلم رہا کہ لَا یَجُوْزُ التَّقْلِیْدُ فِی الْعَقَائِدِ یعنی عقائد مین تقلید جائز نہین۔

اسلام کی یہی ہدایت تھی جو ہزار برس کے بعد **لوتھر** کے خیال مین آئی اور جسکی بنا پر اُسنے دنیا کو **پوپ** کی غلامی سے آزادی دلائی۔ یورپ مین ہر قسم کی مذہبی آزادی کی بنیاد درحقیقت گویا اسلام کی اسی ہدایت پر قائم ہوئی اور قائم ہے

تفصیلی عقائد

ذات وصفات باری

عقائد مین اہم المسائل اور راس المسائل خدا کے وجود اور اس کی ذات وصفات کا مسئلہ ہے، خوب غور سے دیکھو کہ ایسے بڑے ضروری مسئلہ کے متعلق، تمام اہل مذاہب بلکہ تمام عالم کس قسم کی عجیب وغریب غلطیون مین مبتلا تھا، عیسائی تین خدا مانتے تھے اور تین کو ایک، اور ایک کو تین کہتے تھے، یہ اجتماع النقیضین خود انکی سمجھ مین بھی نہیں آتا تھا لیکن وہ کہتے تھے کہ عقیدہ کا سمجھ مین آنا ضرور نہین، مصری کئی کرور خدا تسلیم کرتے تھے، پارسیون کی سمجھ مین نہین آتا تھا کہ نیکی وبدی، دونون کا ایک خدا کیونکر ہو سکتا ہے اس بنا پر انھون نے نیکی وبدی کے الگ الگ خدا قرار دے رکھے تھے ہندوؤن کے ہان کم سے کم تین خدا تھے برہما۔ بشن۔ مہیش۔ اور اوتار تو سیکڑون بلکہ ہزارون یہود البتہ ایک خدا کے قائل تھے لیکن اس کے اوصاف ایسے قرار دئے تھے

کہ وہ ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے بڑھ کر نہ تھا،

یہ تو اُن کا حال تھا جو خدا کو کسی نہ کسی صورت مین مانتے تھے، اُس گروہ کی بھی کمی نہ تھی جو سرے سے خدا کے وجود ہی کے قائل نہ تھے۔ یہ مختلف نامون سے موسوم تھے، زندیق دہریہ۔ مادیین وغیرہ وغیرہ

دنیا اس عالمگیر تاریکی مین پڑی ہوئی تھی کہ دفعتہ اسلام نے آکر ان تمام غلط خیالات اور معتقدات کا پردہ چاک کر دیا، اُس نے بتایا کہ خدا واحد محض ہے اور زمان و مکان جہت و اشارہ، تحت و فوق، ہر قسم کے قیود و خصوصیات سے مُبرّا ہے یہ وہ تقدیس و تنزیہ تھی جس پر یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی، اور گبن نے کہا کہ "جب زمان و مکان، و جہت، و اشارہ، تمام خصوصیتون کو الگ کر لیا جائے تو خیال کے لیے کیا باقی رہجاتا ہے" بے شبہہ اسلام کو ایسی ہی وسیع الخیالی کی بنیاد قائم کرنی تھی جو جسمانی خصوصیات سے بالکل معرّا ہو،

اسی تقدیس کی بناپر اسلام نے ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال کر دیا کیونکہ اسلام نے خدا کی نسبت جو پاک اور منزّہ خیال قائم کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ خدا کا تصور جسمانی پیکر اور صورت کے بغیر، دلون مین نہ آسکے۔ ہند و مصری۔ صابی۔ رومن کیتھلک سب خدا کے تصور کے لیے جسمانی تمثل کے محتاج تھے اور اسیوجہ سے بت پرستی مین مبتلا تھے لیکن اسلام مین باوجود سیکڑون ہزارون فرقون کے پیدا ہو جانے کے بھی کسی فرقہ کو آجتک بت پرستی کا کبھی خیال نہ آسکا، آج دنیا مین ہند و عیسائی۔ پارسی وغیرہ وغیرہ

توحید خالص اور ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال

جس قدر روشن ضمیر اور بلند خیال ہوتے جاتے ہین، توحید خالص کے قریب آتے جاتے ہین، علم وفن اور خیالات کی وسعت جسقدر بڑھتی جاتی ہے، خدا کی لنسبت جسمانی قیود کا خیال مٹا جاتا ہے،

خدا کے تسلیم اور اعتراف کے بعد ایک بڑا مرحلہ یہ تھا کہ بندہ کو خدا سے براہ راست کیونکر تعلق ہو سکتا ہے؟ اس ضرورت سے تمام فرقون نے درمیانی واسطے قائم کیے تھے اور اوتارون، دیوتاؤن، پیرون، کا سہارا ڈھونڈھتے تھے، اسلام نے بتایا کہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ درمیانی نہین، ہر شخص براہ راست خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اپنی ہر قسم کی حاجتین اور مرادین پیش کر سکتا ہے، خدا کا دربار سعی سفارش۔ توسط اور شفاعت سے مبرا ہے، وہ ہر شخص کے پاس ہے، ہر شخص کی آواز سنتا ہے، ہر شخص اُس تک پہنچ سکتا ہے

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ | ہم انسان کی رگ گردن سے بھی زیادہ اُسکے قریب ہین

نبوت

توحید کے بعد **نبوت** کا درجہ ہے، اُسکے متعلق تمام دنیا مین ایک عالمگیر غلطی پھیلی ہوئی تھی، ہر فرقہ اور ہر گروہ یہ سمجھتا تھا کہ انبیاء انسان کے درجہ سے بالاتر ہوتے ہین یہی خیال تھا، جس سے رام کرشن، زردشت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عین خدا، یا کم از کم مظہر خدا بنا دیا تھا، اسلام نے نہایت زور شور۔ نہایت آزادی نہایت دلیری اور سختی سے صاف بتا دیا کہ انبیا بشریت کے دائرہ سے ایک ذرہ باہر نہین ہین

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ | اے محمد کہدو کہ مین تمھین جیسا آدمی ہون مجھپر وحی آتی ہے

إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ وَاحِدٌ

کہ تمھارا خدا۔ واحد ہے

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلّٰهِ

عیسی کو اس بات سے عار نہین کہ وہ خدا کے غلام ہین۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ

اے محمد! کہدو کہ مین یہ نہین کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہین نہ مین یہ کہتا ہون کہ مین غیب کی باتین جانتا ہون نہ مین یہ کہتا ہون کہ مین فرشتہ ہون مین تو صرف وحی کا پیرو ہون جو مجھپر آتی ہے۔

قُلْ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ

اے محمد! کہدو کہ اگر مین غیب کی بات جانتا تو بہت کچھ بھلائیان حاصل کرلیتا

دنیا مین جتنے مذہب گذرے ہین سب نے خدائی اور نبوت کے ڈانڈے ملا دئے تھے یا کم سے کم قریب کر دیے تھے، صرف اسلام کو یہ عزت حاصل ہی کہ اُسنے دونون کی حد بالکل جُدا کر دی۔

خوب غور کرو، ہم مسلمان، آنحضرت کو تمام انبیا سے بزرگ اور افضل مانتے ہین باوجود اسکے حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ، حضرت موسی کو کلیم اللہ، حضرت عیسی کو روح اللہ کہتے ہین اور آنحضرت کو صرف رسول اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہین۔ صرف اسیقدر نہین بلکہ نمازون مین جب شہادتین ادا کرتے ہین تو رسالت کے اقرار سے پہلے عبدہٗ کا لفظ کہتے ہین أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ یعنی "ہم گواہی دیتے ہین کہ محمدؐ خدا کے بندے ہین، اور پھر رسول ہین" یہ کیون؟ اس لئے کہ خدا کی توحید کا کمال یہی ہے کہ اس کے آگے کوئی شخص گو وہ کسی درجہ کا ہو، بندگی کے درجہ سے بڑھنے نہ پائے، چونکہ آنحضرت کو

خالص توحید دلون مین جانشین کرنی تھی، اس سئے ضرور تھا کہ خود آنحضرت کے لئے صرف عبدیّت اور رسالت کا سادہ لقب اختیار کیا جائے۔

معاد اور عذاب و ثواب - سزا و جزا کے متعلق تمام اہل مذاہب کا یہ خیال تھا اور آج بھی ہی کہ انسان جب خدا کے احکام کی تعمیل نہین کرتا تو خدا اُس سے ناراض ہوتا ہی اور چونکہ دنیا دار العمل ہے اسلیئے یہان تو انسان کو سزا نہین ملتی، لیکن جب قیامت مین خدا مسند حکومت پر متمکن ہوگا، تو تمام معاملات اُسکے حضور مین پیش ہونگے اور خدا حسب مراتب، لوگونکو اُنکی نافرمانیون کی سزا دیگا، اسیطرح جن لوگون نے اطاعت اور فرمانبرداری کی ہی انکو صلے اور انعامات ملینگے

یہ خیال عام طبائع کے بالکل مناسب ہی اور عام لوگونکو نیکی کی طرف مائل کرنے اور برائی سے روکنے کے لئے اس سے بہتر کوئی طرز نہین ہو سکتا،

لیکن یہ عذاب و ثواب کی اصلی حقیقت نہین ہے بلکہ اصل حقیقت کے عام فہم کرنیکا ایک پیرایہ ہے۔ اصل حقیقت یہ ہی کہ جس طرح عالم جسمانیات مین اسباب و علل اثر اور موثر کا سلسلہ ہے مثلاً سنکھیا قاتل ہے گلاب محرک نزلہ ہے، املتاس مسہل ہی، اسی طرح یہی سلسلہ روحانیات مین بھی قائم ہے، نیک و بد جسقدر افعال ہین انکا نیک یا بد اثر روح پر مترتب ہوتا ہے، اچھے کامون سے روح کو انبساط ہوتا ہی، بُرے افعال سے انقباض، آلودگی، اور نجاست کی کیفیت پیدا ہوتی ہی اور یہ وہ نتائج ہین جو اس سے جدا نہین ہو سکتے۔ فرض کرو ایک شخص نے کسی کی کوئی چیز چُرائی، اب اگر وہ شخص جسکی وہ چیز تھی معاف بھی کردی تو چوری کرنے سے اُس شخص کی عزت پر جو داغ آگیا وہ کسی حالت مین زائل نہین ہو سکتا، غرض اچھے

رج مین جو سعادت کا اثر پیدا ہوتا ہے اور برے کامون سے جو شقاوت حاصل ہوتی ہے، اسی کا نام عذاب و ثواب ہے اور یہ خود ان افعال کا لازمی اثر ہے۔ امام غزالی مضنون علی غیر اہلہ مین لکھتے ہین

اَمَّا الْعِقَابُ عَلٰی تَرْکِ الْاَمْرِ وَارْتِکَابِ النَّهْیِ فَلَیْسَ الْعِقَابُ مِنَ اللّٰهِ غَضَبًا وَانْتِقَامًا وَمِثَالُ ذٰلِکَ اَنَّ مَنْ غَادَرَ الْوِقَاعَ عَاقَبَهُ اللّٰهُ بِعَدَمِ الْوَلَدِ فَکَذٰلِکَ نِسْبَةُ الطَّاعَاتِ وَالْمَعَاصِیْ اِلَی الْاٰخِرَةِ وَلٰکِنَّ اِتِّهَامَ مِنْ غَیْرِ فَرْقٍ فَالسُّؤَالُ عَنْ اَنَّهٗ لِمَ تُفْضِی الْمَعْصِیَةُ اِلَی الْعِقَابِ کَالسُّؤَالِ فِیْ اَنَّهٗ لِمَ یَهْلِکُ الْحَیَوَانُ عَنِ السُّمِّ

امر اور نہی کی خلاف ورزی پر جو عذاب ہوگا اسکے یہ معنی نہین کہ خدا کو غصہ آئیگا اور وہ انتقام لیگا بلکہ اسکی مثال یہ ہے کہ جو شخص عورت کے پاس نہ جائیگا اسکے اولاد نہوگی، طاعت و معصیت کیوجہ سے جو قیامت مین ثواب و عذاب ہوگا اسکی بالکل یہی مثال ہے لہذا یہ سوال کرنا کہ گناہ سے عذاب کیون ہوتا ہے گویا یہ سوال کرنا ہے کہ زہر کھانے سے جاندار کیون مرجاتا ہے۔

امام صاحب نے اسی کتاب مین یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ خدا نے جن باتون کا حکم دیا ہے یا جن باتون سے روکا ہے اسکی مثال یہ ہے جس طرح ایک طبیب کسی بیمار کو دوا کھانے، اور مضر چیزون سے پرہیز کرنیکا حکم دیتا ہے، مریض اگر طبیب کے حکم کے موافق عمل نہین کرتا تو اسکو ضرر ہوتا ہے یہ ضرر صرف اسوجہ سے ہوتا ہے کہ مریض نے بدپرہیزی کی لیکن عام طور پر لوگ کہتے ہین کہ مریض نے چونکہ حکیم کی نافرمانی کی اسلئے ضرر ہوا حالانکہ ضرر کی اصلی علت بدپرہیزی ہے، فرض کرو کہ طبیب بدپرہیزی سے منع نہ بھی کرتا تاہم بدپرہیزی کرنے سے ضرر ہوتا۔ اسی طرح خدا گناہون کے ارتکاب سے منع نہ بھی کرتا

لہ امام صاحب کی اصل عبارت ضمیمہ الغزالی مین نقل کی ہے

تاہم ان گناہوں کے ارتکاب سے روح کو وہی صدمہ اور عذاب ہوتا،

ملاحدہ اعتراض کیا کرتے ہین کہ خدا کو گناہ پر عذاب دینے سے کیا حاصل؟ سزا یا انتقام وہ شخص لیتا ہے جس کو کسی قسم کا نقصان پھونچا ہو یا پھونچنے کا اندیشہ ہو اور خدا اس سے بری ہے، اگر تمام عالم فسق و فجور مین پڑ جائے یا نماز روزہ نہ بجالائے تو اس سے خدا کا کیا بگڑتا ہے، اس صورت مین انتقام لینا بے فائدہ ہے،

ملاحدہ یہ بھی کہتے ہین کہ درحقیقت تمام اہل مذاہب نے خدا کا تصور بالکل انسانی حیثیت سے کیا ہے، اور چونکہ وہ دیکھتے ہین کہ دنیا کے بادشاہون کو احکام کی نافرمانی سے سخت طیش اور ملال ہوتا ہے اور وہ مجرم کو نہایت سخت سزائین دیتے ہین۔ اسلئے اہل مذاہب نے خدا کی نسبت بھی یہی خیال قائم کیا کہ وہ گناہون سے ناراض ہوتا ہے اور قیامت مین گناہگارونکو دوزخ مین عذاب گوناگون دے گا، لیکن عذاب و ثواب کی جو حقیقت ہمنے بیان کی، اس کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو ملاحدہ کا اعتراض خود بخود اٹھ جاتا ہے،

اسلام نے عذاب و ثواب کے متعلق، عام طور پر اگرچہ بیان کا وہی پیرایہ اختیار کیا جو تمام اہل مذاہب کا تھا اور عام طبائع کے لئے وہی طریقہ ناگزیر بھی تھا، لیکن اس باب مین اسلام کو جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے اصل حقیقت بھی صراحۃً اور کنایۃً ظاہر کی اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ہر موقع پر اسلام کو تمام اور مذاہب سے ممتاز کرتی ہے تمام دیگر مذاہب مین صرف عوام کی تلقین و ہدایت کا لحاظ ہے، اصل حقیقت سے یا خود، بانیان مذہب بے خبر تھے، یا اگر باخبر تھے تو وہ خواص کی تعلیم و تربیت کو اپنا مقصد

نہین قرار دیتے تھے۔ بخلاف اس کے اسلام تمام دنیا کی ہدایت کے لئے آیا جسمین عالم وجاہل، احمق ودانا، عارف وعامی زاہد وصوفی، ظاہر پرست اور حکیم، سب داخل تھے، عذاب وثواب، اور معاد کی اصل حقیقت کی طرف قرآن مجید مین جابجا اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہین

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ	ہان اگر تم کو علم الیقین ہوتا تو تم دوزخ کو دیکھ لیتے

امام غزالی جواہر القرآن مین اس آیت کی تفسیر مین لکھتے ہین

اَیْ اِنَّ الْجَحِیْمَ فِیْ بَاطِنِکُمْ	یعنی دوزخ خود تمھارے اندر موجود ہے

ایک اور مقام پر ہے

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ -	کفار تجھ سے کہتے ہین کہ عذاب جلد آجائے، حالانکہ دوزخ نے کافرون کو ہر طرف سے چھا لیا ہے

امام غزالی اس آیت کے متعلق، جواہر القرآن مین لکھتے ہین

وَلَمْ یَقُلْ اِنَّهَا سَتُحِیْطُ بَلْ قَالَ هِیَ مُحِیْطَةٌ	خدا نے یہ نہین کہا کہ دوزخ آئندہ محیط ہو جائیگی بلکہ یہ کہا کہ ابھی اسیوقت محیط ہے

ایک اور جگہ قرآن مجید مین ہے

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا	ہم نے ظالمون کے لئے ایسی آگ مہیا کر رکھی ہے جس کے پردون نے ظالمون کو گھیر لیا ہے

امام غزالی اسکے متعلق لکھتے ہین

وَلَمْ یَقُلْ یُحِیْطُ بِهِمْ.	خدا نے یہ نہین کہا کہ آئندہ گھیر لیگی (بلکہ یہ کہا کہ اسیوقت گھیر لیا ہے)

امام صاحب ان آیتون کی یہ تفسیر لکھکر لکھتے ہین

فَاِنْ لَّمْ تَفْهَمِ الْمَعَانِيْ كَذٰلِكَ فَلَيْسَ لَكَ نَصِيْبٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا فِيْ قُشُوْرِهٖ كَمَا لَيْسَ لِلْبَهِيْمَةِ نَصِيْبٌ مِّنَ الْبُرِّ اِلَّا فِيْ قِشْرِهٖ

تو اگر تم مطالب کو اس طرح نہین سمجھتے تو تم کو قران سی صرف اُس کا چھلکا ہاتھ آیا ہی جس طرح بہائم کو گیہون مین سے صرف بھوسی ہاتھ آتی ہے۔

عبادت

اس مسئلہ کے متعلق بھی تمام مذاہب کو ہمیشہ غلطیان واقع ہوئی ہین تمام مذاہب نے اس مسئلہ کے متعلق نہ صرف ایک بلکہ متعدد، اور نہ صرف ایک طرح کی بلکہ مختلف قسم کی غلطیان کین۔ سب سے بڑی یہ غلطی ہے کہ عموماً لوگ سمجھتے آتے ہین کہ **عبادت** خود ایک مقصود بالذات چیز ہے اور اسکا مقصد صرف خدا کی اطاعت کا اظہار ہے اُسکی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک بادشاہ نے اپنے کسی نوکر کی وفاشعاری اور اطاعت کا امتحان لینا چاہا اور اس بنا پر حکم دیا کہ وہ تمام شب ایک پاؤن کھڑا رہے۔ اس سے نہ بادشاہ کا کوئی نفع ہی نہ نوکر کا کوئی فایدہ، بلکہ صرف نوکر کی اطاعت کا امتحان ہے۔ اسی طرح ہم جو نمازین پڑھتے ہین، روزے رکھتے ہین حج کرتے ہین، تو اس سے فقط امتثال امر مقصود ہے، خدا نے حکم دیا۔ ہم بجا لائے، جسقدر ہم تکلیفین اٹھاتے ہین اسی قدر خدا خوش ہوتا ہے۔ مہینون کھانا چھوڑ دینا۔ ایک پاؤن پر رات رات بھر کھڑا رہنا۔ ہاتھ کو ہوا مین معلق رکھکر خشک کر دینا، جاڑون مین برہنہ آسمان کے نیچے سونا۔ چالیس چالیس دن کا چلہ کھینچنا۔ شادی نہ کرنا، تمام عمر جوگی پن اور رہبانیت مین بسر کرنا۔ اس قسم کی جو باتین ہندوؤن، عیسائیون، اور دیگر مذاہب مین پائی جاتی ہین، سب کی بنیاد اسی خیال پر ہے۔

اس خیال نے یہان تک ترقی کی کہ جان کی قربانی تک نوبت آئی بہت سے لوگ خود اپنے آپ کو بل چڑھادیتے تھے، ان سے گھٹ کر اولاد کی قربانی کرتے تھے،

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دل مین جو خیال یا خیالات آسکتے ہین وہ صرف وہی ہوتے ہین جو گردوپیش کی چیزون سے پیدا ہو سکتے ہین۔ انسان کسی ایسی چیز کا خیال نہین کرسکتا جو اُسکے حواس سے بالاتر ہو، اُسے جو کچھ دیکھایا سنا ہے، اُسی کو بڑھاکر گھٹا کر، بگاڑ کر، یا ترقی دے کر ظاہر کرتا ہے، لیکن کوئی خیال خود پیدا نہین کرسکتا

انسان کے دل مین جب خدا کا خیال ایک شاہنشاہ مطلق کی حیثیت سے آیا، تو ضرور تھا کہ اُسکے صفات بھی اُسی شاہنشاہی رتبہ کی حیثیت سے ذہن مین آئین، انسان نے شاہون، اور شہنشاہون، کے متعلق جو کچھ دیکھایا سنا تھا یہی تھا کہ وہ اظہار اطاعت سے خوش ہوتے ہین، جان نثاری، ادب، عاجزی خشوع اور تعظیم کو پسند کرتے ہین، اور جو شخص جسقدر زیادہ ان خدمات کو بجالاتا ہے وہ انعام سلطانی کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوتا ہی انھی خیالات کے لحاظ سے انسان کو خدا کی عبادت کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ہر مذہب مین عبادت کے جس قدر اقسام ہین سب مین انھی اصول کا عنصر پایا جاتا ہے، یہی بات ہے جس کی بنا پر یورپ کے ملاحدہ کہتے ہین کہ مذہبی خیالات، خود انسان نے اپنے حالات کے اقتضا سے پیدا کر لئے ہین، یورپ مین حکماے حال نے جب فطری مذہب کے اصول و فروع منضبط کیے تو عبادت کی حقیقت پر غور کی چنانچہ انھون نے اسکے لئے یہ اصول قرار دئے

(۱) انسان کے جس قدر فرائض زندگی ہین مثلاً کسب معاش، پرورش اولاد محبت وطن، وغیرہ وغیرہ ان سب کو عبادات مین شمار کیا جائے

(۲) عبادات جسمانی مثلاً نماز روزہ وغیرہ مقصود بالذات نہ قرار دیے جائین، بلکہ غرض یہ ہو کہ انپر کوئی اخلاقی نتیجہ مترتب ہو

(۳) اعتدال کی حد سے متجاوز نہ ہون

(۴) یہ قرار دیا جائے کہ خدا کو عبادت سے کچھ غرض نہین عبادت سے خود ہمارا فائدہ ہے

یہ وہ اصول ہین جو اس زمانہ ترقی مین یورپ نے دریافت کیے جب کہ فطرت کے رازہاے سربستہ کا طلسم کھل گیا ہے لیکن قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے یہ اسرار بتادئے تھے، سب سے پہلے یہ بتایا کہ خدا کو بندون کی عبادت کی کچھ پروا نہین

مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ جو شخص محنت اُٹھاتا ہے تو اپنے لئے اُٹھاتا ہے۔ خدا

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ تمام عالم سے بے نیاز ہے

پھر کلّی طور سے بتایا کہ عبادات سے خود انسان کو فائدہ پہونچتا ہے، اور خدا نے جو عبادت کا حکم دیا ہے خود انسان کے فوائد کے لحاظ سے دیا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا جو شخص اچھا عمل کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے اور جو برا کرتا ہے تو اپنے لئے

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ خدا یہ نہین چاہتا کہ دین مین تمھارے اوپر کچھ دقت پیدا

وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ کرے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تمکو پاک کرے اور تمپر اپنی نعمت کو تمام کرے

۱؎ پروفیسر ژول سیمان (تطبیق صفحہ ۳۰)

پھر عبادت مین سے ایک ایک عبادت کے الگ الگ نتائج اور فائدے بیان کئے

نماز کی نسبت کہا

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ	نماز فحش اور لغویات سے روکتی ہے

روزہ کی نسبت فرمایا

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ	غالبًا تم پرہیزگار ہو جاؤ گے

حج کی نسبت فرمایا

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (حج)	تاکہ اپنے فائدہ کی جگہ آئین

زکوٰۃ کے فوائد محتاج بیان نہین

ان باتون کے ساتھ تمام عبادات مین اس بات کو ملحوظ رکھا کہ اعتدال سے تجاوز نہ کرنے پائین اور اُنکے ادا مین کسی قسم کی دقت اور دشواری نہ پیش آنے

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ	خدا تم سے آسانی چاہتا ہے نہ دشواری
مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ	خدا یہ نہین چاہتا کہ مذہب مین تم پر کسی قسم کی دقت واقع ہو
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ	خدا چاہتا ہے کہ تمھارا بوجھ ہلکا کر دے
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا	خدا کسی کو اُسکی سکت سے زیادہ تکلیف نہین دیتا

ان سب باتون سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے تمام ضروریات زندگی کو عبادت قرار دیا اور اُنکی ادا اور بجا لانے کی تاکید کی

تجارت کے متعلق فرمایا

فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ	دنیا مین پھیل جاؤ اور خدا کے عطیہ (رزق) کو ڈھونڈھو۔

اولاد کی خواہش کو صلحا و مقربین کے خصائص مین شمار کیا قرآن مجید مین جہان خواص امت کے اوصاف گنائے ایک وصف یہ بیان کیا

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ | اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہین کہ اے خدا ہماری بیویون کی اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھین ٹھنڈی کر

اسی بنا پر تمام صحابہ جو اسلام کی اصلی تصویر تھے زندگی کے ضروریات کو سچائی اور دیانت داری سے انجام دینا عبادت سمجھتے تھے، آج بھی مسلمانون کا خیال ہے کہ صحابہ کا چلنا پھرنا۔ کھانا پینا۔ نکاح کرنا۔ خانہ داری کے کامون کو انجام دینا، سب عبادت تھا لیکن صحابہ کی تخصیص نہین، ہر شخص کے یہ افعال عبادت ہین، بشرطیکہ اسی طرح کئے جائین جس طرح صحابہ کرتے تھے،

حقوق انسانی

حقوق انسانی - انسان کو مختلف طبقات انسان سے جو تعلقات ہین وہ انسان پر مختلف حقوق پیدا کرتے ہین، اور یہی حقوق، علم الاخلاق اور قانون، بلکہ اصول تمدن کی بنیاد ہین - دنیا مین جسقدر مذاہب ہین، سب نے کم و بیش ان حقوق سے اُس حد تک بحث کی ہے جہان تک وہ اخلاق کے دائرہ مین آسکتے ہین بعض مذاہب نے زیادہ وسعت حاصل کی اور نکاح و وراثت و وصیت وغیرہ کو بھی اپنے دائرہ مین داخل کر لیا ہے لیکن یہ تعلقات ایسے شبتہ نازک، اور دقیق ہین کہ اُن کے متعین کرنے مین اور پھر اُن سے جو حقوق پیدا ہوتے ہین اُن کے قرار دینے مین اکثر غلطیان واقع ہوتی ہین ان تمام مسائل مین اسلامی شریعت مین جو نکتہ سنجی پائی جاتی ہے، اسکی نظیر بانیان مذہب

اور حکما کسی کے ہان نہین مل سکتی، اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ شارع اسلام نے جو کچھ کہا وہ الہام اور وحی تھا ورنہ یہ کیون کر ممکن تھا کہ جن نکتون تک بڑے بڑے حکما کی بھی رسائی نہ ہوسکی، وہ ریگستانِ عرب کے ایک اُمّی کی زبان سے ظاہر ہوتے

حقوق انسانی کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو خود اپنے آپ پر کیا حق حاصل ہے؟ جہان تک تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تمام دنیا مین یہ مسئلہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ ہر شخص اپنے نفس کا آپ مالک ہے، اسی بنا پر خودکشی کرنا کوئی جرم نہین خیال کیا جاتا تھا یونان کے بڑے بڑے حکما خودکشی کو جائز سمجھتے تھے یہان تک کہ وہان کے بعض نامور حکما نے اپنے تئین آپ ہلاک کر لیا تھا؛

خودکشی کا مسئلہ

سب سے پہلے قرآن مجید نے اس نکتہ کو ظاہر کیا اور اسی بنا پر خودکشی کی ممانعت کی

وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ۔ | اپنے آپ کو قتل نہ کرو

اسلام نے خودکشی کو مٹا دیا

اس مسئلہ نے اولاد کے حقوق پر بڑا اثر کیا تھا، انسان، اولاد کو درحقیقت اپنا ہی ایک دوسرا وجود خیال کرتا ہے، اسی بنا پر اولاد کو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے اور چونکہ انسان اپنے نفس کا آپ مالک ہے اسلیے جس قسم کا اختیار اس کو اپنی ذات پر ہے اولاد کی نسبت بھی خیال کرتا ہے، اسی بنا پر مختلف شکلون مین قتل اولاد کی بنیاد قائم ہو گئی تھی، ہندوستان اور کالڈیا مین عین تہذیب و تمدن کے زمانہ مین بھی، اولاد کو بتون اور دیویون پر نذر چڑھاتے تھے، ہندوستان اور خود عرب مین نہایت کثرت سے دخترکشی جاری تھی، اسپارٹا اور روم مین بدصورت اولاد کو راستہ پر پھینک دیتے تھے، ارسطو اور افلاطون جیسے نامور حکیم

تمام دنیا مین قتل اولاد کشی کسی صورت مین تاریخ اور جائز تھا

اس بات کو جائز رکھتے تھے، کہ ضعیف اولاد ضایع کر دی جائے، ارسطو کی رائے بھی کہ لنگڑے لڑکے پرورش کے قابل نہین، اسپارٹا مین جب لڑکا پیدا ہوتا تھا، تو بزرگان قوم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، اگر وہ تندرست ہوتا تھا تو زندہ رکھا جاتا تھا ورنہ تائیجٹس پہاڑ پر سے اسکو گرا دیتے تھے۔ اور بہت سی قومون مین اس قسم کا رواج پایا جاتا۔ سب سے پہلے قرآن مجید نے اس جور و ظلم کو مٹایا

اسلام نے قتل اولاد کو مٹایا

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ — اپنی اولاد کو قتل نہ کرو

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ — اور اسی طرح اُن کے شرکیون نے، اولاد کے قتل کرنیکو اُن کی نظر مین اچھا دکھلایا

عورتون کے حقوق۔ عورت جو نوع انسانی کا نصف حصہ ہے، اُسکے حقوق کی نسبت دنیا کے مختلف حصون مین سیکڑون ہزارون قانون بنے لیکن عجیب بات یہ ہی کہ اُس وقت تک اس فرقہ نے اپنے حقوق کی دوا نہ پائی جب تک اسلام دنیا پر سایہ افگن نہ ہوا،

دنیا کے مختلف ممالک کو، فطرت نے خاص خاص خصوصیتون مین ممتاز پیدا کیا تھا ان مین رومن کو قانون سے خاص مناسبت تھی جس طرح یونان کا فلسفہ، اٹلی کی مصوری، ایران کی نفاست پسندی شہرت عام رکھتی تھی۔ اسی طرح رومن کا قانون، تمام دنیا مین، اعلی اور افضل تسلیم کیا جاتا تھا۔ رومن کے قانون آج بھی تمام یورپ کے قوانین کا سنگ بنیاد ہین، اس اعلی ترین قانون مین عورتون کے جو حقوق تھے وہ یہ تھے عورت شادی کے بعد، شوہر کی زرخرید جایداد ہو جاتی تھی اسکا تمام مال و متاع خود بخود شوہر کی

ملک ہوجاتا تھا۔ وہ جو کچھ زر و مال پیدا کرتی تھی سب شوہر کا مملوکہ ہوجاتا تھا، وہ کوئی عہدہ نہین پاسکتی تھی، وہ کسی کی ضامن نہین ہوسکتی تھی، وہ ادائے شہادت کے قابل نہ تھی وہ کسی سے کوئی معاہدہ نہین کرسکتی تھی یہانتک کہ مرنے کے وقت کوئی وصیت بھی نہین کرسکتی تھی

عورتونکے حقوق

رومن سلطنت نے جب عیسائی مذہب قبول کیا تو کچھ کچھ اصلاحین ہوئین لیکن وہ اصلاحین محض وقتی تھین یعنی چند روز کے بعد پھر وہی پرانے اصول قائم ہوجاتے تھے

۵۸۶ء مین ایک بہت بڑا جلسہ یورپ مین اس مسئلہ کے طے کرنے کے لیے منعقد ہوا کہ عورت کی روح ہے یا نہین. جلسہ نے بڑی فیاضی سے کام لیکر اس قدر تسلیم کیا کہ عورت، نوع آدم مین داخل ہے اور اسلیئے ذی روح بھی ہے لیکن اسکے پیدا کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ مرد کی خدمت کرے ؎

رومن لا

انگلستان مین ایک مدت تک اسی قسم کے قوانین جاری رہے یعنی نکاح کے بعد عورت کا وجود شوہر کا وجود ہوتا تھا وہ خود کسی قسم کا معاہدہ نہین کرسکتی تھی۔ اس کی تمام جائداد شوہر کی ملک ہوجاتی تھی، اور وہ اسکو جس طرح چاہتا صرف کرسکتا تھا، تیس برس سے کم ہوے کہ وومن ایکٹ بنا جس سے ان قوانین مین اصلاح ہوئی تاہم بہت سی بےاعتدالیان ابتک قائم ہین،

یہودیون کے ہان نکاح درحقیقت عورت کا خرید لینا تھا اور اُس کی قیمت عورت کے باپ کو ملتی تھی۔

؎ برٹانیکا انسائیکلوپیڈیا۔ لفظ وومن (عورت)

ہندوؤن کے ہان، بعینہ رومن کے سے قواعد تھے، یعنی اُس کی جائداد، شوہر کو ملجاتی تھی وہ کسی قسم کی خود مختارانہ معاملہ و معاہدہ کی مجاز نہ تھی، بیوی۔ لڑکی۔ مان وغیرہ کو میراث کا کوئی حصّہ (بجز حق پرورش کے) نہین ملتا تھا،

عرب جو اسلام کا سرچشمہ ہے وہان یہ حالت تھی کہ عورت کو وراثت کا مطلقاً کوئی حصّہ نہین پہنچتا تھا۔ باپ مرتا تھا تو اُسکی بیویان، بیٹے کو وراثت مین ملتی تھین اور وہ اُن کو اپنی بیویان بنا لیتا تھا، نکاح کے چار طریقے تھے، جن مین سے تین طریقے حسب ذیل تھے دو شخص اپنی بیویون کو مدت معین کے لئے آپسمین بدل لیتے تھے، چند آدمی ایک عورت کے ساتھ مباشرت کرتے تھے، اور دوسرے تیسرے دن وہ عورت اُنمین سے کسی کے پاس کہلا بھیجتی تھی کہ تم سے مجکو حمل رہ گیا ہے۔ پھر وہ اُس کی اولاد قرار پاتی تھی۔ چند آدمی ایک عورت کے ساتھ ہم صحبت ہوتے تھے، اور جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو قیافہ شناس یہ فیصلہ کرتا تھا کہ فلان شخص کا نطفہ ہے چنانچہ وہ اُس کی اولاد قرار پاتا تھا چنانچہ نکاح کی یہ تینون صورتین صحیح بخاری مین حضرت عائشہ رضؓ کی روایت سے مذکور ہین۔

اب دیکھو، قرآن مجید نے عورتون کے حق مین کیا کیا؟ لیکن اسکے بتانے کے قبل اس امر کا ذکر ناضرور ہے، کہ یورپ کے اکثر مصنفون کا دعوی ہے کہ جو اسلام مین جسقدر احکام اور مسائل ہین وہ سب دوسرے مذاہب کی نقل ہین، شارع اسلام نے اپنی طرف سے خود کوئی نیا مسئلہ اضافہ نہین کیا، عورتون کے متعلق عیسائیون۔ یہودیون، ہندوؤن کے ہان جو قواعد تھے وہ تم پڑھ چکے، اب خیال کرو، کہ اسلام نے اُنکی نقل کی ہے یا خود ایسے

فلسفیانہ اصول اور مسائل قائم کیے جن کی طرف کبھی کسی کا خیال بھی نہین پہنچا تھا،
سب سے پہلے قرآن مجید نے یہ بتایا کہ عورت و مرد مین کس قسم کا فطری تعلق ہے، اور
یہ کہ عورت، انسانی معاشرت کی جزو اعظم اور مرد کی راحت و تسلی ہے

وَخَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً (ر دم)	اور تمھارے لیے خود تمھاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم اون کے پاس آرام پاؤ اور تم دونون مین محبت اور پیار پیدا کیا

پھر مختلف پیرایون مین یہ ظاہر کیا کہ مرد، عورت، برابر درجہ کے دو رفیق ہین، دونون ایک دوسرے
کے محتاج الیہ ہین، دونون کے تعلقات۔ دونون کی حیثیت۔ دونون کے حقوق
برابر درجہ کے ہین

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ)	عورتین تمھارا لباس ہین اور تم اُنکا
لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	عورتون پر مردون کے جو حقوق ہین اُسی قسم کے اُنکے حقوق مردون پر

قرابت کے تعلقات کے جو مدارج ہین، ان مین مرد عورت، ایک درجہ پر ہین مثلاً
مان۔ باپ۔ کا ایک درجہ ہے، بہن بھائی کی ایک حیثیت ہے چچا اور پھوپی کا یکسان مرتبہ
ہے، قرآن مجید مین باپ مان کا جہان ذکر ہے برابر درجہ کی حیثیت سے ہے

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا	اور مان باپ سے نیکی کرنا۔ اور جو کوئی ان دونون مین سے بڈھا ہو جائے تو نہ جھڑک اُن کو اور نہ ڈانٹ بتا۔ اور اُنسے ادب کی بات کر۔ اور اُن کے آگے پیار سے عاجزی کے کندھے جھکا اور کہہ کہ اے خدا ان پر رحمت کر

كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا | جس طرح دونون نے مجکو بچپن مین پالا

مان کے حقوق کو زور دیکر بیان کیا

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا (احقاف) | مان نے اسکو پیٹ مین تکلیف کیساتھ رکھا اور تکلیف سے جنا

رومیون اور ہندؤن کے اس قانون کے مقابلہ مین کہ عورت، کا مال ومتاع سب شوہر کا ہوجاتا ہے۔ قرآن نے یہ کہا

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ | مرد جو کمائین وہ انکا ہے، اور عورتین جو کمائین وہ انکا

ہندؤن مین، اور خود عرب جاہلیت مین عورت جو میراث سے بالکل محروم رہتی تھی اُسکے مقابلہ مین یہ کہا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ | باپ مان، اور رشتہ دارون کی وراثت مین۔ مردون کا حصہ ہے اور (اسیطرح) باپ مان، اور رشتہ دارونکی وراثت مین عورتونکا حصہ ہے

دختر کشی کے رسم کو ان لفظون سے مٹایا اور اس طرح مٹایا کہ تیرہ سو برس سے آج تک، مسلمانون مین ایک واقعہ بھی وجود مین نہ آیا۔

وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ | اور جب کہ مؤدۃ (زندہ دفن کی ہوئی لڑکی) سے قیامت مین سوال ہوگا کہ کس جرم پر وہ قتل کی گئی تہی،

جاہلیت مین دستور تھا، کہ جب کوئی شخص مرجاتا تھا تو اسکے بھائی زبردستی اس کی بیوہ سے نکاح کرلیتے تھے، یا اس کو نکاح سے باز رکھتے تھے، اور جب اُس سے کچھ رقم وصول کرلیتے تھے تب شادی کی اجازت دیتے تھے ان رسمون کو یہ کہکر مٹایا۔

لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَّلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	تم کو یہ جائز نہین کہ زبردستی عورتون کو وراثت مین لے لو- اور نہ یہ کہ انکو روکے رکھو تاکہ جو کچھ انکو مل چکا ہو اس مین سے کچھ لے لو

مہر جو لڑکی کے باپ کو ملتا تھا اور جس کے عوض وہ گویا لڑکی کو فروخت کر دیتا تھا اس کے بجائے یہ کہا

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (نساء) | اور دو عورتون کو اُن کے مہر خوشی سے

روزانہ معاشرت مین عورتون کے ساتھ جس لطف، محبت، یگانگیت، مساوات کے ساتھ پیش آنا چاہیے اُس کو ان جامع الفاظ مین ادا کیا

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ | اور معاشرت کرو عورتون سے بطرز معقول

زن و شوہر کے تعلقات مین سب سے اہم اور نازک مسئلہ طلاق کا مسئلہ ہے اس بحث کے نازک اور مشکل ہونے کا یہ اثر تھا کہ باوجودیکہ دنیا کی تمام قومون نے اس کے متعلق مختلف پہلو اختیار کیے لیکن سب کے سب غلط تھے اور آج بھی جب کہ دنیا- اس قدر ترقی کر گئی ہے، یہ غلطیان قائم ہین- عیسائیون مین اس قدر سختی ہے کہ زنا کے سوا کسی حالت مین طلاق ہو ہی نہین سکتی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کل یورپ مین جو تہذیب و تمدن کا مرکز ہے اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ نہایت سخت ناگوار اور پرفضیحت واقعات پیش آتے رہتے ہین، سیکڑون زن و شوہر جن مین حد درجہ کی سوء مزاجی اور نا اتفاقی ہے، ناموافقت نے دونون کا عیش تلخ کر دیا ہے، ملنا جلنا بالکل بند ہے، ازدواج کے جو فوائد اور مقاصد ہین وہ بالکل معدوم ہین، سالہا سال اسی کوفت مین بسر ہوتے ہین لیکن اس مصیبت سے چھوٹ نہی

صرف یہ تدبیر ہے کہ زنا کا واقعہ ثابت کیا جائے، بڑے بڑے اکابر اور اعیان سلطنت عدالتون مین اپنی بیویون کی زناکاری کا دعویٰ کرتے ہین اور سیکڑون ہزارون آدمیونکے مجمع مین اس شرمناک واقعہ کی شہادت پیش کرتے ہین، مدتون یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس کے متعلق جو کاغذات مرتب ہوتے ہین، وہ ہر قسم کی فضیحتی۔ رسوائی۔ بے شرمی۔ اور بے حیائی کا انبار ہوتے ہین لیکن یہ سب اس لئے گوارا کرنا پڑتا ہے کہ ان بیچارون کے بغیر عورت کے پنجہ سے رہائی نہین ہوسکتی۔ ہندو قانون بھی اس باب مین عیسائیون ہی کے مشابہ ہے

دوسری طرف یہودی ہین جن کے ہان بات بات پر طلاق جائز بلکہ مستحسن ہے کھانے مین نمک تیز ہوجائے یا اپنی بیوی سے زیادہ خوبصورت عورت ہاتھ آجائے تو بے تکلف طلاق دی جاسکتی ہے۔ اب دیکھو، اسلام نے اس نازک اور دقیق مسئلہ کو کیونکر حل کیا قران مجید نے پہلے مختلف پیرایون مین یہ تلقین کی کہ مرد و عورت کا تعلق، نفس پرستی اور رفع شہوت کے لئے نہین ہے بلکہ حسن معاشرت اور پایدار ربط والفت کیلئے ہے

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ	قید مین رہنے کو نہ مستی نکالنے کو
وَخَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً	اور تمھاری جنس سے تمھارے لئے بیویان پیدا کین تاکہ تم تسکین پاؤ اُنسے اور تم دونون مین پیار اور محبت پیدا کی۔

اب فرض کرو کہ کسی مرد کو عورت ناپسند آئے اور وہ اس سے قطع تعلق کرنا چاہے تو اس صورت مین اسلام نے تاکید کی کہ مرد کو تحمل اور صبر سے کام لینا چاہیے۔

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (نساء)	تو اگر تم ان کو ناپسند کرو، تو یہ ہوسکتا ہے کہ تمکو ایک چیز ناپسند ہو اور خدا اس میں بہت کچھ بھلائی پیدا کرے

یہی تلقین عورت کو بھی کی

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء)	اور اگر کسی عورت کو اپنی شوہر کیطرف سے ناراضی یا بیرخی کا ڈر ہو تو ان میں کچھ مضائقہ نہیں کہ دونوں صلح کرلیں اور صلح اچھی چیز ہے

پھر عورت کی بدخوئی اور بدمزاجی کے رفع کرنے کی تدبیرین بتائین کیونکہ بدمزاجی کو ہمیشہ برداشت کرتے رہنا حقیقت مین تکلیف مالایطاق ہے

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا	اور جن عورتون کی نافرمانی کا تمکو خوف ہو تو اُن کو نصیحت کرو اور اُنکو چھوڑدو انکی خوابگاہ مین۔ اور انکو مارو خفیفطور پر پھر وہ اگر کہا مانلین۔ تو انکے خلاف حیلے نہ ڈھونڈھو۔

اسپر بھی اگر اتفاق اور آشتی ممکن نہو تو اس صورت مین قبل اسکے کہ خود مرد اور عورت، کوئی فیصلہ کرین، اس بات کا حکم دیا کہ قوم کو اس معاملہ مین مداخلت کرنی چاہیے کیونکہ اس قسم کے معاملات مین، جو تمدن اور معاشرت انسانی سے تعلق رکھتے ہین، ہر شخص مجموعۂ قومی کا ایک جزو ہے اور اس کے افعال اور اعمال کا اثر تمام قوم پر پڑتا ہے اس لئے پبلک اور قوم کو اس مین مداخلت کا حکم دیا اور فرمایا

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا	اور اگر تمکو خوف ہو کہ آپسمین ناراضی ہوجائیگی تو ایک پنچ مرد کے گھرانے سے۔ اور ایک عورت کے گھرانے سے مقرر کرو

یہ تدبیر بھی اگر کارگر نہ ہوئی اور مرد نے قطعی ارادہ کرلیا کہ طلاق دے گا، تو اس ناگزیر صورت مین اسلام نے **طلاق** کی اجازت دی، لیکن اسکے ساتھ کس قدر مختلف باتون کا لحاظ رکھا

سب سے پہلے یہ کہ طلاق کا یہ طریقہ بتایا کہ تین مہینے مین بتدریج طلاق دی جائے یعنی ہر مہینہ مین ایک طلاق، (اصطلاح مین اس فاصلہ کو عدت کہتے ہین) یہ فاصلہ اس غرض سے مقرر کیا کہ شاید اس اثنا مین سوچ سمجھکر، مرد اپنی راے سے باز آجائے

اس کے ساتھ پھر فرمایا

وَبُعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا (بقرہ رکوع ۲۸)	اور اُن کے خاوندون کو زیادہ حق ہے کہ واپس لے لین، اگر چاہین صلح کرنی

پھر یہ قاعدہ مقرر کیا کہ

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ	پھر اگر مرد نے طلاق دیدی تو اب وہ عورت، اسکیلیے کبھی جائز نہ ہوگی جبتک وہ دوسرا نکاح نکرے (اور شوہر ثانی بھی اُسکو طلاق نہ دیدے)

اس قید کے لگانے سے یہ غرض ہے کہ مرد کو یہ خیال پیدا ہو کہ اگر مین نے طلاق دیدی اور آیندہ چل کر، میری طبیعت اتفاقاً پھر اُس کی طرف مائل ہوئی تو اب اُس کے ہاتھ آنے کی کوئی صورت نہ رہے گی، بجز اس کے کہ وہ دوسرے کے تصرف مین رہکر آئے اور یہ ظاہر ہے کہ اس عار کو کون گوارا کریگا ع **عقیق کندہ نام دگر چہ کار آید**

اسکے ساتھ یہ قرار دیا کہ طلاق دینا کوئی خانگی معاملہ نہین، بلکہ اُس کو قوم کے سامنے ظاہر کرنا اور شہادت دلوانا پڑے گا

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ

پھر جب وہ پہنچین اپنے عدت کو۔ تو یا رکھ لو انکو معقول طریقہ پر۔ یا چھوڑ دو معقول طریقہ پر، اور گواہ مقرر کر لو اپنے معتبر آدمی۔ اور ٹھیک گواہی دو خدا کے لئے

اس سے یہ غرض ہے کہ طلاق جب ایک پبلک معاملہ قرار پائیگا اور اس کے ثبوت کے لئے گواہ اور شاہد مقرر کرنے ہونگے تو غیر متند آدمی بمشکل سے طلاق پر آمادہ ہوگا

ان تمام باتون کے ساتھ مرد نے طلاق دے ہی دی تو اس صورت مین قواعد ذیل کی پابندی ضروری قرار دی

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ (سورہ طلاق) اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ۔ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰى یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ

عدت کے زمانہ مین عورتون کو اُن کے گھرون سے نہ نکالو۔ انکو رہنے کا مکان دو جہان تم خود رہتے ہو اپنی مقدور کے موافق، اور ان کو نقصان نہ پہنچاؤ دق کرنے کو۔ اور اگر وہ حاملہ ہون تو بچہ جننے تک اُنکا نان و نفقہ دو۔ اور اگر وہ دودھ پلائین تمھاری خاطر تو ان کو اجرت دو۔ اور آپسمین نیکی کے ساتھ معاملہ کرو۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ

اور مطلقہ عورتون کو دستور کے موافق کھانا کپڑا ہی حق ہے پرہیزگارون پر

اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ طلاق دیکر، عورت کو محبوس رکھتے تھے، اور اُس کو نکاح ثانی کرنے نہین دیتے تھے جس سے کبھی تو خواہ مخواہ عورت کو ستانا منظور ہوتا تھا کبھی یہ مقصد ہوتا تھا کہ اس کو دق کر کے مہر معاف کرالین، یا کوئی حصہ چھڑوالین، کبھی صرف اس خیال سے

روکتے تھے کہ اپنی بیوی کا دوسرے کے نکاح مین آنا عار خیال کیاجاتا تھا۔ ان باتون کی اس طرح اصلاح کی۔

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (بقرہ)	اور ان کو اس غرض سے روک نہ رکھو کہ ان پر ظلم کرو۔ اور جو شخص ایسا کرے گا تو اپنے نفس پر ظلم کرے گا
فَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ (بقرہ)	پھر جب تم عورتون کو طلاق دو اور انکی عدت پوری ہو جائے تو اب تم انکو نہ روکو وہ اپنے (آیندہ) شوہرون سے شادی کرلین

اگر مطلقہ عورت کو حمل ہے، تو بچہ جننے کے دو برس بعد تک، مرد کو اسکا کھانا کپڑا دینا پڑیگا

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (بقرہ)	اور مائین اپنے بچون کو پورے دو برس تک دودھ پلائین۔ جو شخص یہ چاہے کہ پوری مدت تک دودھ پلوائے اور مرد پر انکا کھانا اور کپڑا ہے دستور کے موافق۔

اکثر یہ ہوتا تھا کہ نکاح کے وقت مہر بہ تعداد کثیر باندھتے تھے لیکن جب طلاق دیتے تھے تو مہر کا دینا گران گذرتا تھا، اس لیے مختلف تدبیرون سے عورت پر زور ڈال کر مہر کو گھٹاتے تھے، اس کے لیے فرمایا۔

وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ	اور اگر تم چاہو ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنی، اور دے چکے ایک کو (یعنی پہلی بیوی کو) خزانہ تو اب اُس سے کچھ واپس نہ لو، کیا تم لینا چاہتے ہو ناحق اور صریح گناہ سے، اور کیونکر لے سکتے ہو حالانکہ ایک دوسرے تک پہنچ چکا یعنی

وَقَدْ اَفْضٰی بَعْضُکُمْ اِلٰی بَعْضٍ ۔ | زناشوئی کے تعلقات وقوع مین آچکے)

ان تمام احکام کا ماحصل یہ ہے کہ مرد نہایت سخت مجبوریون سے اگر عورت کو طلاق دے تو تین مہینے کی مدت مین بہ تدریج ایک ایک طلاق دے، طلاق کے بعد عدت کے زمانہ تک جسکی تعداد تین مہینے ہے، اس کے مصارف کا بار شوہر کے ذمہ ہوگا اس مدت مین عورت کو کافی موقع ملیگا کہ اپنے لئے نیا شوہر ڈھونڈھے، اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل، اور اس کے بعد دو برس تک اور عورت کے مصارف شوہر کے ذمہ ہونگے، اس کے علاوہ مہر جو مقرر ہوا تھا وہ کل کا کل ہاتھ آئے گا اور عورت کو تنگدستی کے ہاتھون تکلیف نہ اٹھانی پڑیگی

کیا اس سے زیادہ، کوئی حکیم، اور کوئی مقنن، عورتون کے لئے عمدہ قانون بنا سکتا ہے؟ اور کیا اسلام کے سوا، دنیا کے کسی اور مذہب مین، اس رحم اور مراعات کی نظیر ملسکتی ہے؟[١]

وراثت منجملہ ان قوانین کے جن مین، دنیا کی قومین ہمیشہ مختلف الآرا رہی ہین اور آج بھی ہین یہ مسئلہ بھی ہے، عیسائیون مین صرف اولاد اکبر جائداد غیر منقولہ کی وارث ہوتی ہے باقی اولاد وراثت
کو گذارہ ملتا ہے، اولاد کے سوا باقی رشتہ دار بالکل محروم رہتے ہین۔

ہندون مین کل اولاد ذکور وارث ہوتی ہے لیکن اولاد ذکور کے سوا، اور قرابت دارون کو کچھ نہین ملتا۔ لڑکیون کو صرف نان ونفقہ ملتا ہے

عرب مین، عورتون کو مطلق وراثت نہین پہونچتی تھی، بلکہ جہان تک معلوم ہے،

[١] اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ یہ تمام احکام وہ ہین جو قرآن مجید اور احادیث کے رو سے ثابت ہین

اولاد ذکور کے سوا- باپ بھائی- مان بہن وغیرہ کو وراثت مین سے کچھ حصہ نہین ملتا تھا-

یورپ آج کل اسقدر تہذیب وتمدن مین ترقی کرگیا ہے لیکن وراثت کا اب تک وہی قاعدہ ہی کہ صرف اولاد اکبر وارث ہوتی ہے

اب غور کرو کہ تمدن اور اصول فطرت کے لحاظ سے وراثت کے کیا اصول ہونے چاہئین، اس بحث کا مدار دو سوالون پر ہے، ایک یہ کہ دولت کا زیادہ افراد مین منقسم ہونا اور پھیلنا بہتر ہے یا ایک دو فرد مین محدود رہنا، دوسرے یہ کہ کسی شخص کے مرجانے پر اسکی جائداد اس کے عزیزون کو کیون ملتی ہے،

وراثت کس اصول پر مبنی ہے

علم تمدن کے اساتذہ نے یہ طے کردیا ہے کہ دولت کی مقدار جسقدر زیادہ افراد مین تقسیم ہوکر پھیلے اسی قدر زیادہ مفید ہے- متمدن اور وحشی ممالک مین یہی چیز ممیز اور فارق ہے- شخصی سلطنتون مین عموماً یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ بادشاہ اور اُسکے ارکان ومقربین دولتمند ہوتے ہین، باقی تمام لوگ عموماً نادار اور کم مایہ ہوتے ہین بخلاف اس کے شایستہ ممالک مین، بادشاہ سے لیکر انفار کے طبقہ تک، دولت درجہ بدرجہ علی قدر المراتب اترتی آتی ہے-

اس اصول کا لحاظ- صرف اسلام کے قواعد وراثت مین پایا جاتا ہے، اسلامی قانون کے مطابق میت کے تمام رشتہ دار وقریب، درجہ بدرجہ وراثت سے متمتع ہوتے ہین، مان باپ چچا- دادا- بھائی- بہن- پھوپھی- خالہ- ماموں وغیرہ سب، وراثت مین کچھ نہ کچھ حصہ رکھتے ہین وراثت کا اصلی اصول میت کا تعلق اور قرابت ہے یعنی جن لوگون کو میت سے

اسلامی قواعد وراثت تمام تر اصول عقلیہ پر مبنی ہین

میت سے تعلق تھا، اور جو لوگ میت کے شریک رنج و راحت اور اُس کے اعضا و جوارح تھے، ان کو میت کی جائداد مین سے حصہ ملنا چاہیے۔ اس اصول کے موافق یہ نہایت تنگدلی ہے کہ صرف ایک قسم کے رشتہ دار، وراثت کے لیے خاص کر دیے جائین، بے شبہہ رشتہ دارون کے مراتب متفاوت ہین، اور فرق مراتب کا لحاظ ضرور ہے لیکن یہ صریح ظلم اور ناانصافی ہے کہ بجز ایک قسم کے رشتہ دار کے باقیون کو بالکل محروم کر دیا جائے، اور یورپ کا یہ قانون تو بالکل خلاف عقل ہے کہ صرف اولاد اکبر، وارث ہو، اولاد کو جو تعلق میت سے ہے وہ تمام اولاد کو یکسان حاصل ہے، باوجود اس کے صرف اکبر السن ہونے کی وجہ سے ایک کو ترجیح دینا اور باقیون کو بالکل محروم کر دینا بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔

اسلام نے نہایت دقیق اور نازک فرق مراتب کا لحاظ رکھا ہے، میت کو جن جن رشتہ دارون سے جس درجہ کا تعلق تھا، نہایت دقت نظر سے اُن کے مراتب متعین کیے اور اُسی نسبت سے، اُن کے مختلف اور کم و بیش حصے مقرر کیے

حقوق عامۂ ناس اسلام نے عام جماعت انسانی سے، نیکوکاری۔ خوش خُلقی۔ فیاضی رحمدلی۔ کے ساتھ پیش آنے کا حکم نہایت اصرار اور تاکید کے ساتھ دیا ہے، لیکن ہم اس موقع پر اُن کا ذکر نہین کرتے کیون کہ اخلاق حسنہ کی عام تعلیم، تمام مذاہب کا اصل اصول ہے اور اس مین کسی خاص مذہب کی خصوصیت نہین، البتہ جو چیز ترجیح اور تفوق کا معیار ہے وہ یہ ہے کہ اور مذاہب نے غیر مذہب والون یا غیر قومون کے ساتھ کس قسم کے

سلوک کی تعلیم کی ہے؟

دنیا مین بڑی بڑی قومین جو تمام دنیا پر چھا گئی تھین، ہندو ۔ پارسی ۔ عیسائی اور یہودی تھے ۔ ہندو مذہب نے ہندوستان کی تمام قومون کو جو آرین نہ تھین شودر کا لقب دیا اور باوجود اتحاد مذہب کے اُن کے لئے وہ قاعدے بنائے جس سے زیادہ محنت اور ذلت وہ قاعدے کسی کے خیال مین نہین آسکتے وہ ہر قسم کی عزت آزادی ۔ عہدہ اور اختیارات سے محروم کر دیے گئے انتہا یہ کہ اگر وید مقدس کی آواز، اتفاقیہ کسی شودر کے کان مین پڑ جائے تو اُس کے کان مین سیسہ پلا دینا چاہئے کیونکہ اُسکے ناپاک کان اس مقدس آواز کے بھی مستحق نہین ؎

قدیم عیسائیون کے عروج کا اصلی زمانہ، رومن امپائر کا زمانہ ہے ۔ یہ سلطنت ایک مدت دراز تک قائم رہی اور اس کو وہ سطوت و شان حاصل ہوئی کہ دنیا کے دور و دراز حصون مین ان کے نام سے لرزہ پڑ جاتا تھا لیکن یہ عظیم الشان حکومت کیا تھی؟ فرنچ کی انسائیکلوپیڈیا مین اُس کا خاکہ ان لفظون مین کھینچا ہے[۱]

"رومن کا نظام سلطنت کیا تھا، وہ بیرحمی، اور سفاکی جس نے قانون کا لباس پہن لیا تھا، اُسکے جو فضائل تھے یعنی شجاعت مکر ہیئت مینی ۔ ترتیب ۔ اتحاد باہمی، وہ بعینہ چورون اور ڈاکوؤن کے فضائل تھے ۔ اس کی وطنیت بالکل وحشیانہ تھی ۔ سنے انتہا حُب جاہ اجنبی قومون کے ساتھ کینہ پروری، رحمدلی کے احساس کا فنا ہو جانا ۔ ان چیزونکے سوا،

[۱] تطبیق صفحہ ۳۷

وہان اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ عظمت وشان جس چیز کا نام تھا وہ تیغبازی۔ دُرّہ زنی۔ قیدیان جنگ کو سزا دینا۔ بچون اور بوڑھون سے گاڑی کھچوانا تھا،،

یہودیون نے غیر قومون کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کے اندازہ کرنے کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ خود توراۃ مین مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ دشمنون کے ساٹھ ہزار آدمی جو گرفتار ہوے تھے، ان مین سے عورتین اور بچے بھی زندہ نہ رہنے پائین اور سب کے سب قتل کر دئے جائین،،

اب دیکھو اسلام نے کیا کیا؟

قوم اور نسل کی تمیز تو سرے سے اُٹھا دی، اسلام کا سرچشمہ عرب تھا لیکن اُس نے، پارسی ہندو۔ ترک۔ تاتار۔ حبشی۔ افغانی غرض تمام دنیا کی قومون کو اسلام قبول کرنے کے ساتھ، عرب کا ہمسر بنا دیا، یورپ آج اسقدر آزادی کا مدعی ہے لیکن غیر قومون کے ساتھ اس نے جو تفرقہ قائم رکھا ہے، اس کو کسی طرح وہ مٹا نہین سکتا۔ اگر کوئی شخص عیسائی ہو کر یورپ والون کا ہم مذہب ہو جائے، تو پیشوایان مذہب اس کو یہ تسلی دیتے ہین کہ وہ قیامت مین وہ اُن کا ہم رتبہ ہوگا، لیکن اس دارِ فانی مین جو حد فاصل قائم تھی وہ قائم رہے گی، برخلاف اس کے اسلام نے یہ کیا کہ غزنویہ۔ دیلمیہ۔ سلاجقہ۔ ترک۔ چراکہ وغیرہ کو جن مین عرب کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا، نوبت، نوبت، شاہنشاہیان بخش دین اور خود عرب کو اُن کا محکوم بنا دیا۔

اسلام نے غیر مذہب اور غیر قومون کو کیا حقوق دئے

مخالفین مذہب کی اسلام نے دو قسمین قرار دین،

(۱) ذمی اور معاہد یعنی وہ لوگ جو اسلام کی حکومت مین رہتے ہین یا جن سے صلح اور دوستی کا معاہدہ ہے

(۲) حربی یعنی جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہین ہے اور لڑائی اور مخاصمت قائم ہے یا قائم ہوسکتی ہے

ذمیون کو اسلام نے جان۔ مال۔ آزادی۔ عزت اور دیگر تمام حقوق کے لحاظ سے بالکل مسلمانون کا ہمسر بنادیا، لیکن چونکہ ہم نے اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام **حقوق الذمیین**[1] ہے اس لئے اس موقع پر ہم اسکی تفصیل نہین کرتے۔

حربیون کے ساتھ اسلام نے جس مراعات اور سلوک کا حکم دیا ہے وہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوگا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔

خدا کی راہ مین اُن لوگون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین اور اس حد سے آگے نہ بڑھو خدا حد سے بڑھ جانے والونکو پسند نہین کرتا

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ۔

اگر تم بدلہ لو تو اسی طرح لو جیسا تم سے لیا گیا، اور اگر صبر کرو تو صبر اچھا ہے۔ صبر کرنیوالون کے لئے

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا

کسی قوم کی دشمنی تمکو اس بات پر آمادہ نکرے کہ تم انصاف نکرو

قرآن مجید مین اس قسم کے بھی اکثر الفاظ آئے ہین کہ "کافرون کو جہان پاؤ قتل کرو"، "تمام کافرون سے لڑو"، "کافر خدا کے دشمن ہین"، ان آیتون سے بظاہر ثابت ہوتا ہے

[1] یہ رسالہ اور چند رسالونکے ساتھ چھپا ہے جسکا نام رسائل شبلی ہے اور مدرسۃ العلوم علی گڈھ سے مل سکتا ہے

کہ ہر مخالف مذہب سے دشمنی اور عداوت رکھنا مسلمانون کا فرض مذہبی ہے

اسی بنا پر بعض متعصب مسلمانون نے قرار دیا کہ پہلی قسم کی آیتین، منسوخ ہو گیئن، لیکن اس تناقض کو خدا نے خود رفع کر دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ	جو لوگ تم سے مذہبی لڑائی نہین لڑے اور تم کو تمہارے گھرون سے نہین نکالا۔ ان کی نسبت خدا تم کو اس بات سے منع نہین کرتا کہ تم اُن کے ساتھ بھلائی کرو، اور ان کے ساتھ انصاف کرو۔ خدا تو تم کو ان لوگون سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے۔ جو تم سے مذہبی لڑائی لڑے اور تم کو تمہارے گھرون سے نکالا۔ اور تمہارے نکالنے پر اعانت کی۔ اور جو لوگ ایسے لوگون سے دوستی کرتے ہین وہ ظالم ہین

ان آیتون سے صاف ظاہر ہے کہ بجز اُس صورت کے کہ مخالفینِ مذہب، مسلمانون سے مذہبی لڑائی لڑین اور اُن کو اُن کے ملک سے نکال دین یا نکال دینے پر اعانت کرین، اور کسی صورت مین، اُن سے دوستی رکھنا یا اُن کے ساتھ بھلائی کرنا ممنوع نہین۔ عیسائی اور بعض اور مذہبون مین بظاہر اس سے زیادہ فیاضانہ احکام نظر آتے ہین مثلاً انجیل مین ہے کہ "اگر تمہارے ایک گال پر کوئی شخص تھپڑ مارے تو تم دوسرا گال بھی پھیر دو کہ یہ بھی حاضر ہے"

لیکن یہ اُس قسم کی باتین ہین جو بظاہر نہایت خوشنما ہین لیکن واقع مین فضول ہین کیونکہ

فطرت انسانی کے خلاف ہین اور اس وجہ سے عملی صورت ہین کبھی ان کا ظہور نہین ہو سکتا اسلام کو جو تمام مذاہب پر ترجیح ہے وہ اسی بنا پر ہے کہ افراط و تفریط دونون سے الگ ہے اور اس کے جسقدر احکام ہین۔ تمام فطرت انسانی کے موافق ہین

بقیہ عقائد

اسلام کی اصلی بنیاد جن اصول پر قائم ہے، وہ صرف توحید اور نبوت ہے، مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ یہ اسلام بالکل سادہ، صاف، اور مختصر ہے اور یہی سادگی ہے، جس کی بنا پر اسلام کو اور تمام مذاہب پر ترجیح ہے، اسی سادگی پر یورپ کا ایک محقق ان الفاظ مین حسرت ظاہر کرتا ہے، اگر "کوئی حکیم عیسائی مذہب کے طول طویل اور پر پیچ عقائد مذہبی پر نظر ڈالے گا تو بول اُٹھیگا کہ آہ! میرا مذہب ایسا سادہ اور صاف کیون نہ ہوا کہ مین ایمان لاتا ایک خدا پر اور اس کے رسول محمد پر" یہی دو لفظ تھے جنکے زبان پر لانے سے اور یقین کرنے سے دفعۃً کافر مسلمان، گمراہ، ہدایت یافتہ، شقی سعید، اور مردود مقبول بنجاتا تھا، لیکن زمانہ کے امتداد اور طبایع کے اختلاف نے اس متن پر سیکڑون حاشیے بڑھا دئے، اور اب اسلام ایک ایسے مجموعہ مسائل کا نام ہو گیا ہی جس کو قرون اولی کے لوگ سمجھانے سے بھی نہ سمجھتے اور عرب جن پر قرآن اترا تھا وہ تو آج بھی نہین سمجھ سکتے، طرہ یہ کہ یہی نو زائیدہ مسائل، کفر اور اسلام کا معیار قرار پا گئے، قرآن مجید مخلوق ہی یا قدیم؟ صفات الٰہی عین ذات ہین یا غیر؟ اعمال جزو ایمان ہین

یا خارج؟ قرون اول میں ان مسائل کا پتہ بھی نہ تھا، لیکن زمانہ مابعد میں انھی کو کفر و اسلام کی حد فاصل قرار دیا گیا، تاریخ علم کلام میں تم پڑھ چکے ہوگے کہ ان مسائل کی بنا پر کیا کیا قیامتیں برپا ہوئیں، بہرحال اب یہ مسائل، علم کلام کے ساتھ ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ جدید علم کلام میں نفیاً یا اثباتاً ان کے ذکر سے چارہ نہیں۔

ان مسائل پر دو حیثیتوں سے بحث کر لی جاتی ہے۔

مسائل عقائد کی نوعیت

(۱) ان مسائل کی نوعیت

(۲) علم کلام کو واقعی ان سے کس حد تک تعلق ہے

پہلی بحث یہ بحث علم کلام کی تاریخ میں ہم مفصلاً لکھ چکے ہیں یہاں صرف اسقدر بتا دینا ہے کہ یہ مسائل دو قسم کے ہیں، بعض ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید یا حدیث میں سرے سے نہیں ہے لیکن چونکہ متکلمین کے نزدیک وہ توحید اور نبوت کے عوارض ذاتی ہیں اسلئے ان سے بحث کرنی ضرور ہے کیونکہ ان کے بغیر توحید اور نبوت کی تکمیل نہیں ہوسکتی مثلاً قرآن مجید کا حادث یا قدیم ہونا یہ مسئلہ اگرچہ بہ تصریح قرآن و حدیث میں مذکور نہیں لیکن جو عقائد قرآن مجید میں مذکور ہیں، انکے لوازم میں سے ہے کیونکہ قرآن، کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی خدا کی صفات میں سے ہے اور جو چیز کسی چیز کی صفت ہوتی ہے وہ اسکے ساتھ قائم ہوتی ہے، اب اگر قرآن مجید حادث ہو، تو ذات باری بھی حادث ہوگی کیونکہ جو چیز حوادث کا محل ہوتی ہے خود بھی حادث ہوتی ہے، اور یہ بجائے خود ثابت ہو چکا ہے کہ ذات باری قدیم ہے اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہیں۔

بعض مسائل ایسے ہین جو قرآن مجید مین مذکور ہین لیکن چونکہ ان کی کیفیت مذکور نہین اسلئے ہر فرقہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق کیفیت کی تعیین کی، اس تعیین سے بالذات اور بواسطہ بہت سے مسائل پیدا ہو گئے مثلاً معاد کی کیفیات، قرآن مجید مین نہایت کثرت سے معاد کا ذکر ہے لیکن کیفیت کی تصریح نہین، اشاعرہ نے اس کی کیفیت یہ قرار دی کہ بعینہ وہی جسم دوبارہ پیدا کیا جاے گا جو دنیا مین موجود تھا، حکماے اسلام کے نزدیک، معاد کو جسم سے تعلق نہین، عذاب و ثواب جو کچھ ہوگا روح پر ہوگا اور روح کو دوبارہ پیدا کرنے کی ضرورت نہین کیونکہ روح جوہر بسیط ہے اور وہ پیدا ہو کر فنا نہین ہوتی **دوسری بحث** پہلی قسم کے مسائل یعنی جنکا ذکر قرآن مجید یا احادیث صحیحہ مین سرے سے نہین ہے وہ درحقیقت علم کلام مین داخل نہین[1] لیکن چونکہ آج چھ سات سو برس سے وہ گویا اسلام کے اجزا بن گئے ہین اسلئے انکا ذکر ضرور ہے چنانچہ وہ حسب ذیل ہین۔

اشاعرہ	دیگر فرق
(۱) خدا کسی جہت مین نہین	حنابلہ اور اکثر محدثین اسکے مخالف ہین۔
(۲) خدا کے جسم نہین ہے	کرامیہ اسکے مخالف ہین، ابن تیمیہ بھی جسم کا قائل ہے
(۳) خدا جوہر یا عرض نہین	ابن تیمیہ وغیرہ کے نزدیک جوہر ہے
(۴) خدا کسی زمانہ مین نہین یعنی زمانی چیز نہین	

[1] شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ (صفحہ ۹۹) مین یہ تقسیم کی ہے اور اس پہلی قسم کی نسبت لکھتے ہین کہ کسی شخص کا اہل سنت و جماعت سے ہونا ان مسائل کی بنا پر نہین ہے:

(۵) خدا کسی غیر کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا	وحدۃ وجود والون کے نزدیک ہر چیز خدا ہی۔
(۶) خدا کی ذات مین کوئی حادث چیز قائم نہیں ہو سکتی	کرامیہ اسکے مخالف ہین۔
(۷) خدا کی صفات، عین ذات نہیں	حکماے اسلام اور اکثر معتزلہ کے نزدیک عین ذات ہین؛
(۸) خدا قادر بالذات ہی یعنی فعل اور ترک فعل کا مختار ہے	بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک، موجب بالذات ہے یعنی جسطرح آفتاب سے روشنی صادر ہوتی ہی اسی طرح خدا سے افعال صادر ہوتے ہین۔
(۹) خدا تمام ممکنات کا فاعل بالذات ہے۔	بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک خدا واحد بالذات ہے اور جو چیز واحد بالذات ہی، اس سے بالذات صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہی چنانچہ خدا نے صرف عقل اول کو پیدا کیا اور پھر عقل اول سے واسطہ در واسطہ تمام مخلوقات پیدا ہوئی۔
(۱۰) خدا کا ارادہ قدیم ہے	معتزلہ کے نزدیک حادث ہے
(۱۱) خدا کا کلام، قدیم ہی اور وہ کلام نفسی ہی	حنبلیون کے نزدیک خدا کا کلام گو قدیم ہی لیکن کلام نفسی نہیں بلکہ حرف اور صوت کا نام ہے، معتزلہ کے نزدیک کلام الٰہی حادث ہے اور حرف وصوت کا نام ہے۔

(۱۲) انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہین۔ وہ خدا کے اختیار سے سرزد ہوتے ہین، انسان کی قدرت اور اختیار کو کچھ دخل نہین۔	معتزلہ کے نزدیک، انسان کا ارادہ اور قدرت، خود اُسکے افعال کی علت ہی البتہ یہ ارادہ اور قدرت، خدا نے اس مین پیدا کی ہے۔
(۱۳) خدا کے افعال معلل بالاغراض نہین	معتزلہ کے نزدیک، خدا کے ہر فعل کی غرض وغایت ہے۔

(۱۴) بقا ایک صفت وجودی ہے جو اصل وجود پر زائد ہے،

(۱۵) سمع وبصر جو خدا کے اوصاف ہین تمام محسوسات سے متعلق ہو سکتے ہین۔

(۱۶) کلام باری مین کثرت نہین بلکہ وہ واحد محض ہے۔

(۱۷) خدا کا کلام نفسی مسموع ہو سکتا ہے۔

ان عقائد کے سوا اور بھی بہت سے عقائد ہین لیکن جہات مسائل یہی ہین اس لئے ہم نے انہی پر اکتفا کی،

دوسری قسم کے عقائد وہ ہین جن کا ذکر قرآن مجید مین ہے،

جو امور قرآن مین مذکور ہین مگر انکی کیفیت مذکور نہین

یہ عقائد زیادہ اُن چیزون سے متعلق ہین جو روحانیات یا عالم غیب مین داخل ہین، مثلاً وجود ملائکہ، حشر ونشر، بہشت ودوزخ۔ صراط، میزان وغیرہ، چونکہ انکا ذکر خود قرآن مجید مین تھا اسلئے اجمالاً تمام اسلامی فرقون نے ان کو مانا لیکن ان کی حقیقت اور ماہیت کے تعین کرنے مین اختلاف ہوا، بعض فرقون نے الفاظ کے بالکل ظاہری معنی لئے بعض نے مجاز اور استعارہ کو دخل دیا، بعض نے خاص خاص الفاظ مین کچھ تاویل نہین کی بلکہ یہ کہا کہ روحانیات

سے کے سمجھانے کا یہ ایک طریقہ ہے یہ اختلاف اگرچہ خود مقتضائے فطرت تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ خود قرآن مجید مین اس کا اشارہ موجود تھا؀

قرآن مجید مین ایک آیت ہے،

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ - وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ - (آل عمران رکوع ۱)

قرآن مجید کی بعض آیتین صاف ہین اور وہی ام الکتاب ہین اور بعض مبہم ہین۔ تو جن لوگون کے دلون مین کجی ہے وہ مبہم آیتون کے پیچھے پڑے رہتے ہین تاکہ فساد پیدا کرین اور تاکہ اُن کی تاویل کرین، حالانکہ اُن کی تاویل بجز خدا کے کوئی نہین جانتا یا وہ لوگ جو علم مین پکے ہین، وہ کہتے ہین ہم اس پر ایمان لائے۔

اختلاف اس طرح پیدا ہوا کہ ایک فریق نے وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کو الگ جملہ قرار دیا جسکے رو سے یہ معنی ہوئے کہ جو آیتین مبہم ہین اُن کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہین جانتا۔ باقی جو لوگ راسخ فی العلم ہین وہ صرف یہ کہکر رہ جاتے ہین کہ ہم اس پر ایمان لائے دوسرے فریق کے نزدیک وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ الگ جملہ نہین ہے بلکہ پہلے جملہ پر عطف ہے، اس تقدیر پر معنی یہ ہوئے کہ مبہم آیتون کی تاویل بجز خدا کے اور بجز اُن لوگون کے جو علم مین پکے ہین اور کوئی نہین جانتا۔ پہلے معنی کے قائل، حضرت عائشہ۔ حسن بصری۔ مالک ابن انس۔ کسائی۔ فراء اور جبائی وغیرہ ہین۔ دوسرے معنی کے

ؔ تفسیر کبیر۔ آیت هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ

قائل ہیں مجاہد۔ ربیع بن انس اور اکثر متکلمین ہیں۔ عبداللہ بن عباس سے دونوں روایتیں ہیں
اس اختلاف سے ایک اور اختلاف پیدا ہوا یعنی یہ کہ کون سی آیتیں محکم ہیں اور کون سی مبہم
اس بنا پر عقائد مبحوث فیہا میں متعدد اختلافات پیدا ہوئے

(۱) یہ عقائد جن آیتوں میں مذکور ہیں وہ مبہم ہیں یا نہیں؟

(۲) مبہم ہیں تو اُن کی تاویل کرنی چاہیے یا نہیں؟

(۳) تاویل کرنی چاہیے تو کیونکر؟

چونکہ آیندہ ہر جگہ تاویل کی بحث آئے گی اس لیے سب سے پہلے ہم کو تاویل کا فیصلہ کرنا چاہیے یعنی یہ کہ تاویل کی کیا حقیقت ہے؟ تاویل مطلقاً ناجائز ہے یا کہیں جائز ہے اور کہیں ناجائز؟ اگر بعض موقع پر جائز ہے تو جواز کا کیا قاعدہ ہے؟ تاویل کو کفر و اسلام کا معیار کہان تک قرار دیا جا سکتا ہے؟

تاویل کی حقیقت

تاویل کے معنی اصل لغت میں مرجع و مصیر کے ہیں اور اصطلاح میں تعبیر اور تفسیر کو کہتے ہیں قرآن مجید میں یہ لفظ اکثر انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا لیکن علمی یا تفسیری اصطلاح میں تاویل کے یہ معنی ہیں کہ کسی لفظ کے ظاہری اور لغوی معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی لیے جائیں۔

اسلام میں جس قدر فرقے ہیں حشویہ کے سوا باقی سب نے تاویل کو جائز رکھا ہے امام احمد بن حنبل کی نسبت اگرچہ روایت ہے کہ وہ بالکل مخالف تھے تاہم تین موقع پر وہ بھی تاویل کو جائز رکھتے تھے۔ غرض اصل تاویل کے جواز میں (بجز حشویہ کے)

ورکسی کو کلام نہین، گفتگو جو کچھ ہے وہ تاویل کے موقع اور محل مین ہے یعنی کہان جائز ہے اور کہان نہین ۔ اسلامی فرقون مین ظاہر پرستی اور دقیقہ سنجی کے لحاظ سے جو فرق مراتب تھا اسی نسبت سے تاویل کا دائرہ بھی محدود اور وسیع ہوا سب سے پہلا درجہ ارباب ظاہر کا ہے، اِن کے نزدیک کہین تاویل جائز نہین ۔ مثلاً قرآن مجید مین ہے کہ ہم نے آسمان وزمین سے کہا کہ بہ خوشی یا باکراہ حاضر ہو" دونون نے کہا ہم مطیعانہ حاضر ہین،، یا مثلاً قرآن مین ہے کہ جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہین تو کہتے ہین کہ ہوجا اور وہ ہو جاتی ہے،، ارباب ظاہر کے نزدیک ان آیتون مین وہی لغوی معنی مراد ہین یعنی یہ کہ فی الواقع زمین و آسمان نے یہ الفاظ کہے تھے اور فی الواقع خدا ہر چیز کے پیدا ہونے کے وقت کن کا لفظ کہا کرتا ہے، امام ابوالحسن اشعری کا مذہب اسی کے قریب قریب ہے، قرآن مجید مین ہے کہ خدا کے دونون ہاتھ کھلے ہوئے ہین، امام موصوف نے کتاب الابانۃ مین تصریح کی ہے کہ ان الفاظ کے اصلی معنی مراد ہین، کوئی مجاز یا استعارہ نہین ہے؛

ارباب ظاہر کے بعد عام اشاعرہ ۔ پھر ماتریدیہ ۔ پھر معتزلہ ۔ پھر حکماے اسلام ہین اس بحث مین سب سے اہم امر تاویل کے اصول کا انضباط ہے یعنی کن موقعون پر تاویل جائز ہے اور کن موقعون پر نہین ۔ امام غزالی نے احیاء العلوم مین اور فصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ مین اسپر نہایت خوبی سے بحث کی ہے، اس لئے ہم اسکا لفظی ترجمہ نقل کرتے ہین،

احیاء العلوم جزو اوّل کتاب قواعد العقائد فصل ثانی مین ہے،

اگر تم یہ کہو کہ اس بات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم کا ایک ظاہر ہی اور ایک باطن جن مین سے تاویل کے متعلق امام غزالی کی راے

بعض نہایت واضح ہین اور ابتداءً ذہن مین آجاتے ہین بعض خفی ہین جو مجاہدہ ریاضت کد وکاوش اور فکر صحیح سے حاصل ہوتی ہین اور وہ بھی اُس وقت کہ دنیا کی تمام چیزون سے فارغ البال ہوکر اُنھی پر توجہ کیجائے، حالانکہ یہ بات بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتی ہی کیونکہ شریعت مین ظاہر و باطن دو الگ چیزین نہین ہین بلکہ شریعت کا جو ظاہر ہی وہی باطن ہی جو مخفی ہی وہی آشکار ہی، تو تم کو یہ جاننا چاہیے کہ ان علوم کا خفی وجلی ہونا ایسی بات ہی جس سے کوئی صاحب فہم انکار نہین کرسکتا۔ صرف وہ لوگ اسکا انکار کرتے ہین جنھون نے بچپن کے زمانہ مین کچھ سُن لیا اور اسی پر جم گئے اُنھون نے بلندی کیطرف اور علما و اولیا کے مقامات کیطرف ترقی نہین کی، اور یہ خود شریعت کے دلائل سے ثابت ہی آنحضرت نے فرمایا کہ قرآن کے معنی ایک ظاہر ہین اور ایک باطن ایک حد ہے اور ایک مطلع۔ (یہ حدیث صحیح نہین مترجم) حضرت علی نے اپنے سینہ کیطرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس مین بڑے بڑے علوم ہین کاش انکا کوئی حامل ملتا،، آنحضرت نے فرمایا ہی کہ ہم پیغمبر لوگ ہین، ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم لوگون سے انکی عقل کے موافق بات کرین،، (یہ حدیث بھی مرفوع نہین بلکہ حضرت علی کا قول ہی) آنحضرت نے فرمایا ہی کہ اگر کوئی بات کسی قوم کے سامنے بیان کیجائے اور وہ اُنکی عقل سے باہر ہو تو اُن کے حق مین فتنہ ہوگی خدا نے کہا ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ آنحضرت نے کہا ہے کہ بعض علوم پوشیدہ ہین جن کو صرف عارفان الہی جانتے ہین، الخ اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو کچھ مین جانتا ہون، اگر تم بھی جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ،،

اب بتاؤ اگر یہ راز کی باتین نہ تھین جن کے ظاہر کرنے سے آپ کو اس بنا پر منع کیا گیا تھا کہ لوگ

اُن کو نہین سمجھ سکتے تھے یا اور کوئی مصلحت تھی تو آنحضرت نے انکو ظاہر کیون نہین فرمایا؟ اور یہ ظاہر ہی کہ اگر آنحضرت بیان کرتے تو لوگ بہر حال تصدیق کرتے ابن عباس نے اس آیت کے متعلق اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ کہا ہی کہ اگر اس آیت کی تفسیر مین بیان کرون تو تم لوگ مجکو پتھر مارو گے اور دوسری روایت مین ہی کہ تم کہو گے کہ عبداللہ بن عباس کافر ہے" اور ابو ہریرہ کا قول ہی کہ مین نے آنحضرت سی دو قسم کی باتین یاد کین، ایک کو شایع کیا، اور دوسرے کو اگر شایع کرون تو میری یہ گردن کاٹ ڈالی جائیگی، اور آنحضرت نے فرمایا کہ ابو بکر کو جو فضیلت تم لوگون پر ہی وہ زیادہ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سی نہین ہی بلکہ اس راز کی وجہ سی ہی جو اُسکے سینہ مین امانت ہی" اور یہ ظاہر ہی کہ یہ راز مذہبی ہی اصول کے متعلق تھا اور جو چیز مذہبی اصول مین داخل تھی وہ ظاہری طور پر اورون سی بھی مخفی نہین ہو سکتی تھی سہل تستری کا قول ہی کہ علما کی پاس تین قسم کے علوم ہوتے ہین (۱) علم ظاہر جسکو وہ اہل ظاہر کے سامنے پیش کرتے ہین، (۲) علم باطن جو صرف ان لوگون پر ظاہر کیا جاتا ہی جو اُسکے اہل ہوتے ہین، (۳) وہ علم جس کا تعلق صرف خدا سی ہوتا ہی اور کسی کے سامنے ظاہر نہین کیا جاتا" بعض عرفا کا قول ہی کہ ربوبیت (خدائی) کا بھید ظاہر کرنا کفر ہی، بعضون کا قول ہی کہ "ربوبیت ایک ایسا راز ہی کہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو نبوت بیکار ہو جائے، اور نبوت ایک ایسا راز ہی کہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو علم بیکار ہو جائے اور علما کو خدا کے ساتھ ایسا راز ہی کہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو تمام احکام باطل ہو جائین" اس قائل کا غالباً مطلب یہ ہی کہ نبوت، کوتاہ بینون کے نزدیک باطل ہو جائے گی ورنہ اگر یہ مطلب نہ ہو تو یہ قول غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہی کہ ان دونون مین تناقض نہین کیون کہ کامل وہی ہے

جسکا نورِ معرفت، نورِ تقوی کو بجھا نہ دے اور تقوی کا مرکز نبوت ہی۔ اگر تم یہ کہو کہ ان آیات اور روایات مین تاویل ہوسکتی ہے، ورنہ ظاہر و باطن مین کیون کر اختلاف ہوسکتا ہی کیونکہ باطن اگر ظاہر کا مخالف ہی تو شریعت باطل ہوجائیگی اور یہ وہی بات ٹھریگی کہ حقیقت خلاف شریعت ہی اور یہ کفر ہی کیون کہ شریعت ظاہر کا نام ہی اور حقیقت باطن کا اور اگر شریعت و حقیقت دونون ایک ہی ہین تو پھر دو قسمین کیسی؟ اس صورت مین شریعت مین کوئی قابل اخفا راز نہ ہوگا اور ظاہر و پنہان ایک ہوگا۔

تو تم کو جاننا چاہیے کہ یہ سوال ایک بڑی مہم کی سلسلہ جنبانی کرتا ہی اور علم مکاشفہ کیطرف منجر ہوتا ہے اور علم المعاملہ کی غرض و غایت سے دور جا پڑتا ہے حالانکہ ان تصنیفات کا مقصد صرف علم المعاملہ ہے۔ کیونکہ جو عقائد اوپر مذکور ہوے وہ اعتقادات قلبی مین داخل ہین اور ہم نے انپر تقلیداً یقین کیا ہی، نہ کہ کشف حقیقت کے طور پر، کیونکہ تمام لوگ کشف حقیقت پر مجبور نہین کئے گئے ہین، اور اگر یہ اعتقاد اعمال مین داخل نہ ہوتے تو ہم اس کتاب مین انکا ذکر بھی نہ کرتے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ دل کی ظاہری حالت سے متعلق ہین نہ باطنی تو ہم اس کتاب کے حصہ اول مین اس کا ذکر نہ کرتے باقی حقیقی انکشاف ہونا تو یہ قلب کی باطن ہی سے متعلق ہی، تاہم چونکہ گفتگو کا موقع ایسا آپڑا ہی کہ ظاہر و باطن مین تناقض کا خیال پیدا ہوتا ہی اس لئے مختصر طور پر اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہی۔

جو شخص یہ کہتا ہی کہ شریعت و حقیقت یا ظاہر و باطن باہم مخالف ہین وہ اسلام کے بجاے کفر سے زیادہ قریب ہی، اصل یہ ہی کہ جو اسرار مقربین سے مخصوص ہین، اور جنکو اور لوگ نہین جانتے اور جنکا

فاش کرنا منع ہی انکی پانچ قسمین ہین،

(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ وہ بات فی نفسہ دقیق ہے اور اکثر طبیعتین اسکے سمجھنے سے عاجز ہین تو وہ خواہ مخواہ مقربین کے ساتھ مخصوص ہوگی اور ان کا فرض ہوگا کہ اس کو نااہلون پر ظاہر نہ کرین ورنہ اُن کے حق مین وہ موجب فساد ہوگی۔کیونکہ اُن کے فہم کی وہان تک رسائی نہین ہوسکتی، اسی بنا پر جب لوگون نے آنحضرتؐ سے روح کی حقیقت پوچھی تو آنحضرتؐ نے اعراض کیا، کیونکہ روح کی حقیقت، عام لوگون کی فہم مین نہین آسکتی، اور وہم اس کی حقیقت کے دریافت سے عاجز ہی، یہ نہ سمجھو کہ آنحضرتؐ کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ تھی، کیونکہ جو شخص روح کی حقیقت نہین جانتا وہ اپنی حقیقت نہین جانتا اور جو شخص اپنی حقیقت نہین جان سکتا وہ خدا کو کیا پہچان سکتا ہی، بعض علما اور اولیا کو روح کی حقیقت معلوم ہوتی ہی، لیکن وہ لوگ آداب شریعت کا لحاظ رکھتے ہین اور اسوجہ سے جس موقع پر انبیا نے سکوت کیا ہی وہ بھی سکوت کرتے ہین۔روح پر کیا موقوف ہے، خدا کی صفات مین وہ باریکیان ہین جنکو عوام نہین سمجھ سکتے۔چنانچہ آنحضرتؐ نے خدا کے صرف ظاہری صفات مثلاً علم. قدرت وغیرہ بیان کین، ان کو بھی لوگون نے اس وجہ سے سمجھا کہ وہ خود بھی علم اور قدرت رکھتے تھے اسلئے خدا کی قدرت اور علم کو اُسپر قیاس کرسکے، ورنہ اگر خدا کے وہ اوصاف بیان کیے جاتین جن کے مشابہ کوئی صفت انسان مین موجود نہین ہے تو انسان اسکا تصور نہین کرسکتا، بلکہ جماع کی لذت کو اگر کسی بچہ یا نامرد کو سمجھانا چاہو تو وہ نہین سمجھ سکتا بجز اسکے کہ یہ کہا جائی کہ کھانے مین جو لذت ہی، اسکے مشابہ ہی، لیکن یہ سمجھنا درحقیقت سمجھنا نہین ہے خدا کے علم و قدرت، اور انسان کے علم و قدرت مین جو فرق ہے وہ اس سے کہین زیادہ ہی جسقدر کھانے کی

لذت اور جماع کی لذت مین ہے۔

مختصر یہ کہ انسان صرف اپنی ذات اور صفات (موجودہ یا گذشتہ) کا تصور کرتا ہی پھر اپنے آپ پر قیاس کرکے دوسرون کی ذات وصفات کا بھی تصور کرتا ہے اور یہ بھی اندازہ کرسکتا ہی کہ دونون مین شرف وکمال کے لحاظ سے فرق ہے، اس بنا پر انسان جو کچھ کرسکتا ہی اس سے زیادہ نہین کرسکتا کہ خود امین جو اوصاف پائے جاتے ہین مثلاً فعل۔ قدرت۔ علم۔ وغیرہ انھی کو خدا مین بھی ثابت کرے، صرف یہ فرق ہوگا کہ خدا کی صفات کو اپنی صفات سے نہایت بالاتر قرار دیگا۔ تو انسان درحقیقت اپنے ہی صفات کا اثبات کرتا ہی نہ اُن صفات کا جو خدا کے مخصوص صفات ہین اسی بنا پر آنحضرت نے فرمایا ہی کہ اے خدا! مین تیری توصیف اس طرح نہین کرسکتا جس طرح تو نے خود کی ہی" اس حدیث کے یہ معنی نہین کہ آنحضرت کو خدا کی صفات معلوم تھے اور اُن کو ادا نہین کرسکتے تھے بلکہ آپکو اعتراف تھا کہ مین خدا کی صفات کی حقیقت سمجھنے سے معذور ہون" بعض بزرگون نے کہا کہ خدا کی حقیقت خدا ہی سمجھ سکتا ہی، اور حضرت ابوبکر کا قول ہے کہ وہ خدا تعریف کا مستحق ہے جس نے اپنے پہچاننے کا یہ طریقہ رکھا ہے کہ اسکے نہ پہچان سکنے کا اقرار کیا جائے"

"یہان پہنچکر ہم کو قلم کی زبان روک لینی چاہیے اور اپنے مقصد کی طرف واپس آنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ ان پانچ قسمون مین سے ایک وہ مسائل ہین جو فہم کے دائرہ سے باہر ہین، انھی مین روح کا مسئلہ بھی ہی، خدا کے بعض صفات بھی اس مین داخل ہین، حدیث ذیل مین بھی اسی طرف اشارہ ہی، "خدا کے ستر پردے ہین، جو نور کے ہین اور اگر وہ کھل جائین تو دیکھنے والے

جل کر رہ جائین،

(۲) دوسری قسم کے اسرار جن کو انبیا اور صدیقین ظاہر نہین کرتے وہ وہ ہین کہ بجاے خود قابل فہم ہین لیکن انکا ذکر اکثرون کے حق مین مضر ہے، گو انبیا اور صدیقین کے حق مین مضر نہین، مثلاً جبر و قدر کا مسئلہ جسکا ظاہر کرنا اہل علم کو ناجائز ہے، اور یہ کچھ تعجب کی بات نہین کہ بعض حقایق کا ذکر بعض لوگون کے حق مین مضر ہو۔ مثلاً آفتاب کی روشنی چمگادڑ کے حق مین، اور گلاب کی خوشبو گبریلے کے حق مین مضر ہے، مثلاً یہ عقیدہ کہ کفر، زنا، معاصی اور برائیان سب خدا کے حکم اور ارادہ اور مشیت سے ہین فی نفسہ سچ ہی لیکن یہی بات اکثرون کے حق مین مضر ہے، کیونکہ یہ امر ان کے نزدیک سفاہت کی، دلیل ہی، اور حکمت کے خلاف ہی اور گویا برائی اور ظلم کو جائز رکھنا ہے، چنانچہ ابن الراوندی اور بعض اور نالائق اسی بنا پر ملحد ہو گئے قضا و قدر کے مسئلہ کا بھی یہی حال ہے کہ اگر وہ ظاہر کر دیا جائے تو اکثر لوگون کو خدا کے عجز کا گمان ہو گا، کیونکہ اس شبہہ کا جو اصلی جواب ہی وہ عام لوگون کے سمجھ مین نہین آسکتا،

اسکی مثال ایک شخص یون دے سکتا ہے کہ اگر یہ بتا دیا جاتا کہ قیامت کے آنے مین ہزار برس یا کم و بیش کی دیر ہے تو ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا تھا، لیکن اگر یہ تعیین کر دی جاتی تو خلاف مصلحت ہوتا اور اسمین خلق کو ضرر پہونچتا۔ کیونکہ اگر قیامت کے آنے مین زیادہ دیر ہی تو لوگ اس خیال سے کہ ابھی بہت دن ہین قیامت کی چندان پروا نہ کرتی۔ اور اگر قیامت کا زمانہ قریب ہے اور وہ متعین کر دیا جاتا تو لوگون پر اس قدر خوف طاری ہو جاتا کہ کام کاج چھوڑ دیتے اور دنیا برباد ہو جاتی۔ یہ مثال اگر صحیح ہو تو اسی دوسری قسم کی مثال ہوگی۔

(۳) تیسرے قسم کے وہ امور ہین کہ اگر صاف طور پر کہدیئے جائین تو سمجھ مین آجائین اور اس مین کچھ ضرر بھی نہین، لیکن اِن کو استعارہ اور رمز کے پیرایہ مین اس غرض سے بیان کیا جاتا ہے کہ سننے والے کے دل مین اس کا اثر قوی ہوتا ہے اور مصلحت اسی کی مقتضی ہے کہ دیر زیادہ قوی اثر ہو مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے فلان کو دیکھا کہ وہ سور کی گردن مین موتیون کا ہار پہناتا تھا، اور اس سے مراد یہ ہو کہ وہ نااہلون کو تعلیم دے رہا تھا تو سننے والا ظاہری معنی سمجھے گا لیکن محقق شخص جب غور کرے گا۔ اور اس کو معلوم ہوگا کہ وہان نہ سور تھا نہ موتی تو اصل غرض کی طرف اس کا خیال منتقل ہوگا چنانچہ شاعر نے کہا ہے،

رَجُلَانِ خَیَّاطٌ وَاٰخَرُ حَائِکٌ مُتَقَابِلَانِ عَلَی السِّمَاکِ الْاَعْزَلِ

لَازَالَ یَنْسِجُ ذَاکَ خِرْقَةَ مُدْبِرٍ وَیَخِیطُ صَاحِبُهُ ثِیَابَ الْمُقْبِلِ

ان شعرون مین شاعر نے آسمانی اقبال وادبار کو دو کاریگرون سے تعبیر کیا ہے، اس قسم کی تعبیر مین معنی مقصود کو ایسی صورت کے ذریعہ سے بیان کیا جاتا ہے جو عین معنی یا اس کی مثال پر مشتمل ہوتی ہے، اسی قسم مین آنحضرت کا یہ قول داخل ہے، کہ مسجد تھوک سے اس طرح کبیدہ ہوکر سمٹ جاتی ہے جس طرح چمڑا آگ پر رکھنے سے،، حالانکہ بظاہر مسجد مین انقباض نہین پیدا ہوتا لیکن مقصود یہ ہے کہ مسجد قابل تعظیم چیز ہے اور اس مین تھوکنا اس کی تحقیر ہے، اسلئے یہ فعل مسجد کی شان کے اسقدر مخالف ہے کہ گویا چمڑے کو آگ مین ڈال دینا ہے، اسی طرح آنحضرت کا یہ قول کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع سے سر اٹھاتا ہے وہ اس بات سے نہین ڈرتا کہ خدا اسکے سر کو گدہے کا سر بنا دے،، اگرچہ ظاہری صورت کے لحاظ سے ایسا کبھی واقع نہین ہوا

اور نہ کبھی ہوگا لیکن اصل مقصد کے لحاظ سے یہ صحیح ہے کیونکہ گدہے کے سر میں صورت وشکل کے لحاظ سے کوئی خصوصیت نہیں اس کی جو کچھ خصوصیت ہے وہ حماقت اور غباوت کے لحاظ سے ہے اور جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے حماقت کے لحاظ سے اسکا سر گویا گدہے کا سر ہے، کیونکہ یہ انتہا سے حماقت ہے کہ ایک شخص کسی کے پیچھے چلتا ہے اور پھر اس سے آگے نکل جائے، یہ امر کہ اس موقع پر ظاہری معنی مقصود نہیں، دو طرح پر ثابت ہوتا ہے، یا دلیل عقلی سے یا دلیل شرعی سے، **دلیل عقلی** یہ کہ ظاہری معنی لینے ممکن نہ ہوں مثلاً آنحضرت کا قول کہ "مسلمانوں کا دل خدا کی دو انگلیوں میں ہے" حالانکہ اگر مسلمانوں کے دل کو دیکھا جائے تو ہمیں کہیں انگلیاں نظر نہ آئینگی، اس سے معلوم ہوا کہ انگلیوں سے یہاں قدرت مراد ہے کیونکہ انگلی کی اصلی حقیقت قدرت اور طاقت ہے اور قدرت کی تعبیر انگلی سے اس لئے کیگئی کہ کمال اقتدار کی تعبیر کا یہ نہایت موثر طریقہ ہے اور اسی طرح کمال اقتدار کو ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے) یہاں ظاہری معنی کسی طرح نہیں لئے جا سکتے کیونکہ جو چیز معدوم ہے وہ قابل خطاب نہیں تعمیل کا کیا ذکر، اور اگر پیدا ہونے کے بعد یہ خطاب ہے تو تحصیل حاصل ہے، لیکن چونکہ کمال اقتدار کے ظاہر کرنے کا یہ عمدہ پیرایہ ہے اسلئے اس طریقہ سے اسکو ادا کیا گیا، **دلیل شرعی** کے یہ معنی کہ ظاہری معنی کا مراد لینا ممکن ہو لیکن روایت سے ثابت ہوگیا ہو، کہ وہ معنی مراد نہیں جیسا کہ اس آیت میں۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا الخ پانی سے قرآن اور وادیوں سے دل مراد ہیں جنہیں سے

بعض مین بہت سا خس وخاشاک ہی بعض مین کم۔ اور بعض مین بالکل نہین، اور جھاگ ہی کفر و
نفاق مراد ہے کیونکہ گو وہ نمایان ہے اور پانی پر تیرتا رہتا ہے لیکن ناپائدار ہی اور ہدایت جو
لوگون کو نفع رسان ہے قائم اور دیرپا ہے۔

اس تیسری قسم کو لوگون نے زیادہ وسعت دی ہی یہان تک کہ قیامت مین ترازو
پل صراط وغیرہ وغیرہ کا جو ذکر ہے ان کو بھی اسی پر محمول کیا ہی لیکن یہ بدعت ہی کیونکہ کوئی
حدیث اس کے موافق منقول نہین اور اسکے ظاہری معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ نہین اسلیے
ظاہری ہی معنی لینے چاہیئن[۱]۔

(۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو پہلے اجمالاً جانے پھر تحقیق اور ذوق سے اسکی
حقیقت اس طرح سمجھے کہ ایک حالت طاری ہو جائے، ان دونون علمون مین ایسا فرق
ہے جیسا چھلکے اور مغز مین یا ظاہر و باطن، مین اس کی یہ مثال ہے کہ جس طرح کسی شخص کو کوئی
چیز تاریکی مین، یا بہت دور سے نظر آئے، اس صورت مین اس کو ایک قسم کا علم حاصل ہوگا لیکن
جب روشنی مین یا قریب سے دیکھیگا تو دونون صورتون مین تفاوت معلوم ہوگا، دوسری حالت
پہلی حالت کی مناقض نہ ہوگی بلکہ اس کی تکمیل ہوگی۔ علم تصدیق اور ایمان کی بھی یہی حالت ہے
انسان، عشق، بیماری، یا موت کا یقین رکھتا ہی لیکن جب خود اسکو، یہ موقع پیش آتے ہین تو وہ یقین
پہلے یقین سے کہین زیادہ کامل ہوتا ہے، بلکہ انسان کو شہوت اور عشق اور تمام دیگر جذبات
کے متعلق مختلف حالتین ہوتی ہین۔ وہ یقین جو وقوع کے قبل ہوتا ہی، جو وقوع کے بعد ہوتا ہی

[۱] امام صاحب اخیر مین تو اشاعرہ کی بولی بول گئے اور احیاء العلوم جیسی کتاب مین اس قسم کا پردہ رکھنا ضرور تھا لیکن امام صاحب نے دوسری تصنیفات مین اس رازکو فاش کر دیا ہے۔

جو ختم ہو جانے کے بعد ہوتا ہے، آپس مین مختلف ہین مثلاً بھوک جب زائل ہو جاتی ہی تو اُسکے تقیز کی حالت اس سے مختلف ہوتی ہے جو عین بھوک کی حالت مین تھی، اسی طرح علوم دین کی حالت ہی، کہ وجدان کے مرتبہ کو پہونچکر کامل ہوتے ہین، کمال سے جو پہلی حالت تھی وہ گویا ظاہر ہے اور کمال کی حالت گویا باطن ہی۔ ایک بیمار کے ذہن مین صحت کا جو مفہوم ہی وہ اس سے کہین مختلف ہی جو ایک صحیح کے ذہن مین ہے۔

ان چارون اقسام مین لوگون کی حالت متفاوت ہی حالانکہ ان سب حالتون مین باطن، ظاہر کی مناقض نہین بلکہ اس کا متمم ہے جس طرح مغز چھلکے کا متمم ہی

(۵) یہ وہ صورت ہی کہ زبان حال کو زبان مقال سے تعبیر کیا جاتا ہی، کوتاہ فہم ظاہر پر اٹکتا ہے اور اس کو حقیقی نطق سمجھتا ہی لیکن حقیقت شناس اصلی راز کو سمجھتا ہی یہ ایک ضرب المثل ہی کہ دیوار نے کھونٹی سے کہا کہ تو مجکو کیون چھیدتی ہے کھونٹی نے کہا کہ اس سے پوچھو جو مجکو ٹھوک رہا ہی کیونکہ مین خود مختار نہین ہون۔ یہان۔ زبان حال کو زبان قال سے ادا کیا۔ اسیطرح قرآن کی یہ آیت

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ	پھر خدا آسمان کیطرف بڑھا جبکہ وہ دھوان تھا اور اُس سے اور زمین سے خطاب کر کے کہا کہ تم دونون بہ خوشی یا بہ اکراہ حاضر ہو دونون نے کہا ہم بہ خوشی آتے ہین

احمق آدمی اس کے یہ معنی قرار دیتا ہے کہ آسمان اور زمین بھی عقل و فہم رکھتے ہین اور یہ الفاظ حرف اور صورت کے ذریعہ سے خدا نے اُن سے کہے۔ زمین اور آسمان نے انکو سمجھا اور جواب دیا کہ ہم حاضر ہین۔ لیکن نکتہ شناس جانتا ہی کہ یہ زبان حال ہی جس سے مراد یہ ہی کہ زمین اور آسمان خدا کے

ارادہ کے وابستہ ہیں، اسی طرح خدا کا یہ قول ہے

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ — ایک چیز بھی ایسی نہیں جو خدا کے حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو۔

کودن آدمی اس آیت سے یہ سمجھتا ہے کہ جمادات میں حیات، عقل اور گویائی ہے اور وہ حقیقۃً سبحان اللہ کا لفظ ادا کرتے ہیں لیکن نکتہ دان جانتا ہے کہ زبان قال مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ خود جمادات کا وجود خدا کی تسبیح۔ خدا کی تقدیس اور خدا کی وحدانیت کی شہادت ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ — تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ الْوَاحِدُ

محاورہ میں کہتے ہیں کہ یہ عمدہ صنعتگری۔ کاریگر کی حسن صنعت اور کمال فن کی شہادت ہے اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ صنعت گری زبان سے بولتی ہے بلکہ اس کی حالت سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح جو چیز ہے وہ کسی موجد کی محتاج ہے جو اسکو پیدا کرتا ہے اور اُسکو اور اسکے اوصاف کو قائم رکھتا ہے اور اس کی حالتوں کو بدلتا رہتا ہے، یہ محتاج ہونا خود موجد کی تقدیس کی شہادت ہے لیکن اس شہادت کو صرف اہل نظر سمجھتے ہیں نہ ارباب ظاہر جن کی سمجھ صرف ظاہر پر محدود ہے اسلئے خدا نے کہا

وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ — لیکن تم لوگ ان کی تسبیح نہیں سمجھتے

کوتاہ نظر تو مطلقاً نہیں سمجھ سکتے علمائے راسخین اور مقربین سمجھتے ہیں لیکن وہ بھی کنہ اور ماہیت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اشیا جو خدا کی تقدیس کی شہادت دیتی ہیں ان کی شہادت مختلف قسم کی ہے اور ہر شخص اپنی عقل و بصیرت کے درجہ کے لحاظ ان کو سمجھتا ہے، ان شہادتوں کے اقسام گنانا علم معاملہ کی حد سے باہر ہے۔

غرض یہ وہ مرحلہ ہے جس مین ارباب ظاہر اور ارباب باطن مین تفاوت اور فرق ہے اور یہین سے علوم ہوتا ہے کہ باطن اور ظاہر مین فرق ہے،

اس مقام مین لوگون نے افراط و تفریط کی ہے بعض اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ سرے سے ظاہر کو اڑا دیتے ہین یہان تک کہ جس قدر ظواہر اور براہین ہین کل یا قریباً کل کو بدل دیتے ہین مثلاً خدا کے ان ارشادات کو

وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ	اور ہم سے اُنکے ہاتھ باتین کرینگے اور اُنکے پاؤن شہادت دینگے اور وہ لوگ اپنے بدن کی کھال سے کہینگے کہ تم نے ہمارے خلاف کیون گواہی دی کھالین کہینگی کہ ہم کو اس خدا نے گویا کر دیا جس نے تمام چیزونکو گویا کر دیا،

اسی طرح منکر و نکیر کے سوال و جواب، میزان، پل صراط، حساب و کتاب۔ دوزخیون اور بہشتیون کے مناظرے، دوزخیون کا یہ کہنا کہ ہم کو تھوڑا سا پانی یا جو کچھ خدا نے تم کو دیا ہے دو۔ ان تمام باتون کو یہ لوگ زبان حال قرار دیتے ہین۔

دوسرے گروہ نے اس قدر مبالغہ کیا کہ سرے سے سد باب کر دیا۔ امام احمد بن حنبل انھی لوگون مین ہین، وہ کن فیکون کی تاویل سے بھی منع کرتے ہین اور یہ لوگ سمجھتے ہین کہ خدا ہر چیز کے پیدا کرنے کے وقت کُن کا لفظ بولا کرتا ہے، یہانتک کہ مین نے امام احمد بن حنبل کے بعض مقلدین سے سنا کہ امام موصوف نے بجز تین حدیثون کے تاویل کو بالکل ناجائز قرار دیا۔ وہ تین موقع یہ ہین "حجر اسود دنیا مین خدا کا دایان ہاتھ ہے" "مسلمان کا دل خدا کی دو انگلیون مین ہے"

مجکو یمن سے خدا کی بو آتی ہی،، امام احمد بن حنبل کی نسبت یہ گمان نہین ہو سکتا کہ وہ استوا علی العرش
اور نزول کے معنی استقرار اور انتقال کے سمجھتے ہون گے۔ البتہ انھون نے تاویل کو بلحاظ پیش
بندی اور نفع عام کے سرے سے روکا ہو گا۔ کیون کہ جب ایک دفعہ دروازہ کھل جاتا ہی تو بات
قابو سے باہر ہو جاتی ہی اور اعتدال قائم نہین رہتا، کیونکہ جب اعتدال سے آگے قدم بڑھا تو اُسکی
کوئی حد نہین قرار پاسکتی اس بنا پر اس قسم کی روک ٹوک مین کچھ مضائقہ نہین، سلف کے طریقہ
سے بھی اسکی تائید ہوتی ہی وہ لوگ ان موقعون کی نسبت کہتے تھے کہ جسطرح روایت مین ہی اسیطرح رہنے دو
امام مالک سے کسی نے استوا علی العرش کے متعلق پوچھا تو اُنھون نے کہا استوا معلوم ہی
لیکن اس کی کیفیت مجہول، اور اسپر ایمان لانا واجب اور سوال کرنا بدعت ہی،
بعض لوگون نے اعتدال کا طریقہ اختیار کیا تو یہ کیا کہ خدا کے صفات کے متعلق جو نصوص
ہین اُن کی تاویل کی، اور قیامت کے متعلق جو کچھ آیا ہی اُن کو بحال خود رہنے دیا اور اُن مین
تاویل کرنے سے ممانعت کی۔ یہ لوگ اشعریہ ہین، معتزلہ نے ان پر ترقی کی، یعنی صفات الٰہی مین
سے مرئی ہوتے اور سمیع و بصیر ہونے کی تاویل کی معراج کو غیر جسمانی قرار دیا عذاب قبر میزان۔
پل صراط وغیرہ کی بھی تاویل کی، تاہم اسبات کا اعتراف کیا کہ معاد جسمانی ہو گا، اور بہشت مین تمام
ماکولات مشمومات و منکوحات اور دیگر لذات جسمانی ہون گے، اسی طرح دوزخ کا عذاب بھی
جسمانی ہو گا اسمین ایسا آتشین مادہ ہو گا جس سے بدن کی کھال جل جائیگی فلاسفہ (اسلام) نے
اس سے بھی زیادہ ترقی کی اور کہا کہ قیامت کے باب مین جو کچھ وارد ہی وہ لذتین یا تکلیفین
سب روحانی ہین یہ لوگ معاد جسمانی کے منکر اور بقاے نفس کے قائل ہین اور کہتے ہین کہ نفس جو کچھ عذاب

و ثواب ہوگا وہ حسیّ نہین ہوگا۔

یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہین فلاسفہ کی اس آزادی اور حنبلیون کے جمود مین جو بین بین کا درجہ ہے وہ باریک اور غامض ہے اور اُس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہین جو توفیق یافتہ ہین اور جو تمام چیزون کو روایت سے نہین بلکہ خدائی روشنی سے دیکھتے ہین، پھر جب اُنپر حقائق امور منکشف ہوجاتے ہین تو وہ روایت اور الفاظ پر نظر ڈالتے ہین، ان مین سے جو الفاظ، انکشاف کے موافق ثابت ہوتے ہین اُنکو بحال خود رہنے دیتے ہین اور جو مخالف ہوتے ہین اُنکی تاویل کرتے ہین باقی جن لوگون کا مدار صرف روایت پر ہو تو ان کا قدم کسی مقام پر ٹھہر نہین سکتا اور نہ انکا کوئی مستقر قرار پاسکتا، اور جو شخص محض روایت پر بھروسہ کرتا ہے اُسکو یہی مناسب ہے کہ امام احمد بن حنبل کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ اعتدال حقیقی کا ظاہر کرنا علم مکاشفہ مین داخل ہے، اور اس مین گفتگو کرنی طول کھینچتی ہے اسلئے ہم اسمین نہین گھستے،

مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظاہر و باطن مخالف نہین ہین بلکہ موافق ہین ان پانچون اقسام کی تفصیل سے بہت سی باتین حل ہوگئین"

امام صاحب نے اس نازک اور دقیق مضمون مین بحوث اور مشتبہ مسائل کے جو پانچ اقسام قرار دئے اُن سے تاویل کا مسئلہ بہت کچھ حل ہوجاتا ہے، تاہم خاص اس بحث پر کہ تاویل کے کس قدر اقسام ہین؟ تاویل کے جواز کے کیا شرائط ہین، اور جواز کی حیثیت سے ان اقسام مین کیا ترتیب ہے، امام صاحب کا ایک خاص رسالہ ہے جس مین اس بحث کا پورا فیصلہ کردیا ہے اسلئے اس کا نقل کرنا بھی اس موقع پر ضرور ہے،

تاویل کے متعلق امام غزالی کی کتاب فیصل التفرقہ کا خلاصہ

وہ لکھتے ہین کہ اشیاء کے وجود کی پانچ قسمین ہین

(۱) وجود ذاتی ۔یعنی وجود حقیقی مثلاً آسمان وزمین کا وجود۔

(۲) وجود حسّی ۔یعنی وہ وجود جو صرف صاحب حس کے ساتھ خاص ہے، مثلاً خواب کے واقعات، یا مثلاً بعض بیمارون کو بیداری کی حالت مین صورتین نظر آتی ہین۔ انبیا علیہم السلام کو ملائکہ کی جو صورتین نظر آتی ہین امام صاحب اس کو بھی اسی قسم مین داخل کرتے ہین۔ چنانچہ اس قسم کے تحت مین لکھتے ہین۔

بَلْ قَدْ يَتَمَثَّلُ لِلْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ فِي الْيَقْظَةِ وَالصِّحَّةِ صُوَرٌ جَمِيْلَةٌ مُحَاكِيَةٌ لِجَوَاهِرِ الْمَلٰئِكَةِ وَيَنْتَهِي اِلَيْهِمُ الْوَحْيُ وَالْاِلْهَامُ بِوَاسِطَتِهَا فَيَتَلَقَّوْنَ مِنْ اَمْرِ الْغَيْبِ مَا يَتَلَقَّاهُ غَيْرُهُمْ فِي النَّوْمِ وَذٰلِكَ لِشِدَّةِ صَفَاءِ بَاطِنِهِمْ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا وَكَمَا اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى جِبْرِيْلَ كَثِيْرًا۔	بلکہ کبھی انبیاء اور اولیا کو بیداری اور صحت مین خوبصورت صورتین نظر آتی ہین جو جواہر ملائکہ کے مشابہ ہوتی ہین انھی صورتون کے ذریعہ سے انبیاء اور اولیا کو وحی اور الہام ہوتا ہے تو غیب کے امور جو اورون کو خواب مین معلوم ہوتے ہین انبیاء اور اولیا کو صفائی باطن کیوجہ سے بیداری مین معلوم ہوتی ہین جیسا کہ خدا نے کہا ہے کہ مریم کے سامنے جبریل ٹھیک آدمی کی صورت بنکر آیا اور جیسا کہ آنحضرت نے جبریل کو اکثر دفعہ دیکھا تھا،

(۳) وجود خیالی ۔یعنی وجود ذہنی،

(۴) وجود عقلی، مثلاً جب ہم کہتے ہین کہ یہ چیز ہمارے ہاتھ مین ہے اور اس سے مراد قبضہ و قدرت ہوتی ہے تو یہ ہاتھ کا وجود عقلی ہے کیونکہ ہاتھ کی اصلی غرض قبضہ اور قوت ہے

(۵) **وجود شبہی** یعنی خود وہ شے موجود نہین بلکہ اس کے مشابہ ایک چیز موجود ہے اسکی مثال امام صاحب نے (آگے چلکر) خدا کے غضب وغیرہ سے دی ہے، کیونکہ غضب کے اصلی معنی دل کے خون کا جوش مین آنا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا ان چیزون سے بری ہے لیکن خدا مین ایک ایسی صفت پائی جاتی ہے جو غضب سے مشابہ ہے۔

ان اقسام کے بیان کرنے کے بعد امام صاحب لکھتے ہین۔

اِعْلَمْ اَنَّ كُلَّ مَنْ نَزَّلَ قَوْلاً مِّنْ اَقْوَالِ الشَّرْعِ عَلٰى دَرَجَةٍ مِّنْ هٰذِهِ الدَّرَجَاتِ فَهُوَ مِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ وَاِنَّمَا التَّكْذِيْبُ اَنْ يَّنْفِيَ جَمِيْعَ هٰذِهِ الْمَعَانِيْ،	جان لو کہ جو شخص شرع کی کسی بات کو ان درجات مین سے کسی ایک درجہ پر محمول کرتا ہی تو وہ شرع کی تصدیق کرنے والو مین ہی تکذیب کرنے والا وہ شخص ہے جو ان تمام معانی کی نفی کرتا ہی،

اس کے بعد امام صاحب نے ان مراتب کی ترتیب بتائی ہے، یعنی یہ کہ جس چیز کا ذکر قرآن وحدیث مین ہو پہلے اس کا وجود ذاتی ماننا چاہیے، اگر کسی دلیل سے ثابت ہو کہ اُس شے کا وجود ذاتی نہین ہو سکتا تو حسی پھر خیالی۔ پھر عقلی، پھر شبہی، اس کے بعد ان مراتب کی مثالین دی ہین اور لکھا ہے کہ تاویل سے کسی فرقہ کو گریز نہین۔ مثلاً احادیث مین آیا ہے کہ اعمال، تولے جائین گے چونکہ اعمال عرض ہین اور عرض تولا نہین جاسکتا اسلیے ہر فرقہ کو تاویل کرنی پڑی۔ اشعری نے یہ تاویل کی کہ اعمال نہین بلکہ اعمال کے کاغذات تولے جائینگے معتزلہ نے کہا نہین وزن سے مراد اندازہ کرنا ہے حقیقی ترازو مراد نہین۔

امام صاحب نے جو اقسام قرار دیے اور انکی جو حقیقت بیان کی وہ تاویل کے

مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام متاخرین مثلاً امام رازی۔ آمدی وغیرہ نے تاویل کا فیصلہ اسی بنا پر کیا، لیکن ایک امر پھر بھی مشتبہ رہ گیا، اور امام غزالی کے بعد سے آجتک سیکڑون غلطیان جو ہوتی آئین سب اسی کی بدولت ہین، امام صاحب نے تاویل کا ایک اصول یہ قرار دیا کہ جب اس بات پر دلیل قطعی موجود ہو کہ ظاہری معنی مراد نہین ہو سکتے تب اور معانی کیطرف رجوع کرنا چاہئے، یہ اصول فی نفسہ بالکل صحیح ہے لیکن **دلیل قطعی** کا لفظ تشریح طلب ہے، اور یہی لفظ ہے جس کی غلط فہمی نے سیکڑون غلطیون کا سلسلہ قائم کر دیا ہے

امام صاحب اور امام رازی وغیرہ دلیل قطعی کے یہ معنی قرار دیتے ہین کہ وجود ذاتی یعنی ظاہری معنی کے مراد لینے مین کوئی محال لازم آتا ہو، تو تاویل کرنی چاہئے، محال کا لفظ استعمال مین محال عادی بلکہ مستبعدات پر بھی بولا جاتا ہے لیکن امام صاحب محال عقلی کی قید لگاتے ہین جس کی بنا پر تاویل کا یہ اصول ٹھیرا کہ جب ظاہری معنی کے مراد لینے مین محال عقلی لازم آتا ہو، تب تاویل کرنی چاہئے، اس بنا پر امام صاحب حشر اجساد کے منکر کو کافر کہتے ہین، کیونکہ ان کے نزدیک اجسام کا قیامت مین دوبارہ زندہ ہونا محال عقلی نہین اسلئے تاویل کی کوئی ضرورت نہین۔

سب سے پہلے ہم کو دیکھنا چاہئے کہ خود امام صاحب اور دیگر ائمہ کلام نے اس اصول کی پابندی کہان تک کی ہے، امام غزالی اسی کتاب (فیصل التفرقہ) مین حضرت جبریل کے وجود کو جبکہ وہ حضرت مریم کو نظر آتے تھے، وجود ذاتی نہین قرار دیتے۔ حالانکہ اُنکے نزدیک حضرت جبریل کا وجود ذاتی ممکن بلکہ وقوعی چیز ہے۔ جمادات کی تسبیح کا قرآن مجید مین

جو ذکر ہے امام صاحب اس کو اصلی معنی پر محمول نہین کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہین حالانکہ امام صاحب کے نزدیک جمادات کا تسبیح پڑھنا محالات عقلی مین داخل نہین، قرآن مجید مین ہے کہ خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ "ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے" اس کو امام صاحب اصلی معنی پر محمول نہین کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہین حالانکہ خدا کا یہ کہنا کوئی محال امر نہین، اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین جن کا شمار نہین ہو سکتا۔

اب ہم کو بجاے خود دیکھنا چاہیے کہ یہ اصول کہان تک صحیح ہے ہم جب کسی شخص کی نسبت کہتے ہین کہ وہ کشادہ دست ہے تو کیا ان الفاظ کے اصلی معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم آتا ہے، کیا اس شخص کے ہاتھون کا واقعی کھلا ہونا ممکن ہے، باوجود اس کے کوئی شخص ان الفاظ کے اصلی معنی مراد نہین لیتا بلکہ اس سے سخاوت اور فیاضی کا مفہوم سمجھتا ہے، ہر زبان مین سیکڑون مجازات ہوتے ہین کیا ان تمام مجازات مین حقیقی معنی کا مراد لینا کسی محال کا مستلزم ہوتا ہے؟

ان بحثون کے بعد، محال کی بحث باقی رہ جاتی ہے محال عقلی خود ایک بحث طلب چیز ہے، ایک شخص ایک چیز کو محال سمجھتا ہے، دوسرا نہین سمجھتا خدا کا ذوجہت ہونا امام غزالی کے نزدیک محال ہے حنبلیون کے نزدیک ممکن ہے۔ موت کا مجسم ہو کر مینڈھا بن جانا، اشاعرہ کے نزدیک محال ہے۔ بہت سے محدثین کے نزدیک ممکن ہی امام صاحب نے اس بحث کا لحاظ رکھا اور حنبلیون کو اس بنا پر کافر نہین قرار دیا کہ وہ جن چیزون کو مانتے ہین مثلاً خدا کا ذوجہت اور ذو اشارہ ہونا وہ گو فی نفسہ محال ہے لیکن چونکہ ان کے

نزدیک محال نہین اس لئے وہ معذور ہین، بے شبہہ یہ امام صاحب کی فیاض دلی ہے لیکن یہ فیاض دلی حنبلیون ہی تک کیون محدود رکھی جاتی، حکماے اسلام کے نزدیک اعادۂ معدوم عقلاً محال ہے، اس لئے وہ حشر اجساد کے قائل نہین اُن کو امام صاحب کیون کافر کہتے ہین؟

اسی مسئلہ کی غلط فہمی نے ہزارون وہم پرستیون کی بنیاد ڈالی ہے، امام غزالی اور امام رازی وغیرہ نے محال عقلی کو جن معنون مین لیا اُس کے لحاظ سے بجز ایک دو چیز کے باقی تمام چیزین ممکن تھین اس لئے ہر جگہ ظاہری معنی کی پابندی کرنی پڑی، اور اسکی بنا پر سیکڑون دوراز کار باتون کا قائل ہونا پڑا اور یہ سلسلہ برابر ترقی کرتا گیا،

روایتون مین ہے کہ "آفتاب ہر روز عرش کے نیچے جاکر سجدہ کرتا ہے" "آسمان پر اس کثرت سے فرشتے ہین کہ اُن کے بوجھ سے آسمان سے چرچرانے کی آواز آتی ہے" "خدا نے ازل مین حضرت آدم کو جب پیدا کیا تو اُن کی بائین پسلی نکال لی اور اُسی سے حضرت حوا کو بنایا" "ازل مین حضرت آدم کی پیٹھ سے اُن کی تمام اولاد پیدا کی۔ پھر اُن سے اپنی خدائی کا اقرار لیکر اُن کو انکی پیٹھ مین بھر دیا" "سامری نے حضرت جبریل کے گھوڑے کے سُم کی خاک اُٹھالی اور مٹی کا بچھڑا بناکر وہ خاک اُس کے پیٹ مین ڈالدی اُس کا یہ اثر ہوا کہ بچھڑا بولنے لگا" وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام واقعات مین ظاہری معنی مراد لینے مین اشاعرہ کے نزدیک، محال عقلی لازم نہین آتا اس لئے ظاہری معنی لینے پڑے۔

محال عقلی ہی کی یہ تشریح ہے جس نے تمام مسلمانونکو آج وہم پرستیون مین مبتلا کر رکھا ہے

ایک شخص آکر کہتا ہے کہ فلان درویش نے دریا کا تمام پانی دودھ کر دیا، فلان مجذوب نے اپنے بدن کی کھال اُتار کر رکھدی فلان کا ... نے سیکڑون مُردے زندہ کر دیئے چونکہ یہ تمام واقعات اشاعرہ کی تشریح کے موافق محال نہین ہین اس لیئے راوی کے متعلق کسی قسم کی تحقیق وتنقید کی ضرورت نہین پڑتی بلکہ یہ کہکر تسلیم کر لیئے جاتے ہین کہ ان مین استحالہ کیا ہی؟ اور جب کوئی استحالہ نہین تو نہ ماننے کی کیا وجہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن مجید اگرچہ خدا کا کلام ہے لیکن عرب کی زبان مین اترا ہے اس لیئے زبان عرب کی جو خصوصیات ہین سب اس مین پائی جاتی ہین اور پائی جانی چاہیین، اس مین مجازات - استعارات تشبیہات سبھی کچھ ہین اور اسی طرح ہین جو زبان عرب کا عام انداز ہے،

مجازات اور استعارات کے لیئے یہ ضرور نہین کہ اصلی معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم آتا ہو۔ حمالۃ الحطب کے معنی لکڑیان چننے کے ہین، لیکن چغل خور کو بھی کہتے ہین - قرآن مجید مین ابو لہب کی جورو کو حمالۃ الحطب کہا ہے یہان اصلی معنی مراد لینے بھی ممکن ہین لیکن اہل لغت چغلخور کے معنی لیتے ہین اور کوئی شخص انکو اس بنا پر کافر یا گمراہ نہین کہتا کہ انھون نے بلا وجہ اصلی معنی سے عدول کیا ظاہری معنی سے عدول کرنیکے لیئے یہ لازم نہین کہ اس کا مراد لینا محال عقلی ہو بلکہ اکثر جگہ سیاق کلام اور طرز استعمال خود بتاتا ہے کہ اصلی معنی مقصود نہین، قرآن مین ہے کہ ہم نے آسمان وزمین سے کہا کہ تمھارا جی چاہے یا نہ چاہے تم کو حاضر ہونا چاہیئے دونون نے کہا کہ ہم بہ خوشی حاضر ہین یہان طرز کلام خود بتا رہا ہے کہ قدرت کاملہ کے اظہار کلیہ ایک پیرایہ ہے

تاویل حقیقت تاویل نہین ہے

بعض جگہ سیاقِ کلام دلالت نہین کرتا لیکن ظاہری معنی مراد لینے بالکل مستبعد اور دور از کار وہم پرستی ہوتی ہے، اس لئے وہان مجازی معنی لئے جاتے ہین۔

ایک اور نکتہ مہتم بالشان اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن چیزون کو تاویل کہا جاتا ہے اُن پر تاویل کا اطلاق حقیقت مین صحیح نہین، تاویل کے معنی یہ قرار دئے گئے ہین کہ ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی اختیار کئے جائین، لیکن ظاہری معنی کی تعبیر غلط کی گئی ہے استعمال اور محاورہ بھی ظاہری معنی مین داخل ہے، لیکن اس کو، لوگ تاویل کہتے ہین۔ لغت کی یہ کیفیت ہے کہ اصل مین ایک لفظ کے ایک ہی معنی ہوتے ہین، پھر تناسب اور تعلق کے لحاظ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہین، مثلاً اخبات کے اصلی معنی پستی مین آنے کے ہین، لیکن تواضع اور انکسار کو بھی اخبات کہتے ہین اور اس لحاظ سے کہتے ہین کہ تواضع کرنا گویا پستی مین آنا ہے لفظ کے اصلی معنی پھینکنے کے ہین، پھر لفظ کو اس وجہ سے لفظ کہنے لگے کہ وہ بھی گویا زبان سے پھینکے جاتے ہین، یہ معانی حقیقت مین درجہ دوم کے معنی، ہین جن کو انگریزی مین سکنڈری معنی کہتے ہین لیکن اس قسم کے تمام معانی لغت مین داخل کر لئے گئے ہین اور اصلی معنی قرار پا گئے ہین، عربی زبان مین جو ایک لفظ کے دس دس اور بیس بیس معنی ہوتے ہین، ان مین اصلی معنی درحقیقت ایک ہی ہوتے ہین لیکن بمناسبت کی وجہ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہین اور وہ سب اصلی قرار پاتے ہین، ورنہ اگر صرف اصلی معنی پر حصر کیا جائے تو لغت کی کتابون کی ضخامت آدھی بلکہ چوتھائی سے کم رہ جائے

اس بنا پر جس چیز کو تاویل کہتے ہین، وہ تاویل نہین، کیونکہ جس معنی ہین ان کا استعمال ہوا ہے وہ بھی ظاہری ہی معنی ہین۔

غرض فذلکۂ سخن یہ ہے شرع مین جو امور بظاہر قابل بحث نظر آتے ہین ان کی متعدد صورتین ہین بعض امور ایسے ہین جو عام ادراک سے باہر ہین، ان کی حقیقت کے اظہار سے یا تو شریعت نے بالکل اعراض کیا ہے یا تشبیہ و تمثیل کے طریقہ سے بیان کیا ہے کہ ایک سرسری اور اجمالی خیال قائم ہو سکے۔

بعض ایسے ہین جو چندان دقیق نہین لیکن اس کی حقیقت کا اظہار جمہور عوام کے حق مین مضر ہے،

بعض ایسے ہن جو اگر صاف صاف بیان کر دئے جاتے تب بھی سمجھ مین آ سکتے تھے لیکن ان کو استعارہ اور تشبیہ کے پیرایہ مین اس غرض سے بیان کیا گیا کہ یہ طریقہ زیادہ موثر اور اوقع فی النفس ہے، مثلاً خدا کی قدرت کاملہ کو ان لفظون سے ادا کیا گیا کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے" امام غزالی اس صورت کو بیان کر کے لکھتے ہین کہ اکثر لوگون نے قیامت کے واقعات مثلاً میزان، پل صراط وغیرہ کو اسی قسم مین داخل کیا ہے، لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ ظاہری معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم نہین آتا"

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ امام صاحب کی یہ رائے احیاء العلوم اور کتب کلامیہ کے ساتھ مخصوص ہے ورنہ جواہر القرآن اور مضنون وغیرہ مین واقعات قیامت کے متعلق

اُن کی بھی یہی راے ہے چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے،

بعض جگہ حال کو زبان قال سے ادا کیا ہے مثلاً جمادات کی تسبیح۔

ان مختلف اقسام کا نتیجہ یہ ہے کہ شریعت مین جب کسی چیز کے وجود کا ذکر ہو تو یہ ضرور نہین کہ خواہ مخواہ وجود خارجی مقصود ہو بلکہ ممکن ہے کہ وجود حسّی یا خیالی یا عقلی یا شبہی مراد ہو جیسا کہ امام غزالی نے بہ تفصیل بیان کیا،

اس تمہید کے بعد اب ہم اصل مطلب شروع کرتے ہین،

روحانیات یا غیر محسوسات

ملائکہ - وحی - واقعاتِ قیامت وغیرہ وغیرہ

چونکہ یہ تمام چیزین قرآن مجید مین، مذکور ہین، اس لئے ان پر ایمان لانا واجب، اور شرط اسلام ہے اور اس لئے تمام اسلامی فرقون مین اجمالاً یہ عقائد مسلم ہین لیکن چونکہ قرآن مین ان کی کیفیت مذکور نہین اس لئے ان کی تشریح مختلف فرقون نے مختلف طریقون سے کی

اشاعرہ نے یہ دعوی کیا کہ یہ ضرور نہین کہ ایک شئی موجود ہو اور نظر بھی آسکے اس بنا پر ممکن ہے کہ یہ تمام چیزین موجود ہون اور نظر نہ آئین۔

شرح مواقف مین رویت باری کی بحث مین ہے

لانسلم وجوب الرؤیۃ عند	ہم یہ تسلیم نہین کرتے کہ رویت کی جب آٹھون شرطین موجود ہون

اِجْتِمَاعِ الشَّرُوطِ التَّمَاثُلِيَّةِ	تو خواہ مخواہ وہ شے نظر آئے۔

یہ دعویٰ جسقدر عجیب و غریب ہے، دلیل اس سے زیادہ عجیب ہے:

لِاَنَّا نَرَی الْجِسْمَ الْكَبِيْرَ مِنَ الْبَعِيْدِ صَغِيْرًا وَمَا ذٰلِكَ اِلَّا لِاَنَّا نَرَی بَعْضَ اَجْزَائِهٖ دُوْنَ الْبَعْضِ مَعَ تَسَاوِی الْكُلِّ فِی حُصُوْلِ الشَّرَائِطِ۔	کیونکہ ہم بڑے جسم کو دور سے چھوٹا دیکھتے ہیں اور اسکی صرف یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ ہم کو اسکے بعض جز نظر آتے ہیں اور بعض نہیں حالانکہ جو شرائط رویت کے ہیں وہ تمام اجزا میں پائی جاتی ہیں۔

یہی طفلانہ استدلالات اور احتمالات ہیں جنھوں نے آج قوم کی قوم کو نظر بندی اور اور سیون دور از کار باتون کا معتقد بنا دیا ہے۔

لیکن اشاعرہ ظاہرین کے سوا اور لوگ اس قسم کے دور از کار خیالات کے کیونکر قائل ہو سکتے تھے، امام غزالی۔ شیخ الاشراق۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور اور محققین نے اصل حقیقت پر توجہ کی اور اس عقدہ کو حل کیا۔ ان لوگون کا مذہب ہے کہ شریعت مین جن چیزون کا ذکر ہے اُن کی دو قسمین ہین، محسوسات عام، غیر محسوسات عام۔ رویت احساس اور تجربہ یہ تمام چیزین صرف محسوسات عام سے متعلق ہین، غیر محسوسات کو ان چیزون سے واسطہ نہین لیکن باایںہمہ غیر محسوسات بھی حقائق موجودہ ہین کیونکہ یہ ضرور نہین کہ جو خارج مین موجود یا محسوس عام نہ ہو، وہ واقع مین بھی نہ ہو کیونکہ واقعیت وجود خارجی پر محدود نہین

لیکن چونکہ حقائق واقعیہ کے لیے آخر کسی نہ کسی قسم کا وجود ضرور ہے۔ اس لئے محققین اسلام نے اسکے مختلف نام رکھے۔ ...روحانیات کا وجود کس قسم کا ہے

امام غزالی اس وجود کو وجود حسّی سے تعبیر کرتے ہین اور اس کی تعریف جیسا کہ ہم

تاویل کی بحث مین اُن کی اصلی عبارت نقل کر آئے ہین، یہ لکھتے ہین کہ یہ وجود صرف خاص شخص کے ساتھہ سے تعلق رکھتا ہے

انبیا کو ملائکہ کی صورت جو نظر آتی ہے، آنحضرت کو حضرت جبریل جس طرح مرئی ہوتے تھے، حضرت مریم نے حضرت جبریل کو جس صورت مین دیکھا تھا، امام صاحب سبکو اسی وجود کے تحت مین داخل کرتے ہین۔ چنانچہ تاویل کی بحث مین، امام صاحب کی اصلی عبارت ہم نقل کر آئے ہین۔

مضنون بہ علی غیر اہلہ مین امام صاحب نے معجزات کی بحث مین اس وجود کو خیالی کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہین۔

إِنَّ لِسَانَ الْحَالِ يَصِيرُ مُتَشَاهَدًا مَحْسُوْسًا عَلٰى سَبِيلِ التَّمْثِيلِ وَهٰذِهٖ خَاصَّةُ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَمَا أَنَّ لِسَانَ الْحَالِ يَتَمَثَّلُ فِي الْمَنَامِ لِغَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ وَيَسْمَعُوْنَ صَوْتًا وَكَلَامًا فَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَرَوْنَ ذٰلِكَ فِي الْيَقَظَةِ وَتُخَاطِبُهُمْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءُ فِي الْيَقَظَةِ	زبان حال، بطور تمثیل کے، مشاہد اور محسوس بنجاتی ہے اور یہ انبیا اور رُسل کا خاصہ ہے، جس طرح کہ خواب کی حالت مین زبان حال عام لوگون کے لئے متمثل ہو جاتی ہے تو وہ لوگ آوازین اور باتین سنتے ہین، تو انبیا علیہم السلام ان چیزون کو بیداری کی حالت مین دیکھتے ہین، اور یہ چیزین اُن سے بیداری کی حالت مین خطاب کرتی ہین۔

قبر کے واقعات کو بھی امام صاحب اسی عالم کے واقعات قرار دیتے ہین۔ چنانچہ الغزالی مین ہم نے امام صاحب کے اصلی الفاظ نقل کئے ہین۔

شیخ الاشراق کا مذہب

شیخ الاشراق کا یہ مذہب ہے کہ عالم محسوسات کے سوا، ایک اور عالم ہے جسکو عالم اشباح یا عالم امثال کہتے ہین، انکا استدلال یہ ہے کہ قوت تخیلہ مین یا آئینہ مین جو صورتین نظر آتی ہین، وہ درحقیقت تخیلہ اور آئینہ مین موجود نہین ہین، بلکہ یہ چیزین اُن کے ظہور کا ایک آلہ ہین، اور چونکہ اس امر سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ وہ واقعی چیزین ہین اس لئے ضرور ہے کہ ایک عالم اشباح اور امثال تسلیم کیا جائے جہان ان صورتون کا اصلی وجود ہے، شیخ الاشراق، جن اور شیاطین کو بھی اسی عالم مین شمار کرتے ہین، ان کے نزدیک حشر اجساد، اور بہشت و دوزخ وغیرہ سب کا وجود اسی قسم مین داخل ہے چنانچہ حکمۃ الاشراق مین عالم اشباح کا ذکر کر کے لکھتے ہین۔

وَبِہٖ تَحَقَّقَ بَعْثُ الْاَجْسَادِ وَالْاَشْبَاحِ الرَّبَّانِیَّۃِ وَجَمِیْعُ مَوَاعِیْدِ النُّبُوَّۃِ	قیامت مین اجسام کا زندہ ہونا، اور اشباح ربانی اور نبوت کے تمام وعدے، اسی عالم اشباح سے ثابت ہوتے ہین۔

اسی کتاب مین ایک اور موقع پر لکھتے ہین،

وَمَا یَسْمَعُ الْمُکَاشِفُوْنَ کَالْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ مِنَ الْاَصْوَاتِ الْھَائِلَۃِ لَا یَجُوْزُ اَنْ یُّقَالَ اِنَّہٗ تَمَوُّجُ ھَوَاءٍ فِیْ دِمَاغٍ فَاِنَّ الْھَوَاءَ تَمَوُّجُہٗ بِتِلْکَ الْقُوَّۃِ لَہٗ سَائِرُ الْاِدْمَاغِ لَا یُتَصَوَّرُ بَلْ ھُوَ مِثَالُ الصَّوْتِ اَیِ الْمَوْجُوْدِ فِیْ عَالَمِ الْمِثَالِ	اور اہل کشف (یعنی پیغمبر اور اولیا) جو ہیبتناک آوازین سنتے ہین ان کی نسبت یہ نہین کہا جاسکتا کہ وہ دماغ مین ہوا کے تموج سے پیدا ہوئے ہین کیونکہ ہوا کا تموج جو اس زور کے ساتھ دماغ سے ٹکرائے خیال مین نہین آسکتا بلکہ وہ اُس آواز کی تصویر ہے جو عالم مثال مین موجود ہے

لے اس عبارت مین جو تفسیری جملے ہین، شرح حکمۃ الاشراق سے لئے ہین۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہین۔

وَمَا يَتَلَقَّى الْاَنْبِيَاءُ وَالْاَوْلِيَاءُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ فَاِنَّهَا قَدْ تَرِدُ عَلَيْهِمْ فِيْ اَسْطُرٍ مَكْتُوبَةٍ وَقَدْ تَرِدُ بِسَمَاعِ صَوْتٍ قَدْ يَكُوْنُ لَذِيْذًا وَقَدْ يَكُوْنُ هَائِلًا وَقَدْ يُشَاهِدُوْنَ صُوَرَ الْكَائِنَاتِ وَقَدْ يَرَوْنَ صُوَرًا حَسَنَةً اِنْسَانِيَّةً تُخَاطِبُهُمْ فِيْ غَايَةِ الْحُسْنِ فَتُنَاجِيْهِمْ بِالْغَيْبِ وَقَدْ يُرَى الصُّوَرُ الَّتِيْ تُخَاطِبُ كَالتَّمَاثِيْلِ الصِّنَاعِيَّةِ فِيْ غَايَةِ اللُّطْفِ وَقَدْ تَرِدُ عَلَيْهِمْ خَطْرَةٌ وَقَدْ يَرَوْنَ اَشْبَاحًا مُعَلَّقَةً وَجَمِيْعُ مَا يُرٰى فِي الْمَنَامِ مِنَ الْجِبَالِ وَالْبُحُوْرِ وَالْاَرْضِيْنَ وَالْاَصْوَاتِ الْعَظِيْمَةِ وَالْاَشْخَاصِ كُلٌّ مِثْلٌ قَائِمٌ

اور پیغمبرون کو اور اولیاء کو عالم غیب کی جو باتین معلوم ہوتی ہین تو وہ کبھی لکھی ہوئی سطرون مین نظر آتی ہین کبھی آواز کی صورت مین جو کبھی لذیذ ہوتی ہے اور کبھی مہیب اور کبھی وہ لوگ کائنات کی صورتین دیکھتے ہین جو اُن سے نہایت لطف کے ساتھ خطاب کرتی ہین اور اُن سے غیب کی باتین کہتی ہین اور کبھی وہ صورتین جو خطاب کرتی ہین نہایت لطیف مصنوعی پیکرون مین نظر آتی ہین اور کبھی پر خطر معلوم ہوتی ہین اور کبھی وہ لوگ معلق مثالین دیکھتے ہین، اور جو کچھ خواب مین پہاڑ۔ دریا۔ زمین سخت آوازین، اور اشخاص نظر آتے ہین یہ سب مثالی صورتین ہین جو بذات خود قائم ہین۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث کو زیادہ مفصل لکھا ہے، انھون نے اُن نصوص کو جن مین اس قسم کی موجودات کا ذکر ہے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ ان نصوص پر جو شخص نظر ڈالے گا اس کو مجبوراً تین باتون سے ایک کا قائل ہونا پڑے گا، یا یہ تسلیم کرے کہ محسوسات کے علاوہ ایک عالم مثال بھی ہے، (شاہ صاحب اس عالم مثال کو محدثین کے اصول کے موافق بتاتے ہین) یا اس بات کا قائل ہو کہ خاص اس شخص کو ایسا نظر آتا ہے گو اس کے حاسہ سے باہر اس کا وجود نہین ہے، یا یہ کہ یہ واقعات بطور تمثیل کے بیان ہوئے ہین

ان احتمالات کو لکھکر شاہ صاحب لکھتے ہین کہ جو شخص صرف تیسرے ہی احتمال پر قناعت کرتا ہے، مین اسکو اہل حق سے نہین سمجھتا، شاہ صاحب تو فقط تیسرے احتمال کو باطل قرار دیتے ہین، لیکن ہمارے علما دو پہلے احتمالات کو بھی تسلیم کرلین تو تمام مرحلے طے ہو جاسے، اور فلسفہ زبان حال سے بول اُٹھے کہ۔

شکر ایزد کہ میان من و او صلح افتاد

بہرحال ہم شاہ صاحب کی پوری عبارت نقل کرتے ہین۔

بابُ ذِکرِ عالَمِ المِثال

اِعلَم اَنَّہٗ دَلَّت اَحادِیثُ کَثِیرَۃٌ عَلٰی اَنَّ فِی الوُجُودِ عالَماً غَیرَ عُنصُرِیٍّ یَتَمَثَّلُ فِیہِ المَعانِی بِاَجسامٍ مُناسِبَۃٍ لَہا فِی الصِّفَۃِ وَیَتَحَقَّقُ ہُنالِکَ الاَشیاءُ قَبلَ وُجُودِہا فِی الاَرضِ نَحواً مِنَ التَّحَقُّقِ فَاِذا وُجِدَت کانَت ہِیَ ہِیَ بِمَعنیً مِن مَعانِی ہُوَ ہُوَ وَاِنَّ کَثِیراً مِنَ الاَشیاءِ مِمّا لا جِسمَ لَہا عِندَ العامَّۃِ تَنتَقِلُ وَتَنزِلُ وَلا یَراہا جَمِیعُ النّاسِ قالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ لَمّا خَلَقَ اللّٰہُ الرَّحِمَ

عالم مثال کا ذکر

جاننا چاہیے کہ بہت سی حدیثون سے ثابت ہوتا ہے کہ کہ عالم موجودات مین ایک ایسا عالم بھی ہے جو غیر عنصری ہے اور جسمین معانی اُن اجسام کی صورت مین متشکل ہوتے ہین جو اوصاف کے لحاظ سے اُنکے مناسب ہین، پہلے اُس عالم مین اشیاء کا ایک گونہ وجود ہو لیتا ہے تب دنیا مین اُنکا وجود ہوتا ہے، اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار سے بالکل اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے۔ اکثر وہ اشیا جو عوام کے نزدیک جسم نہین رکھتین اس عالم مین منتقل ہوتی ہین اور اترتی ہین اور عام لوگ ان کو نہین دیکھتے، آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب خدا نے رحم کو

قامت فقالت هذا مقام العائذ بك من
القطيعة وقال ان البقرة وآل عمران تاتيان
يوم القيمة كانهما غمامتان او غيايتان او
فرقان من طير صواف تحاجان عن اهلهما
وقال تجيء الاعمال يوم القيمة فتجيء الصلوة ثم
تجيء الصدقة ثم تجيء الصيام الحديث
وقال ان المعروف والمنكر لخليقتان
تنصبان للناس يوم القيمة فاما
المعروف فيبشر اهله واما المنكر فيقول
اليكم اليكم ولا يستطيعون له الا لزوما و
قال ان الله تعالى يبعث الايام يوم
القيمة كهيئتها ويبعث الجمعة زهراء
منيرة وقال يؤتى بالدنيا يوم القيمة
في صورة عجوز شمطاء زرقاء انيابها
مشوه خلقها وقال هل ترون ما ارى
فاني لارى مواقع الفتن خلال بيوتكم
كمواقع القطر دمتال في ١٠

پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے
جو قطع رحم سے پناہ مانگ کر تیرے پاس پناہ ڈھونڈھتا
ہے، اور آنحضرت نے فرمایا کہ سورہ بقرہ اور آل عمران
قیامت مین بادل، یا سائبان، یا صف بستہ پرندونکی
شکل مین آئینگی اور ان لوگون کی طرف سے وکالت کرینگی
جنھون نے انکی تلاوت کی ہے، اور آنحضرت نے فرمایا ہے کہ قیامت
مین اعمال حاضر ہون گے تو پہلے نماز آئیگی، پھر خیرات۔ پھر
روزہ الخ۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مخلوق
ہین جو قیامت مین لوگونکے سامنے کھڑی کیجائینگی سو
نیکی۔ نیکی والون کو بشارت دیگی، اور برائی برائی والونکو
کہیگی کہ ہٹو ہٹو لیکن وہ لوگ اس سے چمٹے ہی رہینگے۔ اور آنحضرت
نے فرمایا ہے کہ قیامت مین اور جتنے دن ہین وہ معمولی صورت
مین حاضر ہونگے لیکن جمعہ کا دن چمکتا دمکتا ہوا آئیگا۔ اور
آنحضرت نے فرمایا ہے کہ قیامت مین دنیا ایک بڑھیا کی صورت
مین لائی جائیگی جسکے بال کھچڑی، دانت نیلے اور صورت بدنما
ہوگی۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو مین دیکھتا ہون کیا تم
بھی دیکھتے ہو مین دیکھ رہا ہون کہ فتنے تمہارے گھرون پر اسطرح

فِي حَدِيثِ الْإِسْرَاءِ فَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ
نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ
فَقُلْتُ مَا هٰذَانِ يَا جِبْرِيلُ قَالَ أَمَّا
الْبَاطِنَانِ فَفِي الْجَنَّةِ وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ
فَالنِّيلُ وَالْفُرَاتُ وَقَالَ فِي حَدِيثِ
صَلٰوةِ الْكُسُوفِ صُوِّرَتْ لِيَ الْجَنَّةُ
وَالنَّارُ وَفِي لَفْظٍ بَيْنِي وَبَيْنَ جِدَارِ
الْقِبْلَةِ وَفِيهِ أَنَّهُ بَسَطَ يَدَهُ لِيَتَنَاوَلَ
عُنْقُودًا مِنَ الْجَنَّةِ وَأَنَّهُ تَكَعْكَعَ
مِنَ النَّارِ وَنَفَرَ مِنْ حَرِّهَا وَرَأَى
فِيهَا سَارِقَ الْحَجِيجِ وَالْمَرْأَةَ الَّتِي
رَبَطَتِ الْهِرَّةَ حَتّٰى مَاتَتْ وَرَأَى فِي الْجَنَّةِ
امْرَأَةً مُومِسَةً سَقَتِ الْكَلْبَ وَمَعْلُومٌ
أَنَّ تِلْكَ الْمَسَافَةَ لَا تَسَعُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ
بِأَجْسَادِهِمَا الْمَعْلُومَةِ عِنْدَ الْعَامَّةِ
وَقَالَ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ
وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

برس رہے ہیں جس طرح بادل کے قطرے۔ اور آنحضرت
نے معراج کی حدیث میں فرمایا کہ اچانک چار نہریں نظر آئیں،
دو نہریں اندر تھیں اور دو باہر میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ
کیا ہے، بولے اندر کی نہریں تو جنت کی ہیں اور باہر کی نیل
اور فرات ہیں، اور آنحضرت نے کسوف کی نماز کے متعلق
فرمایا کہ بہشت اور دوزخ میری سامنے مجسم کر کے لائی گئیں اور
ایک روایت میں ہے کہ میری اور قبلہ کی دیواروں کے بیچ میں
بہشت و دوزخ مجسم ہو کر آئیں میں نے ہاتھ پھیلائے کہ بہشت میں سے
انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں لیکن دوزخ کی گرمی کی لپٹ سے
رک گیا۔ اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے حاجیوں کے چور کو اور
ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا جسنے ایک بلی کو باندھکر مار ڈالا
تھا اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت میں دیکھا جسنے کتے کو
پانی پلایا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت،
جو عام لوگوں کے خیال میں ہے وہ اسقدر مسافت (یعنی
کعبہ کی چار دیواری) میں نہیں سما سکتی۔ اور حدیث میں
ہے کہ بہشت کو مکروہات نے اور دوزخ کو شہوات نے
چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔

ثم امر جبريل ان ينظر اليهما وقال
ينزل البلاء فيعالجها الدعاء وقال
خلق الله العقل فقال له اقبل فاقبل
وقال له ادبر فادبر وقال هذان كتابان
من رب العلمين الحديث وقال
يؤتى بالموت كانه كبش فيذبح
بين الجنة والنار وقال تعالى
فارسلنا اليها روحنا فتمثل لها
بشرا سويا واستفاد فى الحديث
ان جبريل كان يظهر للنبى صلى الله
عليه وسلم ويترائ له فيكلمه ولا يراه
سائر الناس وان القبر يفسح سبعين
ذراعا فى سبعين او يضم حتى تختلف
اضلاع المقبور وان الملئكة تنزل
على المقبور فتسأله وان عمله يتمثل
له وان الملئكة تنزل الى المحتضر
بايديهم الحرير والمسح

پھر جبریل کو خدا نے حکم دیا کہ دونوں کو دیکھیں۔ اور حدیث
مین ہے کہ بلا اترتی ہے تو دعا اس کا توڑ کرتی ہے اور حدیث
مین ہے کہ خدا نے عقل کو پیدا کیا اور اس سے کہا کہ آگے آ
تو وہ آگے آئی، پھر کہا کہ پیچھے ہٹ تو ہٹ گئی اور حدیث
مین ہے کہ یہ دونوں کتابین پروردگار عالم کی طرف سے
ہین الخ اور حدیث مین ہے کہ موت ایک مینڈھے کی شکل
مین لائی جائے گی، پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان
ذبح کر دی جائے گی۔

اور خدا نے فرمایا کہ ہم نے روح، مریم کے پاس بھیجی
تو وہ اُن کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بنکر آئی، اور
حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جبریل آنحضرت کے سامنے آتے
تھے اور آپ سے باتین کرتے تھے اور کوئی اُنکو نہین دیکھتا تھا
اور حدیث مین ہے کہ قبر ہفتاد در ہفتاد گز موٹی ہو جاتی
ہے یا اس قدر سمٹ آتی ہے کہ مردہ کی پسلیان بھُرکس
ہو جاتی ہین۔ اور حدیث مین ہے کہ فرشتے قبر مین آتے ہین او
مردہ سے سوال کرتے ہین اور مردہ کا عمل مجسم ہو کر اُسکے سامنے
آتا ہے، اور نزع کی حالت مین فرشتے حریر یا گرمی کا کپڑا

وان الملائكة تضرب المقبور بمطرقة من
حديد فيصيح صيحة يسمعها ما بين
المشرق والمغرب وقال النبي صلى الله
عليه وسلم يسلط على الكافر في قبره
تسعة وتسعون تنينا تنهسه وتلدغه
حتى تقوم الساعة وقال اذا دخل الميت
القبر مثلت له الشمس عند غروبها فيجلس
يمسح عينيه ويقول دعوني اصلي واستفاض
في الحديث ان الله تعالى يتجلى بصور كثيرة
لاهل الموقف وان النبي صلى الله عليه
وسلم يدخل على ربه وهو على كرسيه
وان الله تعالى يكلم ابن ادم شفاها الى
غير ذلك مما لا يحصى كثرة - والناظر في
هذه الاحاديث بين احدى ثلث اما
ان يقر بظاهرها فيضطر الى اثبات عالم
ذكرنا شانه وهذه هي التي يقتضيها
قاعدة اهل الحديث -

لیکر آتے ہین، اور فرشتے مردہ کو لوہے کے گرز سے مارتے ہین
مردہ شور کرتا ہی اور اسکے شور کی آواز مشرق سے مغرب
تک کی چیزین سنتی ہین، اور حدیث مین ہے کہ قبرین کافر
کے اوپر ننانوے ۹۹ اژدہے مسلط ہوتے ہین جو اس کو کاٹتے
ہین تا بہ قیامت - اور حدیث مین ہی کہ جب مردہ قبر مین آتا
ہی تو اسکو نظر آتا ہی کہ آفتاب غروب ہو رہا ہی، وہ اُٹھ بیٹھتا ہے
اور کہتا ہی کہ ٹھہرو مین نماز پڑھ لون - اور حدیث مین اکثر
جگہ آیا ہی کہ قیامت مین خدا بہت سی مختلف صورتون مین
لوگون کے سامنے جلوہ گر ہوگا - اور آنحضرت خدا کے پاس
اس حالت مین جائین گے کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوگا اور
یہ کہ خدا انسانون سے بالمشافہ بات چیت کریگا، اس قسم
کی اور بہت سی حدیثین ہین جنکا شمار نہین ہو سکتا -
ان حدیثون کو جو شخص دیکھے گا تو تین باتون مین سے ایک
نہ ایک بات اسکو ماننی پڑیگی یا تو ظاہری معنی مراد لے اور
اس صورت مین اسکو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا پڑیگا
جسکی کیفیت ہم بیان کر چکے (یعنی عالم مثال) اور یہ صورت
وہ ہی جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہی چنانچہ

نَبَّهَ عَلَى ذَلِكَ السُّيُوطِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى
وَبِهَا أَقُولُ وَإِلَيْهَا أَذْهَبُ أَوْ يَقُولُ
إِنَّ هٰذِهِ الْوَقَائِعَ تَتَرَاءَى بِحِسِّ الرَّائِي
وَتَتَمَثَّلُ لَهُ فِي بَصَرِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ خَارِجَ
حِسِّهِ وَقَالَ بِنَظِيرِ ذَلِكَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ
مَسْعُودٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ
بِدُخَانٍ مُبِينٍ إِنَّهُمْ أَصَابَهُمْ جَهْدٌ
فَكَانَ أَحَدُهُمْ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرَى
كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجُوعِ وَبُعْدُ كَرَ
عَنِ ابْنِ الْمَاجِشُونِ أَنَّ كُلَّ حَدِيثٍ
جَاءَ فِي التَّنَقُّلِ وَالرُّؤْيَةِ فِي الْمَحْشَرِ فَمَعْنَاهُ
أَنَّهُ يُغَيِّرُ أَبْصَارَ خَلْقِهِ فَيَرَوْنَهُ
نَازِلًا مُتَجَلِّيًا وَيُنَاجِي خَلْقَهُ
وَيُخَاطِبُهُمْ وَهُوَ غَيْرُ مُتَغَيِّرٍ عَنْ
عَظَمَتِهِ وَلَا مُتَنَقِّلٍ لِيَعْلَمُوا أَنَّ
اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ أَوْ يَجْعَلُهَا
تَمْثِيلًا لِتَفْهِيمِ مَعَانٍ أُخَرَ اھ

سیوطی نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے اور خود میری بھی یہی
رائے اور یہی مذہب ہے۔ یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھنے والے
کے حاسہ میں واقعات کی یہی شکل ہوگی، اور اس کی نظر
میں وہ اسی طرح جلوہ گر ہونگے، گو اسکے حاسہ کے باہر انکا وجود
نہ ہو چنانچہ قرآن مجید میں جو آیا ہے کہ آسمان اُس دن صاف
دھواں بن کر آئیگا، اسکے معنی حضرت عبداللہ ابن مسعود نے
اسی کے قریب قریب لیے ہیں یعنی یہ کہ لوگوں پر قحط پڑا تھا
تو جب کوئی آسمان کیطرف دیکھتا تھا تو اسکو بھوک کی وجہ
سے آسمان دھواں سا معلوم ہوتا تھا، ابن ماجشون
(مشہور محدث تھے) سے مروی ہے کہ جن حدیثوں میں خدا کے اترنے
اور مرئی ہونیکا ذکر ہے انکے معنی یہ ہیں کہ خدا مخلوقات کی نظر میں
ایسا تغیر پیدا کر دیگا کہ وہ خدا کو ایسی حالت میں دیکھینگے کہ وہ
اتر رہا ہے اور تجلی کر رہا ہے، اور اپنے بندوں سے گفتگو و خطاب
کر رہا ہے، حالانکہ خدا کی جو شان ہے نہ اسمیں تغیر ہوگا نہ خدا
منتقل ہوگا، اور یہ اس لیے ہوگا کہ لوگ جان لیں کہ خدا ہر چیز پر
قادر ہے تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب باتیں بطور تمثیل کے بیان
کی گئی ہیں جنسے اور مطالب کا ذہن نشین کرنا مقصود ہے

وَلَسْتُ اَدْرِی الْمُقْتَصِرَ عَلَی الثَّالِثَةِ مِنْ اَهْلِ الْحَقِّ	لیکن جو شخص، صرف اسی احتمال پر بس کرتا ہے مین اسکو اہل حق مین سے شمار نہین کرتا۔

شاہ صاحب ایک اور عالم کے قائل ہین جس کو وہ عالم مثال اور عالم محسوسات کے بیچ بیچ مین قرار دیتے ہین اور اس کا نام برزخ رکھتے ہین چنانچہ وحی۔ رویت ملائکہ، معراج نبوی براق، سدرۃ المنتہی انہار جنت وغیرہ وغیرہ ان سب واقعات کی تفسیر اسی عالم کی بنا پر کی ہے حجۃ اللہ البالغہ مین جہان آنحضرت کی سیرت لکھی ہے، وحی کی نسبت پہلے یہ حدیث نقل کی ہی کہ آنحضرت پر وحی کبھی تو اس طرح آتی تھی کہ گھنٹہ کی سی آواز سنائی دیتی تھی اور کبھی فرشتہ مجسم ہوکر نظر آتا تھا، پھر اس کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے۔

اَمَّا الصَّلْصَلَۃُ فَحَقِیْقَتُھَا اَنَّ الْحَوَاسَّ اِذَا صَادَمَھَا تَاثِیْرٌ قَوِیٌّ تَشَوَّشَتْ فَتَشْوِیْشُ قُوَّۃِ الْبَصَرِ اَنْ یَّرَی اَلْوَانًا الْحُمْرَۃِ وَالصُّفْرَۃِ وَالْخُضْرَۃِ وَتَشْوِیْشُ قُوَّۃِ السَّمْعِ اَنْ یَّسْمَعَ اَصْوَاتًا مُبْھَمَۃً کَالطَّنِیْنِ وَالصَّلْصَلَۃِ وَالْھَمْھَمَۃِ فَاِذَا تَمَّ الْاَثَرُ حَصَلَ الْعِلْمُ وَاَمَّا التَّمَثُّلُ فَھُوَ فِیْ مَوْطِنٍ یَجْمَعُ بَعْضَ اَحْکَامِ الْمِثَالِ وَالشَّھَادَۃِ وَلِذٰلِکَ	باقی صلصلہ (گھنٹے کی آواز) تو اس کی حقیقت یہ ہی کہ حواس پر جب کسی قوی تاثیر کا صدمہ پہنچتا ہی تو وہ مشوش ہو جاتا ہی تو قوت بصارت کی تشویش یہ ہو کہ سرخ۔ زرد سبز رنگ نظر آتے ہین۔ اور قوت سمع کی تشویش یہ ہی کہ مبہم آوازین سننے مین آتی ہین۔ مثلاً طنین صلصلہ ہمہمہ۔ پھر جب اثر پورا ہو چکتا ہے تو علم حاصل ہو جاتا ہی، باقی فرشتہ کا مجسم بن کر آنا تو یہ اس عالم کی بات ہی جسمین عالم مثال کے اور عالم شہادت کی بعض آثار مجتمع ہوتی ہین اور یہی وجہ ہے

لہ از صفحہ ۳۸۵ تا ۳۸۷

كان يرى الملك بعضهم دون بعض -

کہ فرشتہ بعض کو نظر آتا تھا اور بعض کو نہین

پھر معراج کے متعلق لکھتے ہین

وَكُلُّ ذٰلِكَ بِجَسَدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْيَقَظَةِ وَلٰكِنَّ ذٰلِكَ فِي مَوْطِنٍ هُوَ بَرْزَخٌ بَيْنَ الْمِثَالِ وَالشَّهَادَةِ جَامِعٌ لِاَحْكَامِهِمَا فَظَهَرَ عَلَى الْجَسَدِ اَحْكَامُ الرُّوْحِ وَتَمَثَّلَ الرُّوْحُ وَالْمَعَانِي الرُّوْحِيَّةُ اَجْسَادًا وَلِذَالِكَ بَانَ لِكُلِّ وَاقِعَةٍ مِّنْ تِلْكَ الْوَقَائِعِ تَعْبِيْرٌ - وَقَدْ ظَهَرَ لِحِزْقِيْلَ وَمُوْسٰى وَغَيْرِهِمَا عَلَيْهِمُ السَّلَامُ نَحْوٌ مِّنْ تِلْكَ الْوَقَائِعِ وَكَذٰلِكَ لِاَوْلِيَاءِ الْاُمَّةِ

اور یہ سب واقعات آپکے جسم پر بحالت بیداری مین گذرے لیکن اُس عالم مین جو مثال و شہادت کے بیچ مین ہے اور دونون کے آثار کا جامع ہے، تو جسم پر روح کے واقعات ظاہر ہوے، اور روح اور روحانی باتین مجسم بنکر نظر آئین اور اسی وجہ سے ان واقعات مین سے ہر واقعہ کی الگ تعبیر ظاہر ہوئی اور حزقیل اور حضرت موسی علیہ السلام وغیرہ کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے اور اسی طرح اولیا کو بھی پیش آتے ہین

اسکے بعد انھی اصول پر شاہ صاحب نے براق - ملاقاتِ انبیا - عروج افلاک - سدرۃ المنتہی بیت المعمور وغیرہ کی تشریح کی ہے -

شاہ صاحب کی تقریر اگرچہ نہایت حکیمانہ اور محققانہ ہے لیکن کسیقدر خلط مبحث ہو گیا ہے انھون نے عالم مثال اور برزخ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ مجازات و استعارات کو بھی عالم مثال مین داخل کر لیا ہے - مثلاً یہ حدیث کہ قیامت مین موت مینڈھے کی صورت مین آئے گی اور ذبح کر دی جائے گی، صرف بیان کا ایک پیرایہ ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مابعد الموت پھر موت نہین، شاہ صاحب اس کو بھی عالم مثال کا واقعہ قرار دیتے ہین -

امام غزالی شیخ الاشراق اور شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان مین جو جزئی تفاوت ہے اُس سے اگر قطع نظر کر لی جائے تو قدر مشترک یہ ہوگا کہ شریعت مین جو امور بظاہر خلاف عقل ہین اُن کی حسب ذیل قسمین ہین۔

شریعت مین جو امور خلاف عقل ہین انکے اقسام

(۱) اکثر جگہ محض مجاز و استعارہ ہے۔ مثلاً جمادات کی تسبیح، آسمان و زمین سے خطاب اور انکا جواب ہے۔ ازل مین بنی آدم کا اقرار۔ خدا کا عرش پر متمکن ہونا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) روحانیات کو جسمانیات کے پیرایہ مین ادا کیا ہے، اور یہ طریقہ تمام مذاہب مین مشترک ہے، انسان صرف اُن چیزون کا تصور کر سکتا ہے جو اُس نے حواس سے محسوس کی ہون اسلئے جب ان چیزون کا بیان کرنا ہوگا جو آیندہ زندگی سے تعلق رکھتی ہین اور اُسکے تصور سے بالکل بالاتر ہین تو ضرور ہے کہ ان کو جسمانیات کے پیرایہ مین ادا کیا جائے۔ مثلاً موت کے بعد جو راحت و رنج ہوگا اس کو بجز اسکے کہ باغ و انہار، اور کژدم و مار سے تعبیر کیا جائے اور کیا طریقہ ہے، علامہ ابن تیمیہ ٹھیٹ ظاہری ہین لیکن ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ۔

ثم ان الله سبحانه وتعالى اخبرنا بما وعدنا به في الدار
الآخرة من النعيم والعذاب واخبرنا بما يوكل ويشرب
وينكح ويفرش فلولا معرفتنا بما يشبه ذلك
في الدنيا لم نفهم ما وعدنا به۔
ونحن نعلم مع ذلك ان تلك الحقائق[1]

پھر خداے پاک نے ہم کو اُن تمام انعام اور رنج کی خبر دی جس کا قیامت مین وعدہ کیا ہے اور وہ اس طرح کہ طعام، شراب ازدواج، اور فرش کا ذکر کیا تو اگر اس قسم کی چیزون سے ہم دنیا مین واقف نہ ہو چکے ہوتے تو ان موعود چیزون کو کیونکر سمجھ سکتے تاہم ہم یہ بھی جانتے ہین کہ یہ چیزین دنیاوی چیزون کے مانند

[1] رسالہ شرح حدیث نزول۔

لَيْسَتْ مِثْلَ هٰذِهٖ حَتّٰى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَيْسَ فِي الدُّنْيَا مِمَّا فِي الْجَنَّةِ اِلَّا الْاَسْمَاءُ | نہین ہین، یہان تک کہ حضرت ابن عباس کا قول ہی کہ دنیا اور آخرت کی چیزون ہین۔نام کے سوا اور کسی چیز مین مشارکت نہین

مولانا روم نے جنسے بڑھکر شریعت کا رازدان، کون ہوگا، اس مضمون کو مختلف موقعون پر نہایت عمدہ مثالون کے ذریعہ سے ادا کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہین

ہیچ ماہیات اوصاف کمال | کس نداند جز بہ آثار و مثال
طفل ماہیت نداند طمث را | جز کہ گوئی ہست چون حلوا ترا
طفل را نبود ز وطی زن خبر | جز کہ گوئی ہست آن خوش چون شکر"
کے بود ماہیت ذوق جماع | مثل ماہیات حلوا۔ اے مطاع
لیک نسبت کرد از روے خوشی | با تو آن عاقل کہ تو کودک وشی

ایک اور موقع پر لکھتے ہین کہ جب کوئی استاد کسی بچہ کو تعلیم دینا چاہتا ہے تو اس کو بچہ کی زبان مین باتین کرنی پڑتی ہین، چنانچہ فرماتے ہین۔

بہر طفل نو۔ پدر "تی تی" کند | گرچہ عقلش ہندسہ گیتی کند
کم نگردد فضل استاد از علو | گر "الف چیزے ندارد"، گوید او[1]
از پے تعلیم آن بستہ دہن | گوید او "حطی" دہوز کلمن
در زبان او بباید آمدن | ان خود بیرون باید شدن

ایک اور موقع پر لکھتے ہین

[1] یعنی الف خالی ہے ب۔ کے پیٹ مین ایک

چون کہ باکودکے سروکارت فتاد | ہم زبان کودکان باید گشاد
کہ بروکتاب تامرغت خرم | یامویز وجوز وفستق آورم

(۳) وہ روحانیات یا معانی ہین جو انبیا کو جسمانی صورت مین محسوس ہوتی ہین، یہی چیز ہے جس کو شاہ ولی اللہ صاحب اور شیخ الاشراق، عالم مثال، اور عالم اشباح سے تعبیر کرتے ہین اور امام غزالی اسکا نام تمثل خیالی رکھتے ہین۔ اور چونکہ یہی صورت کثیر الوقوع ہے اور چونکہ ملاحدہ کو اسی پر زیادہ اعتراض ہے۔ اس لئے ہم اس کو زیادہ توضیح اور تفصیل سے لکھتے ہین۔

سب سے پہلے یہ ظاہر کرنا ہے کہ علوم موجودہ اور فلسفہ حال کے رو سے اس احتمال پر کوئی اعتراض وارد نہین ہوتا۔ تمثل خیالی کی حقیقت جو امام غزالی نے بیان کی وہ یہ ہے کہ "معانی متمثل ہوکر نظر آتے ہین اور آوازین اور باتین سنائی دیتی ہین جیساکہ خواب مین ہوتا ہے" خواب کی حالت سے تو کسی کو انکار نہین ہوسکتا۔ اب اسپر غور کرنا چاہئے کہ خواب مین یہ حالت کیون پیش آتی ہے، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ خواب مین حواس ظاہری معطل ہوتے ہین اور روح یا نفس، یا قوت متخیلہ تنہا کام کرتی ہے، اب اگر کسی شخص کو بعض اوقات استغراق ور محویت کی وجہ سے بیداری مین بھی خواب کی حالت طاری ہو تو اس قسم کے امور کا محسوس ہونا کوئی تعجب کی بات نہین۔ ان محسوسات کو ہم محسوسات عام نہین کہتے جن کی بنا پر یہ لازم آئے کہ وہ اورون کو بھی محسوس ہون، بلکہ وہ خاص انبیا اور اولیاء کے حواس کے ساتھ مخصوص ہین اور اس صورت مین ان امور کا عام طور پر محسوس ہونا ضرور نہین، اسی نکتہ کو مولانا روم نے

ان الفاظ مین ادا کیا ہے۔

فلسفی کو منکر حنانہ است | از حواس انبیا بیگانہ است
نطقِ خاک و نطقِ آب و نطقِ گِل | ہست محسوس حواس اہلِ دل

امام غزالی اور دیگر محققین نے اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور چونکہ یہ ایک نہایت نازک نکتہ ہے جس مین سے ذرا سے تغیر سے اصل حقیقت کی صورت بدل جاتی ہے، اسلیے ہم ان محققین کے اصلی الفاظ نقل کرتے ہین، اور خود صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہین۔

مقاصد المراصد[1] مین ہے

فِي الرُّؤيَا وَالوَحيِ وَالاِلهَامَاتِ وَالمُخبَرَاتِ وَالكَرَامَاتِ عَلَى رَأيِ الحُكَمَاءِ[2]

وحی والہام وغیرہ کی حقیقت حکماے اسلام کی راے کے موافق

وَاعْلَمْ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَهُ قُوَّةٌ يَجْتَمِعُ فِيهِ صُوَرُ الْمَحْسُوسَاتِ لِأَنَّهُ يَحْكُمُ عَلَى هٰذَا الْحُلْوِ بِأَنَّهُ أَبْيَضُ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ قُوَّةٌ يَجْتَمِعُ فِيهَا هٰذِهِ الْمَحْسُوسَاتُ لَاسْتَحَالَ هٰذَا الْحُكْمُ بِدُونِ حُضُورِ الْمَحْكُومِ عَلَيْهِ وَالْمَحْكُومِ بِهِ وَيُسَمَّى هٰذِهِ الْقُوَّةُ بِالْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ وَيَنْطَبِعُ فِيهَا صُوَرُ الْمَحْسُوسَاتِ بِطَرِيقَيْنِ۔

أَحَدُهُمَا أَنَّ الْحَوَاسَّ الظَّاهِرَةَ الَّتِي هِيَ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالشَّمُّ

جاننا چاہیے کہ انسان مین ایک قوت ہے جس مین محسوسات کی صورتین جمع ہوتی ہین، کیونکہ انسان، شیرینی کی نسبت کہتا ہے کہ وہ سفید ہے، تو اگر کوئی ایسی قوت موجود نہین ہے جسمین محسوسات مجتمع ہوتے ہین تو یہ حکم کیونکر دے سکتا، کیونکہ جب کوئی حکم دیا جاے تو محکوم علیہ اور محکوم بہ دونون کا موجود ہونا ضروری ہے اس قوت کا نام حس مشترک ہے، اسمین محسوسات کی صورت، دو طریقے سے منقش ہوتی ہے۔

ایک یہ کہ حواس ظاہری یعنی سامعہ باصرہ، شامہ،

[1] جو عبارت ہم نے نقل کی ہے وہ سفینہ راغب پاشا سے منقول ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ (۱۶) [2] حکماے اسلام مراد ہین

وَالذَّوْقِ وَاللَّمْسِ تَأْخُذُ صُوَرَةَ الْمَحْسُوسَاتِ
وَتُؤَدِّيهَا إِلَى الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ. وَالثَّانِي أَنَّ
فِي الدِّمَاغِ قُوَّةً مُتَخَيِّلَةً مِنْ شَأْنِهَا تَرْكِيبُ الصُّوَرِ
وَتَفْصِيلُهَا وَهِيَ الَّتِي تُرَكِّبُ رَأْسَيْنِ عَلَى بَدَنِ انْسَانٍ
حَتَّى يَحْصُلَ صُورَةُ انْسَانٍ ذِي رَأْسَيْنِ وَتُفَصِّلُ
رَأْسَ الْاِنْسَانِ عَنْ بَدَنِهِ حَتَّى يَحْصُلَ تَصَوُّرُ
اِنْسَانٍ عَدِيمِ الرَّأْسِ وَهٰذِهِ اِذَا رَكَّبَتْ
مِنَ الصُّوَرِ وَوَرَدَتْ عَلَى الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ تَصِيرُ
مُشَاهَدَةً بِحَسَبِ مُشَاهَدَةِ الصُّوَرِ الْخَارِجِيَّةِ
لِاَنَّ الصُّوَرَ الَّتِي فِي الْخَارِجِ لَمْ تَكُنْ مُشَاهَدَةً
لِكَوْنِهَا خَارِجِيَّةً بَلْ لِكَوْنِهَا مُنْطَبِعَةً فِي الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ
فَتِلْكَ الصُّوَرُ الَّتِي رَكَّبَتْهَا اِذَا وَرَدَتْ عَلَى
الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ صَارَتْ مُشَاهَدَةً وَاِذَا
ثَبَتَ هٰذَا فَنَقُولُ اِنَّ الصُّورَةَ الَّتِي يَرَاهَا
النَّائِمُ اِمَّا اَنْ تَكُونَ مَوْجُودَةً
فِي الْخَارِجِ اَوْ لَا فَالْاَوَّلُ بَاطِلٌ
وَاِلَّا لَرَاٰهَا كُلُّ مَنْ كَانَ سَلِيمَ الْحِسِّ

ذائقہ، لامسہ، محسوسات کی صورتین لیکر حس مشترک کے پاس پہنچاتی
ہین۔ دوسری صورت یہ ہی کہ دماغ مین ایک قوت متخیلہ ہی اسکا
کام یہ ہی کہ صورتون کو ترکیب دیتی ہی اسی قوت کا کام ہی کہ
کہ ایک آدمی کے بدن پر دو سر فرض کرتی ہی یہان تک کہ ایک
ایسے انسان کی صورت بن جاتی ہی جس کے دو سر ہین،
اور اسی کا کام ہی کہ انسان کے سر کو جدا کر دیتی ہی یہانتک
کہ ایک ایسا انسان متشکل ہو جاتا ہی جس کے سر نہین، یہ قوت
جب صورتون کو ترکیب دیکر حس مشترک کے پاس حاضر کرتی ہی
تو وہ صورت نظر آنے لگتی ہی جس طرح کہ خارجی صورتین نظر
آتی ہین، کیونکہ خارجی صورتون کے نظر آنے کی یہ وجہ نہین کہ
وہ خارج مین موجود ہین بلکہ یہ وجہ ہی کہ وہ حس مشترک مین
منقش ہین۔ تو یہ صورتین جن کو قوت متخیلہ نے ترکیب دیا ہی جب
حس مشترک کے سامنے آتی ہین تو نظر آنے لگتی ہین اور جب
یہ ثابت ہوا، تو ہم کہتے ہین (یعنی اب اصل مقصد کو ثابت
کرتے ہین) کہ خواب مین جو صورتین نظر آتی ہین وہ دو
حالت سے خالی نہین، یا خارج مین موجود ہین، یا نہین پہلا
احتمال باطل ہی کیونکہ خارج مین موجود ہوتین تو ہر صحیح الحواس

وحيث لم يرها دل على انها من تركيب القوة
المتخيلة وهذه القوة لو خليت وطبعها
لصدر هذا الفعل دائما وانما لا يصدر
منها هذا الفعل لامرين احدهما اشتغال
الحس المشترك بالصور الواردة عليه من
خارج. والثاني تسلط النفس الناطقة عليها
بضبط فاذا زال المانعان او احدهما
صدر منها هذا الفعل والمانع الاول يزول
بالنوم فان الحواس اذا تعطلت بالنوم بقي
الحس المشترك خاليا عن الصور الواردة عليه
من خارج. والمانع الثاني يزول بالمرض فان
النفس في حالة المرض تكون مشغولة بجهته فتسلط
المتخيلة على تركيب الصور وتنطبع تلك الصور
في الحس المشترك فتصير مشاهدة

آدمی کو نظر آتین، اس لیے معلوم ہوا کہ خارج مین موجود نہین
بلکہ قوت متخیلہ کا فعل ہی، قوت متخیلہ اگر اپنی اصلی حالت پہ
رہنے پائے تو یہ فعل ہمیشہ اس سے سرزد ہو لیکن دو چیزین
مانع ہو جاتی ہین ایک یہ کہ حس مشترک اُن صورتون کے
قبول کرنے مین مشغول ہو جاتا ہی جو باہر سے آتی رہتی ہین
دوسرے یہ کہ نفس ناطقہ، قوت متخیلہ کو دبا لیتا ہی تو جب
یہ دونو مانع، یا ایک زائل ہو جاتا ہی تو قوت متخیلہ سے وہ فعل
سرزد ہونے لگتا ہی۔ پہلا مانع نیند کی حالت مین زائل ہو
جاتا ہی کیونکہ جب نیند کی وجہ سے حواس معطل ہو جاتے
ہین تو حس مشترک خارجی صورتون سے خالی ہو جاتا ہی
دوسرا مانع بیماری کی حالت مین زائل ہو جاتا ہی کیونکہ
بیماری کی حالت مین نفس مرض کی طرف متوجہ ہو جاتا ہی
تو اس حالت مین قوت متخیلہ صورتون کو ترکیب دینے لگتی ہی
اور یہ صورتین حس مشترک مین آکر مشاہدہ ہو جاتی ہین

واما الوحي والالهام

فالنفس الناطقة اذا كانت قوية بحيث لم
يكن اشتغالها بالبدن مانعا من ان تتصل

باقی وحی اور الہام تو ان کی حقیقت یہ ہی کہ نفس ناطقہ
جب اس قدر قوی ہوتا ہی کہ باوجود اشتغال بدن کے

بالمبادی القدسیۃ وکانت المتخیلۃ قویۃ بحیث
تقوی علی استخدام الحس المشترک عن
الحواس الظاہرۃ اتصلت فی حالۃ الیقظۃ
بالعقول المجردۃ والنفوس السماویۃ وحصل
لہا ادراک المغیبات علی وجہ کلی ثم المتخیلۃ
تحاکیہا بصورۃ جزئیۃ مناسبۃ لہا وتلقی
الی الحس المشترک فتصیر مشاہدۃ محسوسۃ
وقد یعرض لبعضہم ان یسمع کلاما
منظوما او یشاہد منظرا بہیا یخاطبہ
بکلام منظوم فیما یتعلق باحوالہ واحوال غیرہ

مبادی قدسیہ سے متصل ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ قوت
متخیلہ اس قدر قوی ہوتی ہے کہ حس مشترک کو حواس ظاہری
سے نجات دے سکتی ہے تو نفس ناطقہ بیداری کی حالت میں
بھی عقول مجردہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہو جاتا ہے اور
اسکو غیب کی باتوں کا ادراک کلی طور پر ہوتا ہے پھر قوت متخیلہ
اُسکے مشابہ ایک جزئی صورت پیدا کر لیتی ہے۔ یہ صورت
حس مشترک میں اتر کر مشاہد اور محسوس ہو جاتی ہے اور بعضوں کو
پیش آتا ہے کہ وہ مسلسل کلام سنتے ہیں یا کوئی اچھی صورت
دیکھتے ہیں جو اُنسے مسلسل الفاظ کے ذریعہ سے باتیں کرتی
ہے، یہ باتیں یا خود انھی کے متعلق ہوتی ہیں یا انکے تعلقات کے متعلق

امام غزالی کی کتاب معارج القدس میں ذکر ماہیت

امام غزالی نے معارج القدس میں نبوت کے عنوان سے جو بسیط مضمون لکھا ہے اس میں
ایک فصل نبوت کے خواص میں لکھی ہے چنانچہ لکھتے ہیں

بیان خواص النبوۃ۔

نبوت کے خواص کا بیان۔

ولہا خواص ثلث۔ احدہا تابعۃ

نبوت کے تین خاصے ہیں۔ ایک خاصہ قوت تخیل اور

لقوۃ التخیل والعقل العملی۔

قوت عقلی عملی کا تابع ہے

اس خاصہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، اس میں سے جو عبارت یہاں درج کے
قابل ہے حسب ذیل ہے۔

رسول خان

ثم ان المتخيلة يفعل مثل الفعل في حال الرؤيا
المحتاج الى التعبير بان يأخذ تلك الاحوال
ويحاكيها او يستولي على الحسية حتى يؤثر فيما يتخيل
فيها من تلك في قوة بنطاسيا[١] بان ينطبع
الصور الحاصلة فيها في البنطاسيا المشتركة
فيشاهد صورا الهية عجيبة مرئية واقاويل
الهية مسموعة هي مثل تلك المدركات
الوحيية وهذا ادون درجات المعنى المسمى
بالنبوة واقوى من هذا ان يستثبت تلك
الاحوال والصور على هيئتها بما يترك للقوة المتخيلة
من الانصراف الى محاكاتها باشياء اخرى
واقوى من هذا ان يكون المتخيلة مستمرة
في محاكاتها والعقل العملي والوهم لا يختلفان
عما استثبتاه فيثبت في الذاكرة مصورة ما
اخذت ويقبل المتخيلة على بنطاسيا ويحاكي
فيه ما قبلت بصورة عجيبة ومبصرة ويؤدي كل وا

پھر قوت متخیلہ وہی عمل کرتی ہی جو تعبیر طلب خوابون کی حالت
مین کرتی ہی یعنی یہ کہ ان واقعات کو لیتی ہی اور انکی نقل
اتارتی ہی۔ اور قوت حسیہ پر چھا جاتی ہے یہان تک کہ تخیل
قوت حس پر اسقدر اثر ڈالتا ہے کہ قوت متخیلہ مین جو صورتین
ہیتن وہ حس مشترک مین اتر آتی ہین تو اس حالت مین عجیب
عجیب خدائی صورتین نظر آتی ہین اور خدائی آوازین سنائی
دیتی ہین اور وہ ایسی ہوتی ہین جیسے کہ وحی کی مدرکات
اور یہ اُس وصف سے جس کو نبوت کہتی ہین کمتر درجہ ہی
اور اس سے قوی تر یہ درجہ ہی کہ یہ حالات اور صورتین اپنی
ہیئت پر اسطرح قائم ہوجائین کہ قوت متخیلہ کو یہ موقع نہ دین
کہ وہ دوسری چیزون کی تصویر اتار سکے۔
اور اس سے بھی زیادہ قوی یہ درجہ ہی کہ متخیلہ برابر اپنا کام
کرتی رہے اور قوت عقلیہ اور وہم اسکی قائم کردہ
صورتون سے اختلاف نکرین تو جو صورت متخیلہ نے قائم
کی ہی وہ حافظہ مین رہجائے گی اور قوت متخیلہ حس مشترک
پر اثر کریگی یہانتک کہ حس مشترک مین عجیب صورتین منقش ہوجائینگی ایک

[١] یونانی لفظ ہے جس کے معنی حس مشترک کے ہین۔

مِنْهُمَا عَلٰى وَجْهِهٖ وَهٰذِهٖ طَبَقَةُ النُّبُوَّاتِ الْمُتَعَلِّقَةُ بِالْقُوَّةِ الْعَقْلِيَّةِ وَالْخَيَالِيَّةِ	اپنا کام اپنے طریقہ پر کرے گی، اور یہ نبوت کا وہ طبقہ جو قوت عقلیہ اور خیالیہ سے متعلق ہے۔

امام صاحب نے اگرچہ اصل مطلب کو بہت پیچ دے کر بیان کیا ہے لیکن حاصل وہی ہے جو صاحب مقاصد نے صاف صاف لفظون مین ادا کیا ہے۔ اس مضمون کو بوعلی سینا کے حوالہ سے ابوالبقا نے نہایت مختصر اور جامع ومانع الفاظ مین ادا کیا ہی چنانچہ تعریفات مین جہان وحی کی تعریف لکھی ہے لکھا ہے

فَنَحْنُ نَرَى الْاَشْيَاءَ بِوَاسِطَةِ الْحِسِّ وَالنَّبِيُّ يَرَى الْاَشْيَاءَ بِوَاسِطَةِ الْقُوَى الْبَاطِنَةِ وَنَحْنُ نَرٰى ثُمَّ نَعْلَمُ وَالنَّبِيُّ يَعْلَمُ ثُمَّ يَرٰى	تو ہم لوگ اشیار کو حواس کے ذریعہ سے دیکھتے ہین اور پیغمبر قوی باطنی کے ذریعہ سے دیکھتا ہی۔ اور ہم لوگ ایک چیز دیکھتے ہین پھر جانتے ہین اور پیغمبر جانتا ہی پھر دیکھتا ہے

حکیم ابونصر فارابی، بوعلی سینا وغیرہ کی بھی یہی رائے ہی لیکن ہم نے ان کی تصریحات اس لئے نقل نہین کین کہ یہ لوگ مذہبی حیثیت سے مقتدا تسلیم نہین کیے جاتے۔

اسلام تمدن اور ترقی کا مانع نہین بلکہ موید ہی

یہ پانچوان معیار ہے جس کے رو سے مذہب کی صحت کا اندازہ کیا جاتا ہی منکرین مذہب کو جس چیز نے سب سے زیادہ مذہب کا دشمن بنا دیا ہے وہ یہ ہی کہ ان کے نزدیک تمام مذاہب دنیاوی ترقیون کے سد راہ ہین، وہ اس کے وجوہ یہ بیان کرتے ہین۔

(۱) مذہب عادیات تک محدود نہین رہتا بلکہ ہم جو کچھ کہتے یا کرتے ہین ہر ہر بات مین

کن کن وجوہ سے مذہب کو دنیاوی ترقی کا مانع کہا جاتا ہی

دست اندازی کرنا چاہتا ہے، چلنا پھرنا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ایک چیز بھی اسکی حد سے باہر نہین ہوسکتی - ایسے شکنجہ مین رہ کر انسان کیون کر ترقی کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن قومون نے عجب ترقی کی ہمیشہ اس قسم کی مذہبی سخت گیریون سے آزاد ہوکر کی -

(۲) مذہبی اعمال ایسے سخت ہوتے ہین کہ ان کی پابندی معاشرت اور تمدن کی ترقی کا موقع نہین دیتی

(۳) ہر مذہب دوسرے مذہب والون کے ساتھ سخت تعصب اور نفرت کی تلقین کرتا ہی اسی کا نتیجہ تھا کہ کبھی کسی قوم نے غیر مذہب والون پر انصاف کے ساتھ حکومت نہین کی جسکی وجہ سے نوع انسانی کا ایک گروہ کثیر ہمیشہ ذلیل وخوار رہ کر تمدن اور تہذیب سے محروم رہا-

عام مذاہب کی نسبت یہ اعتراضات واقعیت سے خالی نہین، لیکن ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ مذہب اسلام، ان اعتراضات کا ہدف ہوسکتا ہے یا نہین

بے شبہ، اکثر مذاہب نے انسان کے ہر ہر جزئی فعل کو مذہب کے شکنجہ مین جکڑا ہے لیکن اسلام اسی غرض سے آیا کہ اس قسم کی تنگ ورزیون کو مٹا دے - یہودیون کے ہان ایک ایک چیز مذہب کے شکنجہ مین جکڑی ہوئی تھی، خدا نے آنحضرت کی بعثت کا بڑا مقصد یہ قرار دیا کہ یہ قیدین اور بندشین اٹھا دی جائین -

یہ باتین مذہب اسلام مین نہین پائی جاتین

قرآن مجید مین ارشاد کیا

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ	جو لوگ کہ پیغمبر امی کی پیروی کرتے ہین جن کا نام اپنے ہان توریت وانجیل مین لکھا ہوا پاتے ہین وہ انکو اچھی بات کا

اسلام

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ	حکم دیتا ہو اور بری بات سے روکتا ہے اور پاک چیزونکو
الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ	اُنکے لیے حلال کرتا ہو اور ناپاک چیزون کو اُنپر حرام کرتا ہو
إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف۔ رکوع ۱۸)	اور وہ بوجھ جو انپر تھے اور وہ بیڑیان جو انپر تھین اُتار دیتا ہو

خوب غور کرو کہ یہودیون پر کونسا بوجھ تھا جس کو آنحضرت نے ہلکا کیا، اور اُن کے پاؤن مین کونسی بیڑیان تھین جو آپ نے اتروادین۔

قرآن مجید مین خاص طور پر یہود اور نصاریٰ کو مخاطب کر کے کہا ہے لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ یعنی مذہب مین غلو نہ کرو۔ مذہبی غلو کی دو صورتین ہین ایک یہ کہ ہر قسم کی حرکات وسکنات کو مذہب کے دائرہ مین داخل کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ احکام مذہبی سخت وناقابل تعمیل مقرر کیے جائین، اسلام نے ان دونون کو مٹا دیا۔ مذہب کے دائرہ کو لوگون نے یہان تک وسعت دی تھی کہ زندگی کے عیش وعشرت ناز ونعمت عمدہ خور و پوشش کو بھی اس مین داخل کر لیا تھا اور اس کو ناجائز قرار دیا تھا، اسپر قرآن مجید نے کہا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ	اے پیغمبر انسے کہو کہ خدا نے جو آرایش اور جو اچھے کھانے اپنے
وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ	بندون کے لیے پیدا کیے ہین ان کو کسنے حرام کیا ہے

خدا کے انھی احکام کی بنا پر آنحضرت نے دنیاوی معاشرت اور تمدن کو مذہب کے دائرہ سے بالکل الگ رکھا اور فرمایا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ یعنی دنیا کی باتین تمھین خوب جانتے ہو

دوسرا اعتراض تو اسلام سے بمراحل دور ہے، اسلام کو دعوی ہے اور بجا دعوی ہے کہ اسکے احکام مذہبی نہایت درجہ آسان اور سہل العمل ہین۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج)	اور خدا نے (دین) کے بارے میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی
مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ	خدا یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی طرح کی تنگی روا رکھے بلکہ یہ چاہتا ہے
لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (مائدہ)	کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دے۔
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔	خدا تمھارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے نہ کہ سختی۔
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (سورۂ بقر)	خدا کسی پر اس سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جس قدر اس کو طاقت ہے
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا	خدا چاہتا ہے کہ تم سے (بوجھ) ہلکا کرے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے

یہ صرف دعوی نہیں، بلکہ اسلام کے تمام احکام اس دعوے کے شاہد ہیں، مذہبی اعمال کی سختی کی متعدد صورتیں ہیں۔

(۱) فرائض کی تعداد زیادہ ہو، اور وہ ایسے ہوں جن کی تعمیل مشکل ہو یا جن کی تعمیل میں وقت کا بڑا حصہ صرف ہو جائے۔

اسلام میں صرف پانچ فرائض ہیں نماز-روزہ-زکوۃ-حج-جہاد- حج اور زکوۃ دولتمندوں پر محدود ہے، جہاد صرف اسوقت فرض ہے جب حفاظت خود اختیاری کی ضرورت ہو، صرف دو فرض ہیں جو سب کے لئے عام ہیں، نماز روزہ، روزہ سال میں ایک دفعہ ہے، وہ بھی مسافر اور بیمار اور نہایت کمزور آدمیوں کے لئے نہیں، نماز البتہ کسی حالت میں معاف نہیں لیکن اس کی یہ صورت ہے کہ بیمار کے لئے وضو کی ضرورت نہیں، گھوڑے یا جہاز کی سواری میں سمت قبلہ کی پابندی نہیں، وہ حسب اختلاف ضرورت کھڑے ہو کر

بیٹھکر لیٹ کر۔ گھوڑے پر سوار ہوکر غرض ہر طرح ادا کی جاسکتی ہے سفر مین بجاے چار رکعت
کے صرف دو رکعتین رہجاتی ہین، اس کے ادا کے لیے جو ارکان و آداب مقرر
ہین ان مین سے خصوصیت کے ساتھ نہایت کم کی پابندی ضرور ہے مثلاً ہاتھ کھول کر بھی
نماز پڑھ سکتے ہین باندھ کر بھی، ہاتھ سینے پر بھی باندھ سکتے ہین بالاے ناف بھی،
آمین پکار کر بھی کہہ سکتے ہین آہستہ بھی، غرض بعض امور کے سوا باقی کسی خاص طریقہ کی پابندی
ضرور نہین، چنانچہ مختلف امامون نے مختلف صورتین اختیار کین۔

(۳) فرائض کے ادا کرنے کے لیے نہایت جزئی جزئی چھوٹی چھوٹی قیدین لگائی جائین
اور ہر ایک کو ضروری قرار دیا جائے، دیگر مذہب مین، اس قسم کی جو سختی تھی اس کا اندازہ
توریت کے احکام سے ہو سکتا ہے، مثلاً قربانی جو اسلام مین نہایت سادہ اور آسان طریقہ سے
ادا ہو سکتی ہے، توراۃ مین اسکے لیے جو قیدین مذکور ہین انکا مختصر سا نمونہ یہ ہے اور ہارون
پاکترین مکان مین یون آئے کہ خطا کی قربانی کے لیے ایک بچھڑا اور سوختنی قربانی کے
لیے ایک مینڈھا لائے اور کتانی مقدس پیراہن پہنے اور اس کے بدن مین کتانی پاجامہ
ہو، اور کتانی پٹکے سے اُسکی کمربندی ہو اور اپنے سر پر کتانی عمامہ رکھے، یہ مقدس کپڑے ہین
اور اپنا بدن پانی سے دھوئے اور انھین پہن لے اور بنی اسرائیل کی جماعت سے بکری کے
دو بچے خطا کی قربانی کے لیے لے، اور ہردن اپنے اس بچھڑے کو جو خطا کی قربانی کے لیے
اس کی طرف سے ہے نزدیک لائے اور اپنے گھر کے لیے کفارہ دے پھر ان دونون
حلوانون کو لے کے جماعت کے خیمے کے دروازہ پر خداوند کے آگے حاضر کرے

اور ہر دن ان دونون حلوانون پر قرعہ ڈالے۔ ایک قرعہ خداوند کے لئے اور دوسرا قرعہ چلاوے کے لئے اور ہر دن اس حلوان کو جسپر خداوند کے نام کا قرعہ پڑے لاوے اور اُسے خطا کی قربانی کے لئے ذبح کرے۔،

اور وہ ایک عود سوز اس آگ کے انگارون سے جو خداوند کے آگے مذبح پر ہے بھرلے اور اپنی مٹھیان بخور کے کوٹے ہوے مصالح سے بھی بھرے اور اسی پردہ کے اندر لائے اور اس بخور کو خداوند کے حضور آگ مین ڈال دے تاکہ بخور کا دھوان کفارہ گاہ کو جو شہادت کے صندوق پر ہے چھپائے کہ وہ ہلاک نہ ہو، پھر وہ اس بچھڑے کا لہو لے کے اپنی انگلی سے کفارہ گاہ پر پورب کی طرف کو چھڑکے اور کفارہ گاہ کے آگے بھی لہو اپنی انگلی سے سات مرتبہ چھڑکے (توریت - احبار باب ۱۶)

اسی قسم کے طفلانہ قیود ہندوؤن اور تمام دیگر قومون مین پائے جاتے ہین یہان تک کہ کوئی شخص بطور خود عبادت الٰہی ادا ہی نہین کرسکتا جب تک کوئی عبادت کرانے والا پیشوا موجود نہ ہو، ہندؤن کو پنڈتون کی ضرورت ہے۔ عیسائیون کو پادری کی، یہودیون کو احبار کی لیکن مسلمان کو کسی دوسرے شخص کی دستگیری کی ضرورت نہین، وہ اپنا آپ پادری اپنا آپ پنڈت اپنا آپ احبار ہے۔

اسلام نے طریقہ عمل کے نمونہ کے لئے اس قسم کی کوئی شرط اختیار بھی کی ہے تو ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ یہ قیدین فی نفسہ ضروری نہین، نماز کے لئے قبلہ کی سمت کا جہان حکم دیا ساتھ ہی کہدیا کہ اَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ یعنی جس طرف منہ کرو اُسی طرف خدا کا منہ ہے

قربانی کا جہان ذکر کیا یہ بھی فرمایا کہ لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا ولکن ینالہ التقوی

یعنی خدا تک نہ قربانی کا گوشت پہونچتا ہے نہ خون بلکہ تقوی اور پرہیز گاری پہنچتی ہے

تیسرے اعتراض کا جواب بہ تفصیل آگے آئے گا

ہمارا صرف یہ دعوی نہین کہ اسلام تمدن کے موافق ہے، بلکہ ہمارا یہ بھی دعوی ہے کہ وہ تمدن کو ترقی دینے والا ہے اور اس حد تک پہونچانے والا ہے جو تمدن کا انتہائی درجہ ہے

اس امر سے انکار نہین ہوسکتا کہ دنیاوی تمدن آج یورپ مین جس حد تک پہونچا ہے کبھی نہین پہونچا تھا اسلیے ہم کو غور کرنا چاہیے کہ اس تمدن کے اصلی اصول کیا ہین۔

یورپ کے تمدن کے مہمات اصول حسب ذیل عنوان مین محدود کیے جا سکتے ہین اور دنیا مین جب کبھی کسی قوم نے تمدن مین ترقی کی ہوگی یا آیندہ کرے گی تو انھی اصول پر کی ہوگی اور کرے گی۔

ترقی تمدن کے جو اصول ہین سب اسلام مین پائے جاتے ہین

(۱) انسان کی تمام ترقیون کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ وہ یہ خیال کرے کہ وہ اعلی ترین مخلوقات ہے اور تمام کائنات مین جو کچھ ہے وہ اسی لیے ہے کہ انسان اس سے تمتع اٹھائے۔

سب سے پہلے قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم کی۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم	ہم نے انسان کی بناوٹ بہتر سے بہتر بنائی۔
وسخر لکم ما فی السموت وما فی الارض جمیعا	تمام آسمان وزمین کی چیزین کو تمھارا مسخر کیا۔

اس قسم کی اور بہت سی آیتین ہین جو آیندہ آئینگی۔

(۲) انسان کی تمام ترقیون کی بنیاد یہ ہے کہ اس کو یہ یقین ہو کہ اس کے خیر و شر

ترقی اور تنزل۔ عروج اور زوال کا مدار تمامتر اسکی سعی اور کوشش پر ہے اور دنیا اور دین کی تمام کامیابیاں محض اس کی کوششوں پر موقوف ہیں قرآن مجید نے اس اصول کو نہایت توضیح اور تاکید کے ساتھ بیان کیا۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۔	انسان کے لئے اتنا ہی ہے جتنی اُسکی کوشش ہے
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (بقرہ) (بقرہ)	انسان کے نفس کو جو فائدہ پہنچتا ہے اُسی کی کمائی کی بدولت ہے اور جو نقصان پہنچتا ہے اُسی کے کرتوت کی بدولت۔
وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا (انعام)	اور جو کوئی برا کام کرتا ہے تو اسکا وبال اسی پر پڑتا ہے
اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (آل عمران)	دو چند تم پر پہلے پڑ چکی ہے تو تم کہو گے کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ اے محمد! کہدے کہ یہ خود تمہاری اپنی ذات کی وجہ سے ہے
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (انفال)	یہ اس لئے کہ خدا جب کسی قوم کو کوئی نعمت دیتا ہے تو پھر اسکو بدلتا نہیں جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں۔
ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (روم)	لوگوں کے کرتوت کی بدولت تمام خشکی و تری میں فساد پھیل گیا
مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (حمعسق)	تم پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو خود تمہارے کرتوت کی بدولت

سلام نے اس مضمون پر اسقدر زور دیا کہ قرآن مجید میں جا بجا تصریح کی کہ بندہ جب ایک کام کر لیتا ہے تو خدا بھی اسی کے موافق کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ	جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے کام بھی اچھے کئے خدا انکو

دبهم بایمانهم (یونس) ع
ان کے ایمان کی وجہ سے ہدایت کرتا ہی

ان الذین لایؤمنون بآیات الله لایهدیهم الله
جو لوگ خدا کی نشانیون پر ایمان نہین لاتے خدا انکو ہدایت نہین کرتا

والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا - (عنکبوت)
جو لوگ ہمارے لئے مجاہدہ کرتے ہین، ہم اُن کو اپنی راہ دکھاتے ہین-

یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم (الاحزاب)
مسلمانو! خدا سے ڈرو- اور ٹھیک بات بولو تو خدا تمھارے اعمال کو صالح کردے گا

یا ایها الذین آمنوا ان تنصروا الله ینصرکم ویثبت اقدامکم - (محمد)
مسلمانو! اگر تم خدا کی مدد کروگے تو خدا بھی تمھاری مدد کریگا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا-

فلما زاغوا ازاغ الله قلوبهم (صف)
پھر جب وہ لوگ کج ہوئے تو خدا نے بھی اُنکے دلون کو کج کردیا

ان الله لایغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسهم (رعد)
خدا کسی قوم کی حالت نہین بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلین

ان آیتون مین خدا نے اپنے کام کو بندہ کے کام سے متاخر رکھا فلما زاغوا الخ مین بیان کیا کہ جب ان لوگون نے کجی کی تو خدا نے بھی اُن کے دلون کو کج کردیا یا ایها الذین آمنوا مین یہ کہا کہ مسلمانو! پرہیزگاری اختیار کرو اور بات کہو، تو خدا تمھارے عمل صالح کردیگا حالانکہ پرہیزگاری خود عمل صالح کا نام ہے، اور جب کوئی شخص پرہیزگاری کرے گا تو پھر اسکے عمل کے صالح کرنے کی کیا ضرورت ہی-

اس موقع پر یہ بات بھی ظاہر کرنی ضرور ہے کہ قرآن مجید مین ایسی بھی بہت سی آیتین ہین جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہی کہ انسان مجبور محض ہے اور جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے-

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ	اور وہ اپنے بندون پر بالادست ہے۔
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	کہدے کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے۔

عیسائی اکثر طعنہ دیتے ہین کہ مسلمانون مین جو کاہلی اور پست ہمتی پائی جاتی ہے وہ اسی مسئلہ قضا و قدر کا اثر ہے اور اس لیے مسلمانون کا تنزل خود انکے مذہب کا لازمی نتیجہ ہے،

اس اعتراض کو اگرچہ ہمارے توکل پیشہ علما اور صوفیہ نے اپنے طرز عمل سے قوی کر دیا ہے لیکن درحقیقت یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔

اس کا سرسری جواب تو یہ ہے کہ یہی قضا و قدر کا اعتقاد تھا جس کی بدولت صحابہ مین سے ایک ایک شخص ہزارون آدمیون کے دل مین گھس جاتا تھا اور سیکڑون کو خاک مین ملا کر صحیح سلامت نکل آتا تھا اگر آج اسی جوہر کو ہمارے علما و صوفیہ اپنی شکستہ پائی اور کاہلی کے لئے استعمال کرتے ہین تو اس مین اسلام کا کیا قصور۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ بے شبہ اسلام نے انسان کو مختار کل قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس بات کی بھی احتیاط رکھی ہے کہ یہ اعتقاد الحاد کی حد سے نہ مل جائے انسان کے مختار ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہین۔ ایک یہ کہ خالق، اور خدا کوئی چیز نہین، اسلئے انسان قادر مطلق ہو، جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے جو نہین چاہتا نہین کرتا۔ دوسرے معنی یہ ہین کہ خدا قادر مطلق ہو لیکن اسنے انسان کو اپنے افعال کا مختار بنایا ہے اسلئے انسان جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہو اسلام نے پہلے معنی کی نفی کی ہے اور اسی بنا پر قرآن مین آیا ہے

وَمَا تَشَاۤءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَاۤءَ اللّٰهُ	تم کسی بات کو نہ چاہوگے جب تک کہ خدا نہ چاہے۔

جس کا یہ مطلب ہے کہ تم کو جو مشیت اور ارادہ کی قوت دی گئی ہے یہ خدا ہی نے دی ہے۔ اگر خدا نہ چاہتا تو تم میں یہ قوت بھی نہ ہوتی۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ | یعنی جو کچھ دنیا میں ہے سب کی علۃ العلل خدا ہی ہوتا ہے۔

اس امر کا قطعی فیصلہ کہ اسلام نے اختیار کی تعلیم کی تھی یا جبر کی، اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اسلام کے مرکز تھے، جو اسلام کی مجسم تصویر تھے، جو لوگ اسلام کی ایک ایک ادا سے واقف تھے یعنی صحابہ انھوں نے کیا سمجھا اور ان پر اسلام کی تلقین کا کیا اثر ہوا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی تعلیم نے ان کو اختیار، عزم، استقلال، اور حوصلہ کا مجسم پیکر بنا دیا تھا۔

(۳) تمدن کی ترقی کا سب سے بڑا اصول مساواۃ کا اصول ہے یعنی یہ کہ تمام انسانوں کے حقوق مساوی ہیں۔ فلاسفر کوندربیہ کا قول ہے کہ "حقوق انسانی کے سمجھنے کا پہلا دیباچہ مساوات ہے اور مساوات ہی تمام اخلاق حمیدہ کی بنیاد ہے۔"

لیکن اسلام کے قبل تک یہ خیال کسی قوم اور ملک میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ تعزیرات کے متعلق مہذب سے مہذب قوموں کا طرز عمل یہ تھا کہ مجرموں کے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے سزائیں دی جاتی تھیں۔ لاروس اپنی انسائکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ "رومن امپائر میں ایک ہی جرم کی سزائیں مختلف ہوتی تھیں یعنی مجرم کی حیثیت اور درجہ کے لحاظ سے سزا ہوتی تھی" اس کے بعد مصنف مذکور نے اس ناانصافی اور ظلم کی تفصیل کی ہے اور رومن سے لیکر فرنچ تک کے واقعات گنائے ہیں۔ اخیر میں لکھا ہے کہ ۱۷۸۹ء کے ہنگامہ نے

یہ تمام امتیازات مٹا دئے کیونکہ اسنے خود ان القاب وخطابات کو مٹا دیا جو لوگون کی ذاتی عزت یا وراثت کے اعزاز کی بنا پر قائم تھے،،

فلاسفر فرنک لکھتا ہے کہ "مساوات کی بنیاد پچاس برس سے یورپ کی بعض قومون مین پڑی ہے اور اب دوسرے حصون مین بھی پھیلتی جاتی ہے"

فلاسفر مذکور مساوات کی ابتدا پچاس برس سے بتاتا ہے لیکن اسلام مین بارہ سو برس پہلے یہ اصول قائم ہوچکا تھا۔ قرآن مجید مین ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔	لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمھارے کنبے اور قبیلے ٹھہرائے اس غرض سے کہ ایک دوسرے کو پہچانے جائیں لیکن خدا کے نزدیک صاحب عزت وہ ہے جو پرہیزگار ہو

یہ صرف الفاظ نہ تھے بلکہ اسلام کا نظام اسی اصول پر قائم ہوا، اور اسلام جب تک اسلام تھا اسی اصول پر قائم رہا۔ عرب مین قبائل کے مدارج مقرر تھے۔ جو قبیلہ زیادہ شریف اور معزز تھا اُس کا ایک آدمی دوسرے قبائل کے متعدد آدمیون کے برابر مانا جاتا تھا یعنی معزز قبیلہ کے ایک آدمی کے خون کے بدلے مین دوسرے قبائل کے کئی آدمی قتل کئے جاتے تھے۔ اسی طرح غلام کے خون کے معاوضہ مین آقا قتل نہین کیا جاسکتا تھا، اسلام نے اصول مساوات کی بنا پر یہ تفرقے بالکل مٹا دئے قریش جن کو یہ غرور تھا کہ جنگ بدر مین انھون نے انصار کے مقابلہ سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ انصار پر ہاتھ اٹھانا بھی انکو عار ہی، وہ حبش اور ایران کے زرخرید غلامون کے برابر کر دئے گئے ابوسفیان جو تمام قریش کا سردار

رہ چکا تھا اور جس کو خود رسول اللہ کے حریف مقابل ہونے کا دعویٰ تھا جب اسلام لایا تو اس کو بلال و صہیب کا ہم رتبہ ہو کر رہنا پڑا حالانکہ بلال و صہیب دونوں عجمی زر خرید غلام تھے۔

جبلہ بن الایہم عرب کا مشہور بادشاہ تھا جب وہ اسلام لایا تو اُسنے چاہا کہ ایک عامی آدمی کے مقابلہ مین اس کی عزت مرجح تسلیم کی جائے لیکن عمر فاروق رض نے جو اسلام کے اصلی تصویر تھے گوارا نہ کیا اور وہ اسی ضد پر مرتد ہو کر عیسائیون سے جا کر مل گیا۔

عمر فاروق رض نے جب شام کا سفر کیا اور بیت المقدس مین داخل ہوے تو انکا غلام اونٹ پر سوار تھا اور خود ان کے ہاتھون مین اونٹ کی باگ تھی حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ تمام لوگ خلیفہ اسلام کی جاہ و شوکت دیکھنے کے لئے گھرون سے نکل آئے تھے۔

اس قسم کے ہزارون واقعات ہین جنکا شمار نہین کیا جا سکتا۔ نتیجہ عام کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ اسلام مین سب سے پہلا ظلم جو شروع ہوا وہ تَنَحَّ عَنِ الطَّرِیقِ (راستہ سے ذرا ہٹ جاو) کا کہنا تھا، یعنی اوائل اسلام مین بڑے سے بڑا آدمی راہ مین کسی معمولی آدمی کو نہین کہہ سکتا تھا کہ ذرا ہٹ جاؤ، اول جو ظلم شروع ہوا وہ اسی لفظ کا استعمال کرنا تھا۔

مذہبی تعصبی (۴) تمدن کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ، اور ترقی تمدن کی بہت بڑی علامت مذہبی نفرت اور مذہبی جبر کا دور کرنا ہے، دنیا جب سے آباد ہے ہمیشہ ہر ملک مین، ہر قوم مین ہر سلطنت مین یہ طریقہ رہا کہ غیر مذہب والون پر جبر کیا جاتا تھا، ان کو مذہبی آزادی نہین دی جاتی تھی۔ اُن سے نفرت اور حقارت کی تلقین کی جاتی تھی اور مختلف طریقون سے لوگونکو

تبدیل مذہب پر مجبور کیا جاتا تھا - صرف یہی نہین بلکہ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا یہ مذاق تھا اور یہ گویا انسان کی فطرت ہو گئی تھی کہ جب دو شخصون مین کسی راے اور خیال کے متعلق اختلاف ہوتا تھا، تو اسکا اثر معاشرت کے تمام امور پر پڑتا تھا یعنی دونون مین اجنبیت پیدا ہو کر منافرت اور عداوت کی حد تک نوبت پہونچتی تھی -

سب سے پہلے اسلام نے اختلاف مذہب اور دیگر تعلقات کے حدود جداگانہ قائم کئے یعنی یہ بتایا کہ اگر کسی شخص سے مذہب مین اختلاف ہو تو اسکا اثر عام معاشرت پر نہین پڑنا چاہیے - والدین کے جہان حقوق بیان کئے وہان فرمایا کہ

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا -

اگر وہ دونون اس بات پر زور ڈالین کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جسکا تجکو علم نہین ہے (یعنی اگر والدین شرک پر مجبور کرین) تو تو ان کا کہا نہ مان لیکن دنیا مین انسے اچھا برتاو کر

پھر عام طور فرمایا -

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ؕ[1]

جن لوگون نے تم سے مذہبی جنگ نہین کی اور نہ تمکو تمھارے گھرون سے نکالا انکی نسبت خدا تمکو منع نہین کرتا کہ تم انکے ساتھ بھلائی اور انصاف کرو بے شبہ خدا انصاف کو پسند کرتا ہے

[1] قرآن مجید مین بہت سی آیتین اس قسم کی موجود ہین جنمین یہ حکم ہے کہ غیر مذہب والون سے دوستی اور محبت نہ رکھو اور یہی آیتین اکثر مباحث مین علما ہر موقع پر پیش کرتے ہین لیکن وہ آیتین اُن کافرون سے مخصوص ہین جو مسلمانون سے مذہبی لڑائی لڑتے ہین چنانچہ خود خدا نے اس آیت کے بعد تصریح کردی اور فرمایا کہ انما ينهٰكم الله عن الذين قاتلوكم فى الدين واخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم ان تولوهم یعنی خدا تو ان لوگون سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے جو تم سے مذہب کے بارہ مین لڑے اور تم کو تمھارے گھرون سے نکال دیا اور تمھارے نکال دینے پر اعانت کی

اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ اس مسئلہ کا اصلی فلسفہ بتا دیا یعنی خدا نے انسانون کی فطرت ہی ایسی بنائی ہو کہ ان کی صورت سیرت خیال۔ مذاق اور رائے مین اختلاف ہو، اس لئے اس بات کی خواہش کرنا کہ تمام لوگ خواہ مخواہ متحد الخیال ہو جائین گویا فطرت انسانی کو مٹانا ہے۔

اس نکتہ کو قرآن نے ان لفظون مین ادا کیا

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (هود)	اور اگر خدا چاہتا تو تمام آدمیون کو ایک ہی اُمّت بناتا (لیکن) لوگ ہمیشہ مختلف رہین گے بجزان کے جن پر تیرے خدا کا رحم ہو اور خدا نے اسی لئے ان لوگون کو بنایا ہی ہے۔
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا	اور اگر خدا چاہتا تو دنیا کے تمام آدمی مسلمان ہو جاتے
وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (مائدہ)	اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بناتا۔
وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكُوْا - (انعام)	اور اگر خدا چاہتا تو لوگ شرک نہ کرتے
وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (انعام)	اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا۔
اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا (رعد)	کیا مسلمان مایوس نہین ہوے کہ اگر خدا چاہتا تو تمام لوگون کو ہدایت کر دیتا۔
وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (حمعسق)	اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بناتا۔
وَلَوْ شَاءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (نحل)	اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لاتا۔
وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا (سجدہ)	اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت کر دیتے۔

بعض وقت جناب رسول اللہ کو بہ اقتضاے بشریت کافرون کی سرکشی اور بے پروائی

گران گذرتی تھی۔ اسپر قرآن مجید مین یہ آیت اتری۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔

اور اگر ان کی سرکشی تجھپر گران گذرتی ہے تو ممکن ہوئے زمین کے اندر سرنگ تلاش کرو یا آسمان مین سیڑھی بہم پہونچاؤ تاکہ انکو کوئی معجزہ دکھاؤ (توکر دیکھو) اور اگر خدا چاہتا توسب کوراہ راست پر متفق کر دیتا۔ تو دیکھ جاہل نہ بن۔

لیکن چونکہ اکثر انسانون کی فطرت ایسی بھی بنائی ہے کہ وہ ہدایت اور وعظ و پند سے حق بات قبول کر لیتے ہین، اس لئے اسلام نے وعظ اور پند کے ذریعہ سے دعوت اسلام کی اجازت دی اور فرمایا۔

وَادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ (نحل)

لوگون کو اپنے خدا کے راستہ کی طرف بلا بذریعہ حکمت کے اور بذریعہ وعظ کے اور لوگون سے بحث کر معقول طریقے سے

فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ

لوگون کو نصیحت کر تو صرف نصیحت کرنے والا ہے نہ کہ داروغہ

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۔ (مزمل)

توجس کے جی مین آئے وہ اپنے خدا کی راہ اختیار کرے۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔ (یونس)

کیا تو لوگون کو زبردستی مسلمان کرنا چاہتا ہے۔

اعتقاد اور یقین ایسی چیز ہے جو دل سے متعلق ہے اس لئے کوئی شخص کسی کے دل مین کوئی یقین، جبر اور زبردستی سے نہین پیدا کر سکتا، اس بنا پر مذہب مین جبر کرنا بالکل بے فائدہ چیز ہے لیکن یہ نکتہ اس وقت تک دنیا کی سمجھ مین نہ آیا جب تک اسلام نے یہ نہین کہا کہ

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (آل عمران)

مذہب کوئی زبردستی کی چیز نہین۔

ژول سیمان جو فرانس کا بہت بڑا فاضل گذرا ہے لکھتا ہے کہ ”مذہبی آزادی کو کچھ بہت دن نہیں گذرے کیونکہ دنیا کی تمام تاریخین درحقیقت مذہبی تعصب اور کینہ وری کا مجموعہ ہین“ اسکے بعد فاضل مذکور نے قرون اولی سے عہد وسطی تک مذہبی تعصب کے واقعات تفصیل کے ساتھ گنائے ہین، اخیر مین لکھا ہے کہ بالآخر فلسفیانہ روح نے ۴ - اگست ۱۷۸۹ء کو مذہبی آزادی پر بحث کی لیکن یہ خیال وجود مین اُس وقت آیا جب یہودیون کو ۱۷۹۱ء مین ظلم سے نجات دی گئی، تاہم چون فرنچ رو ولیوشن کا طریق انتظام اچھا نہ تھا اس لئے وہ مذہبی آزادی کو مضبوط بنیاد پر قائم نہ کرسکا“

یہ فاضل ژول سیمان جس چیز کی ابتدا ۱۷۷۹ء سے بیان کرتا ہے، اسلام مین بارہ سو برس پہلے قایم ہوچکی تھی، لیکن چونکہ فاضل مذکور، اسلام کی حقیقت اور تاریخ سے واقف نہ تھا اُسنے دوسرے قومون کی بنا پر تمام عالم کی نسبت عام رائے قایم کی اور اسکو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔

(۵) ترقی تمدن کے بڑے اسباب مین سے ایک یہ ہے کہ عورتون اور مردون کے حقوق برابر قائم کئے جائین۔ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا عمل اس اصول کے خلاف تھا، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اسکی تلقین کی چنانچہ یہ بحث نہایت تفصیل کے ساتھ اوپر گذر چکی ہے۔

(۶) کسی قوم کی ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ اس کی ہر فرد کو من حیث القوم سلف آثر یعنی اپنے آپ عزت کا خیال دلایا جائے،، اسلام نے ابتدا ہی سے اس نکتہ کو

ملحوظ رکھا۔ چنانچہ مسلمانون کو مخاطب کر کے کہا۔

کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ	تم تمام قومون سے بڑھکر ہو۔
لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ	عزت خدا کے لئے ہی اور اُسکے رسول کے لئے اور مسلمانون کے لئے

قرن اوّل مین یعنی جب تک اسلام اسلام رہا یہ خیال تمام مسلمانون مین اس قدر جاگزین تھا کہ قوم کا ہر ہر فرد من حیث القوم اپنے آپ کو افضل ترین عالم سمجھتا تھا، یہی سلف آثر کا خیال تھا جو مسلمانون کے ہر قسم کے حوصلہ مندیون اولوالعزمیون، بلندخیالیون کا باعث تھا، تاریخون مین تم نے پڑھا ہوگا کہ ایک معمولی درجہ کا مسلمان بھی قیصر و کسریٰ کے دربار مین کس دلیری اور آزادی سے سوال و جواب کرتا تھا۔

(۷) ترقی کا مقدم ترین اصول، علم ہے، اسلام نے علم کو گویا لازمۂ اسلام قرار دیا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مین علم کی تحصیل کے متعلق کثرت سے جو ہدایتین ہین، اُن سے قطع نظر واقعات پر نظر ڈالو، تاریخ ہر ہر قدم پر اس بات کی شہادت دینے کے لئے موجود ہے کہ اسلام دنیا مین جہان جہان گیا علم کو ساتھ لیکر گیا، وہ قومین جو ازل سے جاہل اور اُمّی رہتی آئی تھین جس دن اسلام لائین علم و فن سے معمور ہوگئین، عرب ابتداے عالم سے جاہل تھا یہان تک کہ اسلام کے اوائل تک بڑے بڑے شعرا لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے تھے رؤبہ جو مشہور شاعر تھا لکھا پڑھا تھا لیکن ایک موقع پر جب اس کو کچھ لکھنا پڑا تو اُسنے حاضرین سے نہایت الحاح کے ساتھ درخواست کی کہ یہ راز کہین ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری بڑی بدنامی ہوگی، لیکن یہی عرب اسلام کے وجود کے ساتھ علوم و فنون کا مرکز بن گیا

اور امام شافعی، امام مالک، زہری، جیسے مجتہدین وہان پیدا ہونے لگے، ترکون کی قوم ہزارون برس پہلے سے موجود تھی لیکن انکا امتیازی وصف یہ تھا ع چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغمار ا۔ یہی ترک تھے جن مین اسلام لانے کے ساتھ حکیم ابونصر فارابی اور امیر خسرو، اور سیکڑون علما وشعرا پیدا ہوے۔ جن جن قومون نے دنیا مین اسلام قبول کیا، ان سب کا شمار کرو، اور دیکھو کہ اسلام کے قبل اُن کی علمی حالت کیا تھی اور کیا ہوگئی صاف نظر آئے گا کہ علم، اسلام کے عنصر مین داخل تھا۔

حکومت جمہوری

(۸) ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ نظام حکومت۔ جمہوریت کی بنا پر قائم کیا جائے اس اصول پر اسلام نے اسقدر زور دیا کہ خود آنحضرت کو اسکی پابندی کا حکم ہوا۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ | اور لوگون سے مشورہ کر

حالانکہ وحی والہام ہوتے ہوئے آپ کو کسی سے مشورہ اور صلاح لینے کی کیا حاجت تھی مزید تاکید کے لئے مسلمانون کی امتیازی خصوصیت یہ قرار دی۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ | ان کا کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔

تقسیم عمل

(۹) ترقی کا بڑا اصول یہ ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر کام کیا جائے یعنی ہر فرقہ ایک خاص کام مین مشغول ہو تاکہ اس کام کو بوجہ خصوصیت کے نہایت اعلی درجہ تک ترقی دے سکے، یورپ مین یہ اصول یہان تک ترقی کر گیا ہے کہ طبیبون اور حکیمون مین سے خاص خاص امراض کے الگ الگ طبیب ہین اور وہ ان امراض کے سوا اور بیماریون کے علاج سے واسطہ نہین رکھتے، خود قدرت نے اسی اصول پر عمل کیا ہے، ہاتھ پاؤن، سر، دل، دماغ

کام الگ الگ تقسیم کر دیے ہین، اسلام نے اس اصول کے طرف ان الفاظ مین اشارہ کیا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔	اور تم مین سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ لوگونکو اچھی کام کی رغبت دلائے اچھی باتون کا حکم دے۔ بُری باتون سے روکے
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ۔	تمام مسلمانون کو اُٹھ کھڑا نہین ہونا چاہئے لیکن یہ تو ہونا چاہئے کہ ہر گروہ مین سے کچھ لوگ آمادہ ہون کہ مذہب مین تفقہ حاصل کرین۔

(۱۰) ہر زمانہ مین ایگ گروہ ایسا ہوتا آیا ہے جس کی یہ راے ہے کہ انسانون کے افراد مین جو اختلاف مراتب ہے یہ مٹا دیا جاے یورپ مین انارکسٹ نہلسٹ وغیرہ اسی خیال کے لوگ ہین، لیکن یہ درحقیقت اصول فطرت کے خلاف ہے، اور اگر اسپر عمل کیا جائے تو ہر قسم کی ترقیان دفعتًہ رک جائین۔ اسلام نے اسکا فلسفہ ان لفظون مین ادا کیا۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا	ہم نے دنیا مین انسانون کی روزی ان کے باہم تقسیم کی ہے اور ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے تا کہ ایک کو ایک اپنے کام مین لائے۔

(۱۱) ترقی کا بہت بڑا اصول یہ ہے کہ علمی ترقی کی کوئی انتہا نہ قرار دیجاے یعنی انسان ترقی کی کسی حد تک پہنچکر قانع نہ ہو، اور یہ خیال رکھے کہ ابھی ترقی کے اور منازل طے کرنے باقی ہین، اس مسئلہ پر اسلام نے اس قدر زور دیا کہ خود جناب سرور کائنات کو جو علوم لدنیہ سے ممتاز تھے ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا | کہہ کہ اے خدا مجکو اور زیادہ علم دے۔

دین و دنیا کا باہمی تعلق

دین و دنیا کا تعلق

مذہب کے حق و باطل ہونے کا یہ بہت بڑا معیار ہے۔ ابتداے عالم سے آج تک تمام مذاہب اور تمام قومون نے (بجز اسلام) کے اس معیار مین غلطی کی ہے، فرقہ اباحیہ مزدکیہ اور متبعان اپیکیوریس صرف دنیاوی لذائذ کے قائل تھے، باقی تمام دیگر مذاہب نے دنیاوی تمتعات کو ہیچ بتایا، اور جس قدر انسان دنیاوی حظوظ سے کنارہ کش رہے اسی نسبت سے کمال کے مدارج قائم کئے اسی خیال نے دنیا مین جوگی، تارک الدنیا۔ راہب، منک اور تنر پیدا کئے اور ان لوگون کی وہ عزت دلون مین قائم کی کہ ایک ذلیل بوریا نشین کے آگے بڑے سے بڑے شہنشاہ کا سر جھک جاتا ہے۔

فویرباخ لکھتا ہے کہ مذہب کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ملکی اور سیاستی زندگی تباہ کردی جائے، دنیا کے تمام کاروبار اس غرض سے چھوڑ دئے جائین کہ نہایت خضوع کے ساتھ بہشت کے انتظار مین گھُلا جائے اور ہر قسم کے فطری جذبات اور خواہشین قتل کردی جائین۔

لاروس لکھتا ہے کہ زاہدون کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فطرتی خواہشون کا جو اثر پڑ رہا ہے اس کو بالکل مٹا دین،، مذہب کی تخصیص نہین فلسفہ و حکمت کا میلان بھی اسی طرف رہا ہے سقراط افلاطون دیوجانس کلبی۔ ابونصر فارابی کی زندگی بالکل جوگیون کی طرز زندگی سے

مشابہ تھی۔ خوب غور سے دیکھو یہ خیال تمام دنیا پر کس قدر چھایا ہوا ہے ہم جب کسی شخص کی نسبت سنتے ہین کہ دنیا اس کی نظر مین ہیچ ہے وہ فرش خاک پر پڑا رہتا ہے نان ذمک پر بسر کر لیتا ہے، تو خود بخود ہمارے دل مین اس کی وقعت قائم ہو جاتی ہے اور ہم اس سے کچھ بحث نہین کرتے کہ ان باتون کے سوا، اسمین کوئی اور کمال بھی ہے یا نہین۔

دین اور دنیا کا موازنہ اور ان مین صحیح تناسب کا قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے اہل نظر اس کو ناممکن الحصول قرار دیکر اس کے حاصل ہونے پر حسرت ظاہر کرتے ہین۔ ہنری برنجیہ۔ ریویو آف ریویو (جلد ۲۴) مین لکھتا ہے۔ "آہ کاش کوئی ذہین شخص مذہبی اور علمی تعصب کے نقابون کو ایک ساتھ چاک کر ڈالتا اور اس مضبوط تعلق کو جو مذہبی خیال اور علمی تفکر مین ہے کھول کر دکھا دیتا۔ ایسا کرنے سے جو رنج دہ کشمکش دونون مین ایک مدت سے چلی آتی ہے وہ مٹ جاتی"

اب دیکھو اسلام نے دین و دنیا کا کیون کر موازنہ کیا اس نے سب سے پہلے جوگی پن اور ترک دنیا کے خیال کو مٹایا۔

وَرُهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ	اور جوگی پنا جس کو عیسائیون نے ایجاد کیا ہمنے انپر نہین لکھا تھا
وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا	دنیا مین تمہارا جو حصہ ہے اُس کو بھول نہ جاؤ۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ	مسلمانو خدا نے جو اچھی چیزین تم کو حلال کی ہین انکو حرام نکرو
قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ	اے محمد صلعم کہدو کہ خدا نے جو آرایش بندون کے لیے پیدا کی ہے اسکو حرام کسنے کیا، اور اچھی خوراکون کو کسنے حرام کیا

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر	خدا تمھارے ساتھ آسانی کا برتاؤ چاہتا ہے نہ کہ سختی کا ۔

تمام دیگر مذاہب کی تلقین ہے کہ اس وسیع دنیا سے انسان کا حصہ سد رمق کھانا اور دو گز کپڑا ہے لیکن اسلام بتاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے زمین دشت کوہ دریا درخت چارپائے لعل وجواہر۔ فواکہ وروائح سب اس لئے ہیں کہ انسان اُس سے جائز طور پر لطف اٹھائے۔

وسخر لكم ما في السموٰت وما في الارض جميعا	اور خدا نے تمھارے لئے زمین اور آسمان کی تمام چیزوں کو مسخر
واسبغ عليكم نعمه ظاهرة وباطنة (لقمان)	کر دیا اور تمھارے اوپر اپنی ہر قسم کی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری
وسخر لكم الليل والنهار والشمس والقمر	کردیں اور خدا نے تمھارے لئے رات۔ دن۔ سورج۔ چاند کو
والنجوم مسخرات بامره (نحل)	مسخر کر دیا اور ستارے بھی تمھارے تابع فرمان ہیں
وهو الذي سخر البحر لتاكلوا منه لحما طريا	وہی خدا ہے جس نے دریا کو اس لئے مسخر کر دیا کہ اُس سے تازہ گوشت
وتستخرجوا منه حلية تلبسونها وترى الفلك	کھاؤ۔ اور اُس سے زیور نکالو جسکو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے
فيه ولتبتغوا من فضله	کہ پھاڑتی ہوئی چلی جارہی ہیں اور تاکہ تم خدا کا فضل (تجارت) تلاش کرو
والخيل والبغال والحمير لتركبوها	اور گھوڑوں اور گدھوں اور خچروں کو تمھاری سواری
وزينة	اور آرائش کے لئے پیدا کیا۔
وما ذرا لكم في الارض مختلفا الوانه	اور بہت سی چیزیں تمھارے لئے زمین میں پیدا کیں جنکے رنگ مختلف ہیں
ينبت لكم به الزرع والزيتون والنخيل والاعناب	اور وہی تمھارے لئے پانی سے کھیتی۔ زیتون۔ کھجور۔ اور انگور
ومن كل الثمرات	اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے۔

اس قسم کی سیکڑون آیتین ہین جنکا استقصا ضروری نہین۔

ان آیتون مین بہ تصریح و توضیح بیان کیا کہ دنیا مین جو کچھ ہے سب اسی لئے ہے کہ انسان اس سے تمتع اٹھائے۔ اور اسی غرض سے خدا نے تمام چیزون کو انسان کا مسخر کر دیا۔ تسخیر مین جس قسم کی تعمیم قرآن نے بیان کی وہ بظاہر استعارہ یا شاعرانہ طرز ادا معلوم ہوتا ہے لیکن زمانہ ہر روز ثابت کرتا جاتا ہے کہ استعارہ نہین بلکہ حقیقی معنی مقصود ہین۔ بھاپ۔ بجلی۔ الکٹرسٹی وغیرہ یہ چیزین کس طرح مسخر ہو چکین، اور ان کی تسخیر سے کیسے کیسے عجیب و غریب کام لئے گئے

یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ دنیاوی حظوظ و لذائذ جن چیزون کا نام ہے گو وہ ہزارون لاکھون ہین لیکن انکو اگر اقسام مین محدود کیا جائے تو کل تین قسمین ٹھرین گی دولت و مال۔ آل و اولاد۔ شہرت اور بقائے نام۔ اب دیکھو اسلام نے ان کے متعلق کیا کہا۔

توانگری اور جاہ و دولت کو اُن نعمائے الٰہی مین شمار کیا جن کے عطا کرنے کا احسان انبیاء علیہم السلام پر رکھا گیا، جناب رسول اللہ صلعم پر خدا نے جو احسانات کئے ان کا جہان تذکرہ کیا یہ بھی فرمایا۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ	اور تجھکو مفلس پایا تھا تو غنی کر دیا۔

حضرت سلیمان کو جو سلطنت اور جاہ و دولت عطا کی گئی اس کا ذکر قرآن مجید مین نہایت شان و شوکت سے کیا اور اُسکے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ خود حضرت سلیمان نے خدا سے اسکی استدعا کی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي	خدا! مجھکو ایسی سلطنت دے کہ میرے بعد کسی کو نہ مل سکے۔

بنو اسرائیل پر خدا نے جو احسانات کئے ان مین بڑا احسان یہ جتایا۔

اِذْ جَعَلَ فِيكُمْ اَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا	تم لوگون مین پیغمبر اور بادشاہ پیدا کئے
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ	اور ہمنے بنی اسرائیل کو کتاب حکومت اور پیغمبری دی

ایک اور آیت مین ہے۔

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا	سو ہمنے ابراہیم کے خاندان کو کتاب و حکومت دی اور انکو بہت بڑا ملک دیا

سب سے بڑھ کر یہ کہ امت محمدیہ کو اعمال صالحہ کے معاوضہ مین جس چیز کے عطا کرنے کا وعدہ ہوا وہ خلافت اور سلطنت تھی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ	خدا نے ان لوگون سے جو ایمان لائے اور جنھون نے اچھے کام کئے یہ وعدہ کیا کہ ان کو خلافت دیگا۔

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا جہان ذکر کیا اس کی دنیاوی ترقیون کا ذکر اس پیرایہ مین کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ترقیون کو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے مین بڑا دخل ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا	اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی، اور ان کو خشکی و تری مین پہنچایا۔ اور انکو اچھے کھانے دئے اور انکو اپنی اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

ایک بہت بڑا قرینہ جس سے یہ پتہ لگ سکتا ہی کہ اسلام نے دولت و مال کا کیا درجہ قائم کیا ہے اس بات کا دریافت کرنا ہے کہ قرآن مجید مین خدا نے مال و دولت کو کس لقب سے یاد کیا ہی

استقصا اور تفحص سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید نے ۲۵ جگہ مال کو خدا کا فضل کہا ہے، ۲۱ جگہ اس کو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ۱۲ جگہ حسنہ کہا ہے، اور ۱۲ جگہ رحمت کا لقب دیا ہے

قرآن مجید مین مال و دولت کو کن الفاظ سے یاد کیا ہے

چنانچہ علامہ احمد بن محمد الرازی نے ان تمام مقامات کی آیتین بعینہا نقل کی ہین ہم نمونہ کے طور پر چند آیتون کو نقل کرتے ہین جن مین مال کو خیر کے لقب سے یاد کیا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ - وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ - قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ - وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ - وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ - مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ - كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا - إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي - وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ - وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ -

---

دنیاوی حظوظ کی دوسری قسم آل واولاد ہے، قرآن مجید مین ایک موقع پر خدا نے اپنے خاص بندون کے امتیازی اوصاف گنائے ہین، چنانچہ ان الفاظ سے ابتدا کی ہے وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا - ان اوصاف مین سے ایک وصف یہ گنایا ہے وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہین کہ اے پروردگار ہم کو ہماری بیویون اور اولاد سے آنکھ کی ٹھنڈک دے۔

تیسری چیز شہرت اور نیکنامی ہے اس کا احسان خدا نے خود آنحضرت صلعم پر رکھا اور فرمایا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ -

اخیر مین یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ قرآن مجید نے مختلف موقعون پر دولت ومال کی برائی بھی بیان کی ہے لیکن جب دونون قسم کے موقعون کا موازنہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ جس دولت ومال کی برائی بیان کی ہے وہ وہ ہے کہ بے موقع اور بیجا صرف کی جاتی ہے اور اس کی برائی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

تمت

ضمیمہ

بحث نبوت از مطالب عالیہ امام رازی

القسم الثانی من کتاب النبوات فی تقریر القول بالنبوۃ علی طریقٍ اٰخر وفیہ فصول

الفصل الاول فی تمییز ہذا الطریق عن الطریق المشہور فنقول اعلم ان القائلین بالنبوات فریقان احدہما الذین یقولون ان ظہور المعجزات علی ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدل علی صدقہ ثم انا نستدل بقولہ علی تحقیق الحق وابطال الباطل وہذا القول ہو الطریق الاول وعلیہ عامۃ ارباب الملل والنحل والقول الثانی ان نقول انا نعرف اولاً ان الحق والصدق فی الاعتقادات ما ہو؟ وان الصواب فی الاعمال ما ہو؟ فاذا عرفنا ذلک ثم رأینا انساناً یدعو الخلق الی الدین الحق ورأینا ان لقولہ اثراً قویاً فی صرف الخلق من الباطل الی الحق عرفنا انہ نبی صادق واجب الاتباع وہذا الطریق اقرب الی العقل والشبہات فیہ اقل وتقریرہ لا بد ان یکون مسبوقاً بمقدمات۔

المقدمۃ الاولٰی اعلم ان کمال حال الانسان فی ان یعرف الحق لذاتہ والخیر لاجل العمل بہ ثم اذا بینا ان کمال حالہ محصور فی امرین احدہما ان تصیر قوتہ النظریۃ کاملۃ بحیث تتجلی فیہا صور الاشیاء وحقائقہا تجلیاً کاملاً مبرأً عن الخطأ والزلل والثانی ان تصیر

---

[1] اس عربی عبارت کا ماحصل خاتمہ کتاب میں بزبان اردو ادا کیا گیا ہے

قوته العملية كاملة بحيث يحصل لصاحبها ملكة يقتدر بها على الاتيان بالاعمال الصالحة والمراد من الاعمال الصالحة الاحوال التي توجب النفرة عن السعادات البدنية وتوجب الرغبة في عالم الاخرة وفي الروحانيات فقد ظهر بهذا انه لا سعادة للانسان الا بالوصول الى هاتين الحالتين وهذه المقدمة مقدمة اطبقت الانبياء على صحتها واتفق الحكماء الالهيون على حقيقتها ولا ترى في الدنيا عاقلا كامل العقل الا ويساعد عليها -

المقدمة الثانية الناس ينقسمون الى ثلثة اقسام احدها الذين يكونون ناقصين في هذه المعارف وفي هذه الاعمال وهم عامة الخلق وجمهورهم وثانيها الذين يكونون كاملين في هذين المقامين الا انهم لا يقدرون على علاج الناقصين وهم الاولياء وثالثها الذين يكونون كاملين في هذين المقامين ويقدرون ايضا على معالجة الناقصين ويمكنهم السعي في نقل الناقصين من حضيض النقصان الى اوج الكمال وهؤلاء هم الانبياء عليهم السلام وهذا تقسيم معلوم مضبوط

المقدمة الثالثة ان درجات النقصان والكمال في القوة النظرية وفي القوة العملية كانها غير متناهية بحسب الشدة والضعف والكثرة والقلة وذلك ايضا معلوم بالضرورة

المقدمة الرابعة ان النقصان وان كان شاملا للخلق عاما فيهم الا انه لابد وان يوجد فيهم شخص كامل بعيد عن النقصان والدليل عليه من وجوه الاول انا بينا ان الكمال والنقصان واقع في الخلق على مراتب مختلفة ودرجات متفاوتة ثم انا نشاهد اشخاصا بلغوا في جانب النقصان وقلة الفهم والادراك الى حيث قربوا من البهائم والسباع فكذلك في جانب

الكمال لابد وان توجد اشخاص كاملة فاضلة ولابد وان يوجد فيما بينهم شخص يكون
افضلهم واكملهم وهو يكون فى اخر مراتب الانسانية واول مراتب الملائكة الثانى ان الاستقراء
يدل على ما ذكرناه وذلك لان الجسم العنصرى جنس تحته ثلاثة انواع المعدن والنبات
والحيوان وصريح العقل يشهد بان اشرف هذه الثلاثة الحيوان واوسطها النبات وادونها
المعادن ثم نقول الحيوان جنس تحته انواع كثيرة واشرفها هو الانسان وايضا فالانسان
تحته اصناف كثيرة مثل الزنجى والهندى والرومى والعربى والافرنجى والتركى ولا شك ان
اشرف اصناف الانسان واقربهم الى الكمال سكان وسط المعمورة وهم سكان الموضع
المسمى بايران شهر ثم ان هذا الصنف من الناس مختلفون ايضا فى الكمال والنقصان ولا شك انه
يحصل فيهم شخص واحد هو افضلهم واكملهم فعلى هذا قد ثبت انه لابد وان يحصل فى
كل دور شخص واحد هو افضلهم واكملهم فى القوة النظرية والعملية ثم ان الصوفية
يسمونه بقطب العالم ولقد صدقوا فيه فانه لما كان الجزء الاشرف من سكان هذا
العالم الاسفل هو الانسان الذى حصلت له القوة النظرية التى بها يستفيد الانوار
القدسية من عالم الملائكة وحصلت له القوة العملية التى بها يقدر على تدبير هذا العالم
الجسمانى على الطريق الاصلح والسبيل الاكمل ثم ان ذلك الانسان الواحد هو اكمل الاشخاص
الموجودين فى ذلك الدور كان المقصود الاصلى من كل هذا العالم العنصرى وجود ذلك
الشخص ولا شك ان المقصود بالذات هو الكامل واما الناقص فانه يكون
مقصودا بالعرض فثبت ان ذلك الشخص هو القطب لهذا العالم العنصرى ومن سواه

فكالتبع له وجماعة الشيعة الامامية يسمونه بالامام المعصوم وقد يسمونه بصاحب الزمان
ويقولون انه غائب لقد صدقوا في الوصفين ايضاً لانه لما كان خاليا عن النقائص
التي هي حاصلة في غيره كان معصوماً من تلك النقائص وهو ايضاً صاحب الزمان لانا قلنا
ان ذلك الشخص هو المقصود بالذات في ذلك الزمان وما سواه فكالاتباع له وهو ايضاً
غائب عن الخلق لان الخلق لا يعلمون ان ذلك الشخص هو افضل هذا الدور واكملهم
واقول ولعله لا يعرف ذلك الشخص ايضاً انه افضل اهل الدور وذلك لانه وان كان يعرف
حال نفسه الا انه لا يمكنه ان يعرف حال غيره فذلك الشخص لا يعرف غيره وهو ايضاً لا يعرف
نفسه فهو كما جاء في الاخبار الالهية انه تعالى قال اوليائي تحت قبائي لا يعرفهم غيري
فثبت بهذا ان كل دور لابد وان يحصل فيه شخص موصوف بصفات الكمال ثم انه لابد
وان يحصل في هذه الادوار المتلاحقة دور يحصل فيه شخص واحد يكون هو افضل من
كل اولئك الذين كل واحد منهم صاحب دوره وفريد عصره وذلك الدور المشتمل على
مثل ذلك الشخص لا يوجد في الف سنة او اكثر او اقل الا مرة واحدة فيكون ذلك الشخص
هو الرسول المعظم والنبي المكرم وواضع الشرائع والهادي الى الحقائق وتكون نسبته
الى سائر اصحاب الادوار كنسبة الشمس الى الكواكب ثم لابد وان يحصل في اصحاب الادوار
انسان هو اقربهم الى صاحب الدور في صفات الفضيلة فيكون ذلك الشخص بالنسبة اليه
كالقمر بالنسبة الى الشمس وهو الامام القائم مقامه والمقرر لشريعته واما الباقون فنسبة
كل واحد منهم الى صاحب الدور الاعظم كنسبة كوكب من الكواكب السيارة الى الشمس واما عوام الخلق

فهم بالنسبة الى اصحاب الادوار مثل حوادث هذا العالم بالنسبة الى الشمس والقمر وسائر الكواكب ولا شك ان عقول الناقصين تكمل بانوار عقول اصحاب الادوار فتقوى بقوة نهاية الكلام كلام معقول مرتب على هذا الاستقراء الذى يفيد القطع واليقين۔

المقدمة الخامسة ان ذالك الانسان هو اكمل الكاملين وافضل الفضلاء و العلماء يكون فى اخر الافق الاعلى من الانسانية وقد علمت ان اخر كل نوع متصل باول النوع الذى هو اشرف منه والاشرف من النوع البشرى هو الملائكة فيكون اخر البشرية متصلا باول الملائكة ولما بينا ان ذالك الانسان الموجود فى اعلى مراتب البشرية يجب ان يكون متصلا باول الملائكة ومختلطا بهم ولما كان من خواص عالم الملائكة البرأة عن العلائق الجسمانية والاستيلاء على عالم الاجسام والاستغناء فى افعالها عن الالات الجسمانية كان هذا الانسان موصوفا بما لهذه الصفات فيكون قليل الالتفات الى الجسمانيات قوى التصرف فيها شديد الانجذاب الى عالم الروحانيات فتكون قوته النظرية مستكملة بانواع الجلايا القدسية والمعارف الالهية وتكون قوته العملية موثرة فى اجسام هذا العالم بانواع التصرفات وذالك هو المراد من المعجزات ثم بعد الفراغ من هذين المقامين تكون قوته الروحانية موثرة فى تكميل ارواح الناقصين فى قوة النظر والعمل ولما عرفت ان النفوس الناطقة مختلفة بالماهيات فقد تكون بعض النفوس قوية كاملة فى القوة النظرية وضعيفة فى القوة العملية وقد تكون بالضد منه فتكون قوية فى التصرف فى اجسام العالم العنصرى وضعيفة فى

المعارف الالهية وقد تكون كاملة قاهرة فيهما جميعا او ذلك فى غاية الندرة وقد تكون ناقصة فيهما جميعا وذالك هو الغالب فى اكثر الخلق واذا عرفت هذه المقدمات فنقول مرض النفوس الناطقة شيئان الاعراض عن الحق والاقبال على الخلق وصحتها شيئان الاقبال على الحق والاعراض عن الخلق فكل من دعا الخلق الى الاقبال على الحق والاعراض عن الخلق فهو النبى الصادق وقد ذكرنا ان مراتب هذا النوع من الناس مختلفة بالقوة والضعف والكمال والنقصان فكل من كانت قدرته على افادة هذه الصحة اكمل كان اعلى فى درجة النبوة وكل من كانت قدرته فى هذا الباب اضعف كان انقص فى درجة النبوة فهذا ما اردنا شرحه وبيانه من حال النبوة والله اعلم

الفصل الثانى

القران العظيم يدل على ان هذا الطريق هو الطريق الاكمل الافضل فى اثبات النبوة اعلم انا نذكر سورا من القران ونفسرها لتظهر من ذلك التفسير صحة هذا الطريق الذى ذكرناه فمنها سورة سبح اسم ربك الاعلى فنقول قد علمت ان الاصل هو الالهيات والفرع هو النبوات فلاجرم جرت العادة فى القران انه يقع الابتداء بتقرير الالهيات ثم يقع الشروع فى تقرير النبوات بعدها ففى هذه السورة بدأ بالالهيات فقال سبح اسم ربك الاعلى ومعناه انه اعلى من مناسبة جميع الممكنات ومشابهة كل المحدثات لانها مركبة من المادة والصورة باعتبار ومن الجنس والفصل باعتبار ثان ومن قبول التغير والفناء اما فى الذات واما فى الصفات وهو سبحانه اعلى من كل هذه الاشياء فى كل هذه الصفات وفيه لطيفة اخرى لا يمكن ذكرها

واعلم ان اكثر الدلائل المذكورة في القرآن على اثبات الاله تعالى محصورة في قاعدة واحدة وهي حدوث الصفات وهي اما في الحيوانات او في النبات والحيوان له بدن ونفس فقوله الذي خلق فسوى اشارة الى ما في ابدانها من العجائب وقوله والذي قدر فهدى اشارة الى ما في نفوسها من الغرائب فنبه بهذين الضابطين على ما لا نهاية له في العجائب والغرائب ثم اتبعه بذكر الدلائل المأخوذة من النبات وهو قوله والذي اخرج المرعى فجعله غثاء احوى ولما قرر امر الالهيات اتبعه بتقرير امر النبوات وقد علمت ان كمال حال الانبياء في حصول امور اربعة اولها كمال القوة النظرية وثانيها كمال القوة العملية وثالثها قدرته على تكميل القوة النظرية التي لغيره ورابعها قدرته على تكميل القوة العملية التي لغيره ولا شك ان كمال حاله في القوتين مقدم على قدرته على تكميل غيره في هاتين القوتين ولا شك ان القوة النظرية اشرف من القوة العملية فهذا البيان يقتضي ان يقع الابتداء اولا بشرح قوته النظرية وثانيا بشرح قوته العملية وثالثا بكيفية حاله في القدرة على تكميل القوة النظرية التي للناقصين ورابعا بكيفية حاله في القدرة على تكميل القوة العملية التي للناقصين فاذا ظهر كماله في هذه المقامات الاربعة فحينئذ يظهر انه بلغ في صفة النبوة والرسالة الى الغاية القصوى اذا عرفت هذا فنقول انه تعالى لما ذكر اصول الالهيات واراد الشروع في صفات النبوة قال سنقرئك فلا تنسى يعني ان نفسك قدسية امنت من الغلط والنسيان الا ما شاء الله انه يحصل بمقتضى الجبلة الانسانية والطينة البشرية ثم اتبعه ببيان كماله في حال القوة

العملية فقال ونيسرك لليسرى معناه انا نقوى دواعيك فى الاعمال التى تفيد اليسر و
السعادة فى الدنيا والاخرة ثم لما بين كمال حاله فى هذين المقامين اتبعه بان امره بان
يشتغل بتكميل الناقصين وارشاد المحتاجين فقال فذكر ان نفعت الذكرى
فقوله فذكر امر له بارشاد الناقصين وقوله ان نفعت تنبيه على انه ليس كل من سمع
ذلك انتفع به فان النفوس الناطقة مختلفة فبعضها ينتفع بذلك وبعضها
لا ينتفع وبعضها يضره سماع ذلك التذكير لان من سماعه يكثر فى قلبه دواعى الحسد
والغيظ والغضب والاصرار على الجهل ثم لما نبه تعالى على ان المستمع لذلك التذكير
قد ينتفع به وقد لا ينتفع به اتبعه ببيان خاصية كل واحد من هذين القسمين
فقال سيذكر من يخشى ويتجنبها الاشقى الذى يصلى النار الكبرى فبين ان صفة
من ينتفع بهذا التذكير هو ان يكون الخوف غالبا على قلبه والخشية مستولية على
روحه فلاجل ذلك الخوف يطلب زاد المعاد فلاجرم ينتفع بارشاد هذا المحق واما
الذى لا ينتفع بهذا التذكير فيتباعد منه ويجتنب عن القرب منه فهو النفس الموصوفة
بكونها اشقى فانها تبقى فى عناء هذا العالم وبعد الموت تقع فى نيران الحسرة والوحشة
ثم لما بان هذا زاد فى صفته فقال ثم لا يموت فيها ولا يحيى وانما قال ثم لا يموت فيها
لما ثبت ان النفس لا تموت بموت البدن وانما قال ولا يحيى لانها وان بقيت حية
لكنها بقيت فى العذاب والموت خير من هذه الحيوة فلهذا قال ثم لا يموت فيها
ولا يحيى ولما بين وعيد من لا ينتفع بذلك بين كمال حال من ينتفع فقال قد افلح

من تزكى وذلك لأن المقصود من تعليم الأنبياء وتذكيرهم وإرشادهم أمران أحدهما
إزالة الأخلاق الذميمة الظلمانية عن النفس والثاني تحصيل الصفات الحميدة الروحانية
في النفس ولما كانت إزالة ما لا ينبغي متقدمة على تحصيل ما ينبغي لا جرم ابتدأ بقوله قد أفلح
من تزكى والمراد منه تزكية النفس وتطهيرها عن الصفات المذمومة ولما ذكر ذلك أتبعه
بتحصيل ما ينبغي وذلك إما في القوة النظرية أو في القوة العملية ورئيس المعارف النظرية
ذكر الله ومعرفته ورئيس الأعمال الفاضلة خدمة الله فلهذا قال وذكر اسم ربه فصلى
وهو إشارة إلى استعداد الإنسان في تكميل القوة النظرية بإرشاد الأنبياء وقوله فصلى هو
إشارة إلى استعداده في تكميل قوته العملية بإرشادهم وهذا تنبيهم ثم عاد إلى حال المعرضين
عن الانتفاع بإرشاد الأنبياء وهذا تنبيهم وبين أن ذلك الإعراض إنما تولد عن حب الدنيا
وقوة الرغبة فيها فقال بل تؤثرون الحيوة الدنيا ثم بين أن الرغبة في الروحانيات
التي تحصل في عالم الآخرة راجحة على اللذات هذه الدنيا من وجهين أحدهما أنها خير من
اللذات الجسمانية وقد سبق تقريره في كتاب التفسير والثاني أنها أبقى من هذه الجسمانيات
وذلك معلوم بالضرورة فقال والآخرة خير وأبقى واعلم أنه ظهر بهذه الآيات أمور أربعة
أولها أحوال الإلهيات وثانيها صفات النبي والرسول وثالثها انقسام المستمعين إلى
من ينتفع بإرشاد الأنبياء وإلى من لا ينتفع به وبيان أحوال كل واحد من هذين القسمين
ورابعها التنبيه على أن خيرات الآخرة أفضل وأبقى من خيرات هذه الحيوة الدنيا والأفضل
الأبقى أولى بالتحصيل وعند هذا قد تم كل ما يحتاج الإنسان إليه في معرفة المبدأ ومعرفة

صفات الانبیاء ومعرفة احوال النفس ومعرفة الاخرة ثم ختم السورة بقوله ان هذا لفی الصحف الاولی صحف ابراهیم وموسی والمعنی ان کل من جاء من الانبیاء فانزل الله کتابا او صحیفة فالمقصود منه لیس الا هذه المراتب الاربع المذکورة ومن وقف علی اسرار هذه السورة علی الوجه الذی لخصناه علم ان حقیقة القول فی النبوة لیس الا ما ذکرناه ومن جملة السورة اللائقة بهذا المعنی سورة العصر فبدء بقوله ان الانسان لفی خسر وذالک لانا بینا انه حصل فی بدنه تسعة عشر نوعا من انواع القوی وکلها تجره الی الدنیا وطیباتها ولذاتها وهی الحواس الخمس الظاهرة والخمس الباطنة والشهوة والغضب والسبع النباتیة ومجموعها تسعة عشر وهی الزبانیة الواقفة علی باب جهنم الجسد واما العقل فانه مصباح ضعیف وانما حصل بعد ان استیلاء تلک التسعة عشر علی مملکة البدن واذا کان کذالک فالظاهر ان حب الدنیا یستولی علی النفوس والارواح فاذا مات البدن بقیت النفس فی الخسران و الحرمان فلهذا قال ان الانسان لفی خسر ثم انه استثنی من هذا الخسران انسانا یتناول تریاقا الاربعة وهو تریاق روحانی مرکب من اخلاط اربعة وهی اولها کمال القوة النظریة وهو قوله الا الذین امنوا وثانیها الکمال القوة العملیة وهو قوله وعملوا الصالحت وثالثها السعی فی تکمیل القوة النظریة للغیر وهو قوله وتواصوا بالحق ورابعها السعی فی تکمیل القوة العملیة للغیر وهو قوله وتواصوا بالصبر وانما عین الصبر لان البلاء الاکبر فی دعاء الشهوة الی الفساد ودعاء الغضب الی الایذاء وسفک الدماء کما اخبر عن الملائکة انهم قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفک الدماء فاذا قدر الانسان علی الصبر علی اجابة الشهوة

والغضب فقد فاز بكل الخيرات في القوة العملية ومن جملة الآيات الدالة على صحة ما ذكرناه انه تعالى لما حكى عن الكفار انهم طلبوا منه عليه السلام المعجزات القاهرة في قوله تعالى

وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا قرانه تعالى قال قل سبحان ربي هل كنت الا بشرا رسولا يعني كون الشخص انسانا موصوفا بالرسالة معناه كونه كاملا في قوته النظرية والعملية وقادرا على معالجة الناقصين في هاتين القوتين وليس يلزم من حصول هذه الصفة كونه قادرا على الاحوال التي طلبتموها منه ومن جملة الآيات الدالة على ما ذكرناه انه تعالى لما قال في سورة الشعراء وانه لتنزيل رب العالمين اورد عليه سوال وهو انه لم لا يجوز ان يكون هذا من تنزيل الشياطين فقال جوابا عنه ما تنزلت به الشياطين .... ثم بين الجواب فقال هل انبئكم على من تنزل الشياطين تنزل على كل افاك اثيم والمعنى انه لو كانت الدعوة الى طلب الدنيا وطلب اللذات والشهوات كان ذلك الداعي افاكا اثيما والذين يعينونه عليه هم الشياطين واما انا فادعو الى الله والى الاعراض عن الدنيا والاقبال على الآخرة فلا يكون هذا باعانة الشياطين بل باعانة الله فاستدل بكون دعوته دعوة الى الله والى الحق على كونه نبيا صادقا لا ساحرا كاذبا دجالا اورد عليه سوال آخر وهو ان لكل واحد من الشعراء شيطانا يعينه على شعره فلم لا يجوز ان يكون حالك كذلك اجاب عنه بقوله الشعراء يتبعهم الغاوون الم تر انهم في كل واد يهيمون والمعنى ان الشاعر انما يدعو الى الطمع في الدنيا والترغيب في اللذات البدنية واما انا فادعو الى الله والى الدار الآخرة فامتنع ان يكون الناصر والمعين في هذه الطريقة هو الشيطان فظهر

الفرق فقد ظهر بهذه الاتيانات الطريق الذى ذكرناه فى اثبات النبوة هو الطريق الافضل الاكمل والله اعلم

الفصل الثالث

فى صفة هذه الدعوة اعلم ان منصب النبوة والرسالة عبارة من دعوة الخلق من الاشتغال بالخلق الى خدمة الحق ومن الاقبال على الدنيا الى الاقبال على الآخرة فهذا هو المقصود الاصلى الا ان الناس لما كانوا حاضرين فى الدنيا ومحتاجين الى مصالحها وجب ان يكون له خوض فى هذا الباب ايضا بقدر الحاجة فنقول خوض الرسول اما ان يكون فيما يتعلق بالدين او فيما يتعلق بالدنيا اما القسم الاول وهو ما يتعلق بالدين فيجب عليه البحث فى امور ثلاثة الماضى والحال والمستقبل اما الماضى فهو ان يرشدهم الى ان هذا العالم محدث وله الكان موجودا فى الازل ويبقى فى الابد وانه منزه عن مماثلة الممكنات وانه موصوف بالصفات المعتبرة فى الالهية والكمال وهى القدرة النافذة فى جميع الممكنات والعلم السارى فى جميع المعلومات والوحدانية المطلقة بمعنى كونه منزها عن الاجزاء والابعاض والفردانية المطلقة بمعنى كونه منزها عن الضد والند والصاحبة والولد ثم يجب عليه ان يبين لهم ان كل ما يدخل فى الوجود فهو بقضاء الله وقدره وانه منزه عن الظلم والعبث والباطل واعلم ان هذا الذى ذكرناه يتفرع عليه انواع من البحث الفرع الاول لا يليق بصاحب الدعوة ايراد هذه المطالب كما يورده اهل الجدل والاشكال لان ذالك الطريق يحمل السامعين على الاعتراض عليه وعلى ايراد الاسئلة فانه اذا اشتغل بالجواب عنها فربما اورد على تلك الاجوبة اسئلة ويحصل فتح باب المشاغبات والمجادلات

ولا يحصل المقصود بالبتة بل الواجب عليه ايراد البيانات البرهانية مخلوطة بطريق الخطابة
من الترغيب والترهيب فانه بسبب ما فيه من قوة المقدمات البرهانية يبقى مستعظما
في العقول وبسبب ما فيه من طريقة الخطابة يكون تاثيره في القلوب اكمل ويكون بعد
السامعين عن سوء الادب الذي يحصل بسبب المشاغبات اتم والنوع الثاني انه
لا يجوز له ان يصرح بالتنزيه المحض لان قلوب اكثر الخلق تنفر عن قبول مثل هذا
الكلام فاذا وقع التصريح به صار ذالك سببا لنفرة اكثر الخلق عن متابعته بل الواجب عليه
ان يبين انه سبحانه منزه عن مشابهة المحدثات ومناسبة الممكنات كما قال ليس كمثله
شيء وهو السميع البصير ثم يقول بعد ذالك وهو القاهر فوق عباده اليه يصعد الكلم الطيب
الرحمن على العرش استوى ويمنعهم عن البحث في هذه المضائق الا اذا كان من الاذكياء
المحققين والعقلاء المغلقين فانه بعقله الوافر يقف على حقائق الاشياء وايضا يبين
لهم كون العبد صانعا فاعلا قادرا على الفعل والترك والخير والشر ويبالغ فيه فان الق
المحض تركوه ولو يلتفتوا اليه ويبين لهم ايضا انه وان كان الامر كذالك الا ان الكل بقضاء الله فلا
يعزب عن علمه وحكمه مثقال ذرة في السموات والارض ثم يمنعهم باقصى الوجوه عن الخوض في
هذه الدقائق فان طباع اكثر الخلق بعيدة عن هذه الاشياء وبالجملة فاحسن الطرق في دعوة
الخلق الى عبودية الحق هو الطريق الذي جاء به سيد الانبياء وهو محمد عليه السلام وذلك
انه بالغ في تعظيم الله تعالى من جميع الوجوه على سبيل الاجمال ومنعهم عن الخوض في التفاصيل
فذكر في اثبات التنزيه قوله تعالى والله الغني وانتم الفقراء واذا كان غنيا على الاطلاق

امتنع كونه مولفا من الاجزاء واذا كان كذلك امتنع ان يكون متحيزا واذا كان كذلك امتنع ان يكون حاصلا فى الامكنة والاحياز وذكر ايضا قوله ليس كمثله شئ ولو كان جسما لكان ذاته مثلا لسائر الاجسام بناء على قولنا الاجسام متماثلة باسرها ثم انه ذكر فى جانب الاثبات الفاظا كثيرة وبالغ فيه وهذا هو الواجب لانه لو لم يذكر هذه الالفاظ لما تقرر عند الاكثرين كونه موجودا وايضا بالغ فى تقرير كونه عالما بجميع المعلومات فقال وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو وقال الله يعلم ما تحمل كل انثى وما تغيض الارحام ثم لم يقع فى بيان انه عالم لذاته او بالعلم وبين ايضا كون العبد فاعلا وعاملا وصانعا وخالقا مجدا فى ايات كثيرة ثم بين فى سائر الايات ان الخير والشر كله من الله ولم يبين انه كيف يجمع بين هذين القولين بل اوجب الايمان بهما على سبيل الاجمال وايضا بين انه لا يعزب شئ عن مشيئة الله وارادته وقضائه وقدره ثم بين انه لا يريد الظلم والعبث والباطل فالحاصل ان طريقته فى الدعوة هى تعظيم الله من جميع الجهات المعقولة والمنع من الخوض فى بيان تلك الجهات هل تتناقض ام لا فاذا قلنا القبائح من افعال العباد حصلت بتخليق الله فقد عظمناه بحسب الحكمة لكن ما عظمناه بحسب القدرة وبحسب الحكمة معا فقال فى الاول قل كل من عند الله وقال فى الثانى ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك ثم منع الناس من ان يخوضوا فى تقرير هذا التعارض وفى ازالته بل الواجب على العوام الايمان المطلق بتعظيم الله فى القدرة وفى الحكمة وفى الحقيقة فالذى قاله هو الصواف

الدعوة العامة لا تنتظم الا بهذا الطريق واما القسم الثاني من المباحث المتعلقة بالاديان
ما يتعلق باليوم الحاضر وذلك هو ان يكون العبد مشتغل الزمان بخدمة المعبود
وتلك الخدمة اما ان تعتبر في القلب فهو بالمعارف والعلوم واما بالبدن وهو الاتيان
بالطاعات البدنية واما بالمال وهو الزكوة والصدقات ولما كان جمهور الخلائق محتاجين
الى مرشد يرشدهم الى هذه المعارف وهو النبي لا جرم وجب على الانبياء ان
يوجبوا عليهم الايمان بالانبياء والرسل

والقسم الثالث من المباحث المتعلقة بالاديان ما يتعلق باليوم المستقبل

وهو معرفة الآخرة واحوال ما بعد الموت فهذه الاقسام الثلثة اهم المهمات للانبياء والرسل
في ان يشتغلوا بتعريفها احوالها وتفصيل آثارها واعلم ان المهمات على قسمين احدهما
ازالة ما لا ينبغي والثاني تحصيل ما ينبغي والاول متقدم على الثاني لان اللوح اذا حصل فيه
نقوش فاسدة فالواجب ازالتها حتى يمكن تحصيل النقوش الصحيحة فيه ثانياً فثبت ان
ان ازالة ما لا ينبغي متقدمة على تحصيل ما ينبغي فلهذا السبب اول ما ذكره الله في القرآن
هذه المراتب وهي سبعة فالمرتبة الاولى ازالة ما لا ينبغي وهو المراد بالتقى فلهذا بدأ الله بذكره
فقال هدى للمتقين واما سائر المراتب بعد ذلك ففي اشارة الى تحصيل ما ينبغي واشرف
ما يتعلق بالانسان هو النفس واوسط المراتب البدن وادونها المال فلهذا ذكر بعد
قوله هدى للمتقين قوله يؤمنون بالغيب فان محل الايمان هو القلب وبعده قوله
ويقيمون الصلوة لانها تتعلق بالبدن وآخره قوله ومما رزقناهم ينفقون لانه يتعلق بالمال ولما ذكر

هذه الاحوال الاربعة المتعلقة بالانبياء اورد فيها بذكر مرتبتين تتعلقان بالنبوات فقال والذين يؤمنون بما انزل اليك وهو اشارة الى وجوب الايمان بالرسول الحاضر ثم قال بعده وما انزل من قبلك وهو اشارة الى وجوب الايمان بسائر الانبياء المتقدمين وعند هذا تم ما يحتاج اليه في باب النبوات ثم قال في مرتبة السابعة وبالاخرة هم يوقنون وهو اشارة الى الايمان بالبعث والقيامة ثم لما ذكر هذه المراتب السبع وهي الاصول المتعلقة بالامس واليوم والغد فقد تمت المطالب وكملت المصالح فلهذا قال بعده اولئك على هدى من ربهم واولئك هم المفلحون وذلك لان الانسان ما دام يكون في الدنيا فهو في الطريق واحسن احوال المسافر ان يكون على هدى من معرفة الطريق واذا مات فقد وصل المسافر الى المقصد واحسن احواله ان يكون قد افلح في ذلك السفر وفاز بالخيرات

بحث نبوت از معارج القدس امام غزالی

قاعدة في النبوة والرسالة ويشتمل على بيانات، بيان ان الرسالة هل تقتنص بالحد ام لا وبيان ان الرسالة مكتسبة ام اثرة ربانية وبيان اثبات الرسالة بالبرهان وبيان خواص الرسالة وهي المعجزات وبيان كيفية الدعوة وما يؤخذ من السمع وما لا يؤخذ

بيان ان الرسالة لا تقتنص بالحد والحقيقة بذكر جنسها وفصلها وذلك لان معرفة الاشياء لا يتوقف على الظفر بحدودها وذكر جنسها وفصلها فكم من موجود لا جنس له ولا فصل ولا حد له ولا رسم وما له جنس وفصل فربما لا يظفر بجنسه وفصله الكلام

له اس عبارت کا حاصل ترجمہ خاتمہ میں آئیگا

الامور لكن الكثر فان اعطاء الحد صعب عسير على الاذهان ثم يستدل على وجود كل واحد حقيقة
باشارة فان العقل والنفس وكثيرا من المفارقات يتصور ولا حد لها ولا رسم وانما
يدل عليها بالبرهان ولو سأل سائل نبيا من الانبياء عن خواص الرسالة وماهيتها
وايراد حدها بجنسها وفصلها اترى كيف كان جوابه عنها او كان يشرع في تحقيق ذلك
وذكر حده ورسمه وتعديد خواصه حتى يتوقف على معرفة ذلك كله وان لم يعرف المستجيب
ذلك لا يمكنه تصديقه ام كان يجب عليه التصديق في الحال سواء عرف حد الرسالة او
لم يعرف. واذا كانت الرسالة مرتبة فوق مرتبة الانسانية كما كانت الانسانية مرتبة
فوق مرتبة الحيوانية لم يتوقف اتباع الرسول على معرفة الرسالة كما لا يتوقف استسخار الحيوان
على معرفة الانسانية بل الانسان لو اراد تعريف الحيوان خواص الانسانية كان ذلك سفها
منه وتكليفا ما لا يطاق لكن الكل لو اراد الرسول تعريف الانسان خواص الرسالة كان
ذلك تكليفا منه ما لا يطاق فلا المطالبة عليه متوجه ولا الجواب عنه لازم وهذا كما
طالب فرعون موسى عليه السلام بذكر ماهية رب العالمين قال وما رب العالمين قال رب
السموات والارض وما بينهما ان كنتم موقنين وطالبه ثانيا وثالثا فلم يات بحد ولا اسم
ولم يذكر جنسها ولا فصلها في تعريف مسألة الا بالربوبية المحضة والتعريف بالخلائق
ومكانياتها او زمانياتها والمواليد التي بين المكان والزمان۔

بيان ان الرسالة خطوة مكتسبة ام اثرة ربانية فنقول اعلم ان الرسالة اثرة
علوية وخطوة ربانية وعطية الهية لا يكتسب بجهد ولا ينال بكسب الله اعلم حيث يجعل

رسالته وكذلك اوحينا اليك روحا من امرنا ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان
لكن الجهد والكسب في اعداد النفس لقبول اثار الوحي بالعبادات المشفوعة بالفكرة و
المعاملات الخالصة عن الرياء والسمعة من لوازمها فليس الامر فيهما اتفاقيا جزافا حتى ينالها
كل من دب ودرج ومن تباعلي جهد وكسب حتى يصيبها كل من بكر وادلج وكما ان الانسانية
لنوع الانسان والملكية لنوع الملائكة ليست مكتسبة لاشخاص النوع وان العمل بموجب
النوعية ليس يخلو عن اكتساب واختيار لاعداد واستعداد كذلك النبوة لنوع الانبياء
ليست مكتسبة لاشخاص النوع وان العمل بموجب النبوة ليس يخلو عن اكتساب واختيار لاعداد
واستعداد فيوحي اليه طه ما انزلنا عليك القران لتشقى حين تورمت قدماه
من العبادة حتى قال فلا اكون عبدا شكورا وكان صلى الله عليه وسلم يتحنث قبل
الوحي وحببت اليه الخلوة وكان يرى الرويا فياتي مثل فلق الصبح على انها احوال
عرضية واعراض طارية على النوعية بنوع استحباب واستحقاق من كمال تركيب المزاج وحسن
الصورة وتمام الاعتدال وطهارة النشوء والتربية وطيب الاعراق ومكارم الاخلاق والسمت
الصالح والاناءة والوقار ولين الجانب وخفض الجناح والرحمة والرافة بالاولياء والشدة
والباس على الاعداء وصدق الحديث واداء الامانة والصون عن جميع الرذائل والتحلي
بانواع الفضائل وزكاء العرض عن جميع الدنيات والعفو عمن ظلمه والاحسان الى من اساء
اليه وصلة الرحم وحفظ الغيب وحسن الجوار واعانة الملهوف ونصب
المعروف وبغض المنكر وغير ذلك ما ضل صاحبكم وما غوى في هذا العالم ما زاغ البصر

وما طغى فى ذلك العالم تعنو لنفسه نفوس العالمين طوعا وكرها وهو غير متكبر ولا جبار
ولا فظا غليظا يهاب اذا سكت ولا عيا اذا نطق لطيف الشمائل اذا تحرك وسكن قد نهض
باحتمال اعباء ما حمل من الرسالة فاداها وافاض رحمته على العالمين فوفاها صلى الله عليه وسلم وعلى آله الطاهرين

بيان اثبات الرسالة

وبيان اثباتها بطريقين احدهما جملى والآخر تفصيلى اما
الجملى فهو كما ان نوع الانسان تميز على سائر الحيوان بنفس ناطقة هى فوقها بالفضيلة العقلية
والمسخرة لها والمالكة عليها والمتصرفة فيها كذلك نفوس الانبياء عليهم السلام تميزت عن
نفوس الناس بعقل هاد مهدى هو فوق العقول كلها بالفضيلة الربانية والمدبرة لها
والمالكة عليها والمتصرفة فيها وكما ان حركات الانسان معجزات الحيوان فليس حيوان يتحرك مثل
حركته الفكرية والقولية والعقلية كذلك جميع حركات النبى معجزات للانسان فليس انسان يتحرك
مثل حركته الفكرية والقولية والفعلية وكما تميز النبى عن الناس بعقله المناسب للعقول
المفارقة والعقل الاول كذلك تميز بنفسه المشاكل لنفوس السماويات والنفس الكلية
وكذلك تميز بطبعه ومزاجه المستعد لقبول مثل هذا العقل والنفس بالفعل وكما لا يتصور
فى سنة الفطرة الالهية ان يكون من نطفة كل حيوان انسان كذلك لا يتصور فى سنة الفطرة
ان يكون من نطفة كل انسان نبى الله يخلق ما يشاء ويختار الله يصطفى من الملائكة رسلا
ومن الناس فهو المختار فى طبعه ومزاجه المصطفى بنفسه وعقله لا يشاركه فيها احد من الناس
ومن وجه آخر النبى وان شارك الناس فى البشرية والانسانية من حيث الصورة فقد باينهم
من حيث المعنى اذ بشريته فوق بشرية الناس لاستعداد بشريته قبول الوحى قل انما انا بشر مثلكم

اشارة الى طرف المتشابهة من حيث الصورة نوحي الى اشارة الى طرف المباينة من حيث المعنى

اما من حيث التفصيل فمن طرق

الطريق الاول برهان الشيء من الحركات الاختيارية وهي اقسام ثلثة فكرية وقولية وعملية والحركة الفكرية يدخلها الحق والباطل والقولية يدخلها الصدق و والكذب وفي العملية يدخلها الخير والشر وهذه العبارات اصطلاحية والمعنى مستقيم فيها مفهوم منها ولاشك انها على تضادها واختلافها ليست واجبة بجملتها واجبة التحصيل فان من افتى بهذا القول يكون مستحق القتل بفتواه لانه قد ايد من جملة الحركات وهو واجب الفعل وليس كلها واجب الترك فان من افتى بهذا ينبغي ان لا يكون يتنفس لان التنفس منه حركة وهي واجبة الترك فظهر من هذا ان بعضها واجب الترك وبعضها واجب الفعل واذا ثبت هذا فقد ثبت حدود في الحركات حتى كان بعضها خيرا واجب الفعل وبعضها شرا واجب الترك فالتمييز بين حركة وحركة بالحدود لايخلو اما ان يعرفه كل احد او لا يعرفه احد او يعرفه بعض دون بعض وظاهر انه لا يعرفه كل احد وباطل انه يعرفه كل احد فظهر انه يعرفه احد دون احد فثبت بالتقسيم الاول حدود في الحركات وثبت بالتقسيم الثاني اصحاب حدود يعرفونها وهم الانبياء واصحاب الشرائع والانسان اذا رجع نفسه علم انه اذا لم يكن عارفا بالحدود يجب ان يكون في حكم اصحاب الحدود فثبت النبوات بضرورة الحركات .

الطريق الثاني نقول ان نوع الانسان محتاج الى اجتماع في حركاته الاختيارية ومعاملاته المصلحية ولولا ذلك الاجتماع ما بقي شخصه ولا انحفظ نوعه ولا احترم ماله

وحريمه وكيفية ذلك الاجتماع يسمى ملة وشريعة وبيان ذلك انه في استبقاء حياته و
واستحفاظ نوعه واحتراس ماله وحريمه محتاج الى تعاون وتمانع اما التعاون ففي تحصيل ما ليس له
مما يحتاج اليه في مطعمه وملبسه ومسكنه واما التمانع فلحفظ ما له من نفسه وولده وحريمه
وماله وكذلك في استحفاظ نوعه يحتاج الى تعاون في الازدواج والمشاركة وتمانع بحفظ
ذلك على نفسه وهذا التمانع والتعاون يجب ان يكونا على حد محدود وقضية عادلة و
سنة جامعة مانعة ومن المعلوم ان كل عقل لا يفي بتمهيد هذه السنة على قانون يشتمل مصالح
النوع جملة ويخص حال كل شخص تفصيلا الا ان يكون عقل مؤيد بالوحي مفيض للرسالة مستمد من
الروحانيات الذي قيضت لحفظ نظام العالم وهو بامره يعملون وعلى سننه في الخلق سائرون و
بحكمه حاكمون فيكون الفيض متصلا بها من المقادير في الاحكام ثم منها فائضا على الشخص المتحمل
لتلك الامانة القابل لاسرار الله بانه يتبع الحق في جميع الامور ويتبع الحق في جميع الحركات تكلم
الناس على مقادير عقولهم لعلمه لوقفه على تلك المقادير ويكلف العباد على قدر استطاعتهم
بقدرته المحيطة بتلك الاقدار وهذه الدلائل فروع لاصل واحد وهو اثبات الامر لله عز وجل
وهو **الطريق الثالث لاثبات النبوة** ومن لم يعرف بالامر لم يعرف بالنبوة قط فان
النبي متوسط الامر كما ان الملك متوسط الخلق والامر وكما وجب الايمان بالله من حيث
الخلق والامر كذلك وجب الايمان بمتوسطي الخلق والامر كل امن بالله وملائكته وكتبه
ورسله فالطريق في اثبات الامر على نوعين احدهما ان الممكنات كما احتاجت الى مرجح لجانب
الوجود على العدم وان الحركات كما احتاجت بتجددها الى محرك يديمها بالتعاقب ثم المماثلة من الحركات

الى غيرها مما لا يعنيه والمختلفات عنها الى غير جهاتها الطبيعية احتاجت الحركات الى مدبر مختار ثم المتوجهة منها الى نظام الخير دون الفساد والشر احتاجت الى كون الحركات امراً امر التدبير وذلك قوله تعالى واوحى في كل سماء امرها ثم الحركات الانسانية لما احتاجت الى ارادة عقلية في جهاتها المتباينة لكن الكل احتاجت الى مكلف الهي نازل في حدودها المختلفة حتى يختار المكلف الحق دون الباطل في الحركات الفكرية والصدق دون الكذب في الحركات القولية والخير دون الشر في الحركات العملية وكما ان امر التدبير جار على عموم الخلق لنظام وجود العالم الكبير كله وذلك قوله تعالى والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الا له الخلق والامر تبارك الله رب العالمين لكن الكل امر التكليف جار على خصوص الخلق لنظام وجود العالم الصغير وذلك قوله تعالى يا ايها الناس اعبدوا ربكم الذي خلقكم ولكن الكل جميع الاوامر والنواهي المتوجهة على الناس وكما اوحى في كل سماء امرها بواسطة ملك لكن الكل اوحى في كل زمان امره بواسطة نبي فذلك هو التقدير وهذا هو التكليف ـ

الطريق الثاني في اثبات الامر الاول ان نقول قد تحقق وثبت بالبراهين ان الاول المبدع ملك مطاع فله الخلق كله مُلكا ومِلكا وكل ملك فله في سلطانه امر ونهي وترغيب وترهيب ووعد ووعيد ولا يجوز ان يكون امره محدثا مخلوقا فان المخلوق من حيث هو مخلوق لا يدل الا على خالق فليس له دلالة على الامر بمعنى الاقتضاء والطلب والتكليف والتعريف والحث والزجر والترغيب والترهيب ومن لم يثبت لله عز وجل امرا يطاع فقد احال كل هذه الاوامر والنواهي والتذكيرات والتنبيهات على من

النبوة مقصورة عليه غير متعدية عنه وما يضيفها الى الله تعالى من قال الله وذكر الله وامر الله ونهى الله ووعد الله ووعيد الله يكون مجازا لا حقيقة وترويجا للكلام على العامة لا تحقيقا ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا او قال اوحى الى ولم يوح اليه شيء فقد نسبوا النبى الذى فى اعلى درجات الانسان الى اشد الظلم الذى هو اسفل الدرجات والخيانة الذى هو اخبث السيئات جل منصب النبوة عن ذالك

بيان خواص النبوة

ولها خواص ثلث احدها تابعة لقوة التخيل والثانية تابعة لقوة العقل النظرى والثالثة لقوة العقل العملى -

الخاصية الاولى

فاعلم اولا انه ليس يمكن ان يبرهن على مبادى العلوم ومقدماتها من العلوم نفسها فليسلم لنا ههنا ان كل معلول فيجب ان يلزم عن علة حتى يوجد ومادام ممكن الوجود عنه فليس يوجد وان الحركة السماوية اختيارية وان الحركة الاختيارية لا يلزم الا عن اختيار بالغ موجب للفعل وان الاختيار للامر الكلى لا يوجب جزئيا فانه يلزم للامر الجزئى بعينه عن اختيار جزئى يخصه بعينه وان الحركات التى توجد بالفعل فى كلها جزئية فيجب ان كانت اختيارية ان يكون عن اختيار جزئى فيجب ان يكون المحرك لها مدركا للجزئيات ولا يكون الشيء عقلا صرفا بل يكون نفسا يستعمل الة جسمانية يدرك بها امورا جزئيا ادراكا اما ان يكون تخيلا او تعقلا عمليا هو ارفع من التخيل وله ايضا عقل كلى يستمد من العقل المفارق الذى يدرك العلوم الكلية وهذا كله مبين فى العلوم الالهية فيظهر من تسليم هذا ان الحركات السماوية يحرك كل واحد منها جوهر نفسانى يتعقل الجزئيات بالنحو من التعقل

الذي يخصها ويرتسم فيه صورها وصور الحركات التي يختارها كل واحد منها ويحاوله
حتى يكون هيئات الحركات تتجدد فيها دائما حتى يتجدد الحركات فيكون يتصور لا محالة
حينئذ الغايات التي يودي اليها الحركات في هذا العالم ويتصور هذا العالم ايضا بتفصيله
وتخصيصه والاجزاء التي فيه لا يعزب منها شي ويلزم من ذلك ان يتصور الامور التي تحدث في
المستقبل وذلك لانها امور يلزم وجودها عن النسبة التي بين الحركات المتعلقة عندها
بالشخصية والنسب التي بين الامور التي ههنا والنسب التي بين هذه الامور وتلك الحركات
فلا يخرج النسبة عن ان يكون حدوثه في المستقبل لازما لوجود هذه على ما هي عليه في الحال
فان الامور اما ان يكون بالطبع واما ان يكون بالاختيار واما ان يكون بالاتفاق والتي
يكون عن الطبع اما طبع حاصل ههنا اوليا وطبع حادث ههنا عن طبع ههنا وطبع حادث
عن طبع سماوي واما الاختيارات فانها يلزم الاختيار والاختيار حادث وكل حادث بعد
ما لم يكن فله علة وحدث وتقابل ولزوم وعلته اما شي كائن ههنا على احدى الجهات او شي سماوي
او شي مشترك بينهما واما الاتفاقات فهي اصطكاكات ومصادمات بين هذه الامور الطبيعية
والاختيارية بعضها مع بعض في مجاريها فيكون اذن الاشياء الممكنة ما لم يجب لم توجد
وانما يجب لا بذاتها بل بالقياس الى عللها والى الاجتماعات التي لعلل شتى فاذا يكون
كل شي متكون متصورا لجميع الاحوال الموجودة في الحال من الطبيعية والارادة الارضية
والسماوية ولما هي من كل واحد منها ومجراه في الحال فانما يتصور ما يجب عن استمرار هذه على
ما هي ههنا من الكائنات ولا كائنات الا ما يجب عنها كما قلنا فالكائنات اذا قد يدرك قبل الكون

لا من جهة ما هي ممكنة بل من جهة ما يجب وانما لا ندركها نحن لانه اما يخفى علينا جميع
اسبابها الاخذة لنحوها ويظهر لنا بعضها فبمقدار ما يظهر لنا منها يقع لنا حدس
وظن بوجودها وبمقدار ما يخفى علينا منها يدخلنا الشك في وجودها واما المحركات
للاجرام السماوية فيحضرها جميع الاحوال المتقدمة معا فيلزم ان يحضرها جميع الاحوال المتاخرة
معا فيكون هيئة العالم بما يريد ان يكون فيه مرتسمة هناك ثم تلك الصور لا وحدها
بل الصورة العقلية التي في الجواهر المفارقة غير محتجبة عن انفسنا الحجاب البتة من جهتها
انما الحجاب هو في قوتها اما لضعفها او لاشتغالها بغير الجهة التي عندها يكون الوصول
اليها والاتصال بها واما اذا لم يكن احدى المعنيين فان الاتصال بها مبذول وليست مما
يحتاج انفسنا وادراكها الى شيء [كذا في الاصل] غير الاتصال بها ومطالعتها فاما الصور العقلية
فان الاتصال بها بالعقل النظري فاما هذه الصور التي الكلام فيها فان النفس انما تتصورها
بقوة اخرى وهو العقل العملي ويخدمه في هذا الباب التخيل فيكون الامور الجزئية ينالها
النفس بقوتها التي تسمى عقلا عمليا من الجواهر العالية النفسانية ويكون الامور الكلية
ينالها النفس بقوتها التي تسمى عقلا نظريا من الجواهر العالية العقلية التي لا يجوز ان يكون فيها
شيء من الصور الجزئية البتة ويختلف الاستعدادات للنفوس جميعا في الانفس خصوصا
الاستعداد لقبول الجزئيات بالاتصال بهذه الجواهر النفسانية فبعض الانفس
يضعف فيها ويقل هذه الاستعداد لضعف القوة المتخيلة ولبعضها لا يكون فيه
هذا الاستعداد اصلا لضعف القوة المتخيلة ايضا وبعضها يكون هذا فيها اقوى

حتى ان الحس اذا ترك استعماله القوة المتخيلة وترك شغلها بما يورد عليه جذبها القوة
العملية الى تلك الجهة حتى انطبع فيها تلك الصورة الا ان القوة المتخيلة لما فيها
من الغريزة المحاكية والمنتقلة عن شيء الى غيره يترك ما اخذت ويورد شبيهه او ضده
او مناسبه كما يعرض لليقظان من انه يشاهد شيئا فينعطف عنه التخيل الى اشياء اخرى
يحضرها مما يتصل به بوجه حتى ينسى الشيء الاول فيعود على سبيل التخيل والتخمين
ويرجع الى الشيء الاول بان ياخذ الحاضر مما قد تادى اليه الخيال فيفطن انه خطر في الخيال
تابعا لاي صورة تقدمته وتلك لاي اخرى ولكن لكي ينتهي الى المبدء ويتذكر ما نسيه
كذلك التعبير هو تحليل بالعكس لفعل التخيل حتى ينتهي الى الشيء الذي يكون النفس شاهدته
حين اتصالها بذلك العالم ولتخيلته المتخيلة بينتقل عنه الى اشياء اخرى فهذه طبقة وطبقة
اخرى يقوى استعدادها في نفسها حتى تثبت ما نالته هناك ويستقر عليه الخيال من غير ان يغلبه
الخيال وينتقل الى غيره فيكون الرويا التي لا يحتاج الى تعبير وطبقة اخرى اشد من تلك
الطبقة وهم القوم الذين تبلغ من كمال قويتهم المتخيلة وشدتها انها لا يستغرقها القوى
الحسية في ايراد ما يورد عليها حتى يمنعها ذلك عن خدمة النفس الناطقة في اتصالها بتلك
المبادى الموجبة ايها بالامور الجزئية فيتصل كذلك في حال اليقظة ويقبل تلك الصورة ثم
ان المتخيلة يفعل مثل ما يفعل في حال الرويا المحتاجة الى التعبير بان ياخذ تلك الاحوال و
يحاكيها ويستولي على الحسية حتى يوثر ما يتخيل فيها من تلك في قوة بنطاسيا بان ينطبع الصور
الحاصلة فيها في البنطاسيا المشاركة فيشاهد صورا الهية عجيبة مرئية واقاويل الهية مسموعة هي مثل

تلك المدركات الوحيية وهذه ادنى درجات المعنى المسمى بالنبوة واقوى من هذا ان
يستثبت تلك الاحوال والصور على هيئاتها مانعة للقوة المتخيلة عن الانصراف الى محاكاتها
باشياء اخرى واقوى من هذا ان يكون المتخيلة مستمرة فى محاكاتها والعقلى والعملى والوهم
لا يختلفان عن استثباتها فتثبت فى الذاكرة صورة ما اخذت وتقبل المتخيلة على بنطاسيا
ويحاكى فيه فاقبلت بصورة عجيبة مسموعة ومبصرة ويودى كل واحد منهما على وجهه
وهذه طبقة النبوات المتعلقة بالقوة العقلية والعملية والخيالية وانظر قصص القرآن
كيف تتعطى جزئياتها كانه شاهدها وحضرها كانها كانت بمرأى من النبى ومسمع وكيف صدقت
بحيث لم ينكرها احد من منكرى النبوة ولا يتعجبن متعجب من قولنا ان المتخيل قد يرتسم فى
بنطاسيا فيشاهد فان المجانين قد يشاهدون ما يتخيلون ولذلك علة تتصل بما تحت
السبب الذى لاجله يعرض للممرورين ان يخبروا بالامور الكائنة فيصدقون فى الكثير ولذلك
مقدمة وهى ان القوة المتخيلة كالموضوعة بين قوتين مستعملتين لها سافلة وعالية اما
السافلة فالحس فانها يورد عليها صورا محسوسة لتشغلها بها واما العالية فالعقل فانه
بقوته يصرفها عن التخيل للكاذبات التى يورده الحواس عليها ولا يستعملها العقل فيها واجتماع
هاتين القوتين على استعمالها يحول بينها وبين التمكن من اصدار افعالها الخاصة
على التمام حتى يكون الصور التى يحدثها بحيث ينطبع فى بنطاسيا انطباعا تاما فيحس
فاذا اعرض عنها احدى القوتين لم يبعد ان يقاوم الاخرى فى كثير من الاحوال فلم تمتنع
عن فعلها فيما شعه فتارة تتخلص عن مجاذبة الحس فيقوى على مقاومة العقل

ويميز فيما هو فعلها الخاص غير ملتفت الى معاندة العقل وهذا فى حال النوم وعند
احضارها الصورة كالمشاهدة وتارة يتخلص عن سياسة العقل عند فساد الآلة التى
يستعملها العقل فى تدبير البدن فيستعصى على الحس ولا يمكنها من شغلها بل يعين
فى ابراز افاعيلها حتى يصير ما ينطبع فيها من الصور كالمشاهدة لانطباعه فى الحواس وهذا
فى حال الجنون وقد يعرض مثل ذلك عند الخوف مما يعرض من ضعف النفس وانخذالها واستيلاء
الوهم والظن المعينين للتخيل على العقل فيشاهد امورا موحشة فالممرورين والمجانين يعرض
لهم ان يتخيلوا ما ليس بهذا السبب واما اخبارهم بالغيب فانما يتفق اكثر ذلك لهم
عند احوال كالصرع والغشى يفسد حركات قواهم الحسية وقد يعرض ان تكل قوتهم
المتخيلة لكثرة حركاتهم المضطربة لانها قوة بدنية ويكون همهم عن المحسوسات مصروفة
فيكثر رفضهم للحس ولذا كان كذلك فقد يتفق ان لا يشتغل هذه القوة بالحواس اشتغالا
مستغرقا ويعرض لها ادنى سكون عن حركاتها المضطربة ويسهل ايضا انجذابها
مع النفس الناطقة فيعرض للعقل العملى اطلاع الى افق عالم النفس المذكور فيشاهد ما هناك
ويتادى ما يشاهده الى الخيال فيظهر فيه كالمشاهد المسموع فحينئذ اذا اخبر به
الممرور وخرج وفق مقاله يكون قد تكهن بالكائنات المستقبلة والآن فيجب ان نختم
هذا البيان فقد ادينا فيه نكت الاسرار المكنونة **فان قال** قائل اذا كان اصحاب
الجن والكهنة والعرافين وبعض المجانين ربما يخبرون عن الغيب ويصدق خبرهم
ويتنبؤن بالآيات ويتحقق اثرها فبطلت خاصية النبوة **فالجواب** ان يقال قد بينا

قبل ذالک فی البیانات المتقدمۃ ان التخیل فی الحیوانات علی تفاوت وتفاضل وتضادد
ترتب حتی قال بعض الحکماء ان اعلی درجاتہ ان یصل نفس الی النفس التی ھی
مدبر فلک القمر الذی ھو واھب الصور ولولا ان الجزئیات من الموجودات الکائنۃ الفاسدۃ
متصورۃ متخیلۃ فی ذات النفس الفلکی والا لما افاض علی مادۃ ما یستحقہ
ولا مانع لھن لتصور اللوازم الجزئیۃ من الکائنات عنھا فی العالم العنصری وکانہ بھذا
المعنی صار للاجسام السماویۃ زیادۃ معنی علی العقل المفارق لتظاھر رأی جزئی واخر
کلی وان کان الرای الکلی مستمدا من العقول فاذا فھمت ھذا فللنفوس البشریۃ
ان تنتقش بنقش ذالک العالم بحسب الاستعداد وزوال المانع ویکون کالمراٰۃ المقابلۃ
للنفس الفلکی حتی یقع فیھا جمیع ما فی النفس الفلکی فالی ھذا الحد عظم امر الخیال
واما فی جانب السفل فالی حیوان عدیم التخیل او ضعیف التخیل سریع النسیان لا یمکنہ ان
یستثبت الصورۃ ساعۃ او لحظۃ بل یتجدد لہ الخیالات بحسب تجدد الحرکات وھذا علی
نمط التفاوت بالتفاضل واما ما ھو علی نمط التفاوت بالتضاد فلخیال وتخیل کلہ حق نشاء
عن نفس خیرۃ وھی لخیال وتخیل کلہ نشاء عن نفس شریرۃ ولخیال وتخیل بین الطرفین
ان التفت الی الخیر التحق بہ وان التفت الی الشر التحق بہ ولھھنا نمط اخر من الکلام وھو
اثبات عقل لمجرد عن کل خیال واثبات خیال لمجرد عن کل عقل واثبات عقل کلہ خیال واثبات
خیال کلہ عقل وھھنا لھم عمل من خیال وخیال عمل من جنس وعقل عمل من خیال وخیال
عمل من عقل وھھنا علم علی مزاج الظن وظن علی مزاج العلم وانھم ظنوا کما ظننتم

أن لن يبعث الله أحدا إشارة إلى الظن الأول وأنا ظننا أن لن نعجز الله في الأرض ولن نعجزه
هربا إشارة إلى الظن الثاني واختصاص الظن بالجن في القرآن يشير في خصائص
الجن أن وجودهم خيالي وتصوراتهم خيالية وصورهم لا يترايا إلا للخيال وكما أن
الخيال على وسط بين الحس والعقل فكل ما هو خيالي على وسط بين الجسماني والروحاني كالجن
والشياطين والأوساط أبدا تكون ممزوجة من الطرفين

الخاصية الثانية للنبوة وهي تابعة للقوة النظرية فنقول من المعلوم الظاهر
أن الأمور المعقولة التي يتوصل إلى اكتسابها بحصول الحد الأوسط بعد الجهل
بها إنما يتوصل إلى اكتسابها في القياس وهذا الحد الأوسط قد يحصل على ضربين
من الحصول فتارة يحصل بالحدس والحدس هو فعل للذهن يستنبط بذاته الحد الأوسط
والذكاء قوة الحدس وتارة يحصل بالتعليم ويتأدى التعليم إلى الحدس فإن الأشياء
تنتهي لا محالة إلى الحدس استنبطها أرباب تلك الحدوس ثم أدوها إلى المتعلمين فجائز
أن يقع للإنسان بنفسه الحدس وأن ينعقد في ذهنه القياس بلا معلم بشري وهذا يتفاوت
بالكم والكيف أما في الكم فلأن بعض الناس يكون أكثر حدسا للحد الأوسط وأما
بالكيف فلأن بعض الناس يكون أسرع زمان حدس ولأن هذا التفاوت ليس منحصرا
في حد بل يقبل الزيادة والنقصان فمنهم غبي لا يعود عليه الفكر بزيادة ومنهم من له فطانة
إلى حد ويستمتع بفكره ومنهم من انتقص من ذلك وله إصابة في المعقولات وتلك التفاوتات
غير متشابهة في الجميع بل ربما قلت وربما كثرت فكما أنك تجد جانب النقصان

ينتهي الى حد يكون متقدم الحدس فاقتران جانب الزيادة يمكن ان ينتهي الى حد
يستغني في اكثر احواله عن التفهم والتفكر فيحصل له العلوم دفعة ويحصل معه
الوسائط والدلائل فيمكن اذاً ان شخصا من الناس مؤيد النفس لشدة الصفاء
وكمال الاتصال بالمبادي العقلية الى ان يشتعل حدساً في كل شيء فيرتسم فيه الصورة
التي في العقل الفعال اما دفعة واما قريبا من دفعة ارتساما لا تقليديا بل يقينيا مع
الحدود الوسطى والبراهين اللامعة والدلائل الواضحة والفرق بالحدس والفكر
ان الفكر هي الحركة للنفس في المعاني مستعينا بالتخيل في اكثر الامر يطلب بها
الحد الاوسط وما يجري مجراه مما يصار به الى علم بالمجهول حالة الفقد استعراضاً
للمخزون في الباطن وما يجري مجراه فربما تأدت الى المطلوب وربما انبتت واما الحدس
فهو ان يتمثل الحد الاوسط في الذهن دفعة بان نعلم العلة فيعلم المعلول او يعلم
الدليل فيحصل له العلم بالمدلول دفعة او قريبا من دفعة وهذا الحصول يكون تارة
عقيب طلب وشوق وقد يكون من غير طلب واشتياق بان يكون نفسا شديدة
قوية مستضيئة في نفسها فيحصل له العلوم ابتداء كانه لا يحتاج الى اختياره يكاد زيتها
يضيء ضوء الفطرة ولو لم تمسسه نار الفكرة ولا يفارق طريق الالهام والحدس
طريق الاكتساب والفكر في نفس العلم ولا في محله ولا في سببه لان محل العلم النفس و
سبب العلم العقل الفعال او الملك المقرب لكن يفارقه في جهة زوال الحجاب عن ذلك
ليس باختيار العبد ولا يفارق الوحي الالهام في شيء من ذلك بل في مشاهدة

الملكة المفيد للعلم **سوال** فان قال قائل اذا كان هذه القوة الحدسية موجودة في
غير النبي فان الانسان يجد في نفسه هذا التحدس في مسائل كثيرة ولكل احد في صناعته
حدس فان شرط في البين ان يكون في جميع المعقولات فهو شرط غير موجود فانه ربما تمتنع
عليه الحدس في مسئلة او مسائل وايضا فان عقله حينئذ يكون غير مشتبه عليه شيء من الغيب
والشهادة فيكون بعينه عقلا بالعقل فلا يحتاج الى وسط فلا يكون له حدس وقد اثبتم له
الحدس فهو خلف وان كان الحدس في بعض المسائل فقد شاركه فيه غيره وليس بخاصة له ولا
ليس لبعض المسائل اولى من بعض وليس لحد محدود يختص بالنبوة فلم يتعين الخاصية للنبوة
وايضا قد رتبتم العقل اربع مراتب الهيولاني والملكة والعقل بالفعل والعقل المستفاد
ففي اي مرتبة توجد للنبي خاصية يتميز بها عن سائر الناس **الجواب** ان نقول من لم
يثبت في العقول الانسانية تضادا او ترتيبا لم يستقم له اثبات هذه الخاصية اما التضاد فعقل
النبي وعقل الكاهن واما الترتيب فكعقل النبي وعقل الصديق والمتضادان خصمان يحتاجان
الى حاكم ليس فوقه حاكم والمترتبان ينتهيان بعقل ليس فوقه عقل وعلى الوجهين جميعا عقل النبي
فوق العقول كلها وحاكم عليها ومتصرف فيها ومخرجها من القوة الى الفعل
ومكملها بالتكليف الى اقصى غايات الكمال اللائق لكل واحد منها فلا يمكن التنصيص
على حد محدود واما اذا كان يمكن ان يقال ان هذه القوة قابلة للزيادة والنقصان
فعقل النبي فوق العقول كلها۔

الخاصية الثالثة التابعة للنفس فنقول قد ظهر لنا في العلوم الالهية ان تصورا

التي هي في الاجسام العالمية تابعة في الوجود للصور التي في النفوس والعقول الكلية وان هذه
المادة طوع لقبول ما هو متصور في عالم الغيب فان تلك الصور العقلية مبادي لهذه الصور
الحسية يجب عنها بذاتها وجود هذه الانواع في العوالم الجسمانية والانفس الانسانية قريبة
من تلك الجواهر وقد يجب لها فعلا طبيعيا في البدن الذي لكل نفس فان الصور الارادية
التي يرتسم في النفس يتبعها ضرورة تشكل قسري للاعضاء وتحريك غير طبعي وميل غير
غريزي منذ عزلها الطبيعة والصور المخوفية التي ترتسم في الخيال عنها تحدث عنها في البدن
مزاج من غير استحالة عن محيل طبيعي سببه نفسه والصورة الغضبية التي ترتسم في الخيال
يحدث في البدن مزاجا حارا من غير محيل سببيته والصورة المعشوقة عند القوة الشهوانية
اذا انمحت في الخيال تحدث عنها مزاج يحدث ريحا من المادة الرطبة في البدن ويحدد ذلك الى
العضو الموضع الة للعقل الشهواني حتى تستعد لان لك الشان وليست طبيعة البدن
الامن عنصر العالم ولولا ان هذه الطبائع موجودة في جوهر العنصر لما وجد في هذا
البدن ولا تنكران يكون من القوى النفسانية ماهو اقوى فعلا وتاثيرا من النفس الخ
حتى لا يقتصر فعلها في المادة التي رسم لها وهو بدنها بل اذا شاءت احدثت في مادة
العالم ما يتصوره في نفسها ويكون مبدأ ذلك احداث تحريك وتسكين وتبريد
وتسخين وتكثيف وتليين كما يفعل في بدنها فيتبع ذالك ان يحدث سحب
هاطلة ورياح وصواعق وزلازل وصيلح مبيرة ويتبعه مياه وعيون جارية
وما اشبه ذالك في العالم بارادة هذا الانسان الذي يقع له هذا الكمال في جبلة النفس

ثم يكون خيرا متحليا بالسيرة الفاضلة ومحاسن الاخلاق وسير الروحانيين مجتنبا عن الرذائل ودنيات الامور فهو ذو معجزة من الانبياء اى يدعى النبوة ويتحدى بها ويكون هذه الامور مقرونة بدعوى النبوة او كرامة من الاولياء ويزيده تزكية لنفسه وضبطه القوى وسلاسلها من هذا المعنى زيادة على مقتضى جبلته فيبلغ المبلغ الاقصى فيصير كانه نفس ما للعالم والذى يقع له هذا فى جبلته ثم يكون شريرا ويستعمله فى الشر فهو الساحر الخبيث واعلم ان هذه الاشياء ليس لقول بها والشهادة لها هى ظنون امكانية صير اليها من امور عقلية فقط وان كان ذالك اصلا معتمدا لو كان ولكنها تجارب لما ثبت طلب اسبابها ومن حسن الاتفاق لمحبى الاستبصار ان يعرض لهم هذه الاحوال فى انفسهم اويشاهدوها مرارا متوالية فى غيرهم حتى يصير ذالك ذوقا فى اثبات امر عجيبة لها وجود وصحة ودا عيا له الى طلب سببها فانه اذا اقترن الذوق بالعلم كان ذالك من اجسم الفوائد واعظم العوائد والله ولى التوفيق

خاتمة لهذا الباب فافضل النوع البشرى من اوتى الكمال فى حدس القوة النظرية حتى يستغنى عن المعلم البشرى اصلا واوتى القوة المتخيلة استقامة ونهمة لا يلتفت الى العالم المحسوس بما فيها حتى يشاهد العالم النفسانى بما فيه من احوال العالم ويستثبتهما فى اليقظة فيصير العالم وما يجرى فيهما متمثلا لها ومنتقشا بها ويكون لقوته النفسانية ان يؤثر فى عالم الطبيعة حتى ينتهى الى درجة النفوس السماوية ثم الذى له الامران الاولان دون الامر الثالث ثم الذى له هذه

التهيؤ الطبيعي في القوة النظرية دون العملية ثم يكتسب هذا الاستكمال في القوة النظرية ولاحصة له في امل القوة العملية من الحكماء مد كورين والذي ليس له في القوة النظرية لا تهيؤ طبيعي ولا اكتساب تكلفي ولكن له التهيؤ في القوة العملية فالرئيس المطلق والملك الحقيقي الذي يستحق بذاته ان يملك هو الاول من العمدة المذكورين الذي ان نسب نفسه الى عالم العقل وجد كانه يتصل به دفعة وان نسب الى عالم النفس وجد كانه من سكان ذالك العالم وان نسب نفسه الى عالم الطبيعة كان فعالا فيهما مايشاء والذي يتلوه رئيس كبير بعد لا في المرتبة والباقون هم اشراف النوع الانساني و كرامه واما الذين ليس لهم استكمال شي من القوى الا انهم يصلحون الاخلاق ويعينون الملكات الفضيلة فهم الاذكياء من النوع الانساني ليسوا من ذوي المراتب العالية الا انهم متميزون عن سائر اصناف الناس ـ

تنبیه ـ معارج القدس کے صحیح نسخے بہت کمیاب ہیں، میرے پاس دو نسخے تھے جن میں سے ایک قدیم اور نسبتہً زیادہ صحیح تھا ـ دونوں کے مقابلہ سے جس قدر تصحیح ممکن تھی کی گئی، لیکن اب بھی بہت سی غلطیاں نظر آتی ہیں جن کا کوئی علاج نہیں ـ

امام رازی کی تقریر مذکورہ بالا کا خلاصہ

جو لوگ نبوت کے قائل ہین، ان مین دو فرقے ہین، ایک کا یہ مذہب ہی کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے یعنی اگر کوئی شخص نبوت کا مدعی ہو تو ہم دیکھین گے کہ اس کے پاس معجزہ ہی یا نہین؟ اگر ہو تو وہ سچا نبی ہی، اور جب اس طرح اس کی نبوت ثابت ہو جائے گی تو جس بات کو وہ حق کہے گا، ہم حق سمجھین گے، اور جسکو باطل کہے گا اسکو باطل، قدیم اور عام مذہب یہی ہے

دوسرے فریق کا یہ مذہب ہی کہ پہلے ہمکو خود یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ حق اور باطل کیا ہی؟ اس کے بعد جب ہم کو یہ نظر آئے کہ ایک شخص حق کی طرف لوگون کو دعوت دیتا ہی اور اس کی دعوت مین یہ تاثیر ہی کہ لوگ باطل چھوڑ کر حق کی طرف آتے جاتے ہین تو ہم سمجھین گے کہ وہ سچا پیغمبر ہے، یہ طریقہ قریب العقل اور قلیل الشبہات ہے۔

اس دوسرے طریقہ کو ہم تفصیل سے بیان کرتے ہین، لیکن پہلے مقدمات ذیل ذہن نشین کر لینے چاہیین۔

(۱) انسان کا کمال یہ ہی کہ اس کی قوت نظری اور عملی دونون کامل ہون، قوت نظری کے کمال کے یہ معنی کہ حقائق اشیاء کا اس کو صحیح علم ہو یعنی اُس کے ذہن مین جس شے کا تصور آئے ٹھیک اصلی صورت مین آئے، قوت عملی کے کمال کے یہ معنی کہ نفس مین ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ خود بخود اچھے کام سرزد ہون

(۲) دنیا مین تین طرح کے آدمی ہین ناقص یعنی جن کی قوت نظری اور عملی دونون ناقص ہی، یہ عوام الناس ہین، خود کامل ہین لیکن دوسرون کو کامل نہین کر سکتے یہ اولیاء اور صلحا ہین، خود کامل ہین دوسرون کو بھی کامل کر سکتے ہین یہ انبیا ہین

(۳) قوت نظری اور عملی کے درجے بہ لحاظ نقصان و کمال، و شدت و ضعف، نہایت مختلف ہین یہان تک کہ ان کی کوئی حد نہین قرار پاسکتی۔

(۴) گو عموماً تمام لوگون مین نقصان پایا جاتا ہے، لیکن ضرور ہی کہ انھی مین کوئی ایسا کامل بھی ہو جو نقصان سے بمراحل دور ہو۔ اس کی تصدیق مختلف مثالون سے ہوتی ہے۔

(۱) یہ ظاہر ہے کہ انسانون مین کمال اور نقصان کے درجے نہایت متفاوت ہین نقصان کے مدارج بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہونچ جاتے ہین کہ بعض انسان عقل اور ادراک مین بالکل جانورون سے قریب ہو جاتے ہین، جب نقصان کی جانب یہ حالت ہی تو ضرور ہے کہ کمال کی جانب بھی یہی حالت ہو، یہان تک کہ انسانیت کی سرحد، ملکوتیت سے مل جائے۔

(۲) استقرا بھی اس کی شہادت دیتا ہی، اجسام عنصری کی تین قسمین ہین، معدن۔ نبات۔ حیوان ان مین سب سے افضل حیوان ہے، پھر نبات۔ پھر معدن۔ حیوان کے بھی بہت سے انواع ہین اور ان سب مین اشرف انسان ہے، اسی طرح انسان کے بھی بہت سے اصناف ہین مثلاً زنگی۔ ہندی، رومی شامی۔ فرنگی۔ ترک ان سب مین جو لوگ ایشیا کے وسط حصہ مین سکونت رکھتے ہین وہ سب سے افضل ہین۔ اس قیاس پر ضرور ہے کہ خود ان لوگون مین بھی کمال کا درجہ متفاوت ہو کر بڑھتا جائے یہان تک کہ ایک ایسا شخص نکل آئے جو اپنے صنف مین بھی سب سے افضل ہو۔

ہر دور مین ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو اپنے زمانہ کا افضل الناس ہوتا ہی، صوفیہ اسی کو قطب کہتے ہین اور سچ کہتے ہین کیونکہ جب اس عالم جسمانی کا بہترین حصہ انسان ہے جو قوت نظریہ کی وجہ سے عالم ملکوت سے استفادہ کرتا ہے اور قوت عملیہ کی وجہ سے دنیا کا عمدہ سے عمدہ انتظام کر سکتا ہے تو عالم کا مقصو

اصلی، در اصل یہی انسان ہے، اور جب یہ شخص (یعنی قطب) اور تمام انسانون سے بھی بڑھکر ہے تو گویا اس تمام عالم عنصری کا حاصل یہی شخص ہے، اس بنا پر اس شخص کو عالم کا قطب کہنا بالکل صحیح ہے، شیعہ اسی کو امام معصوم، صاحب الزمان اور غائب عن العیان کہتے ہین، اور یہ کہنا انکا بجا ہے کیونکہ جب وہ نقائص سے خالی ہے تو معصوم ہے اور جب اپنے دور کا مقصد اصلی ہے تو صاحب الزمان ہے اور چونکہ عام لوگ اسکے کمال سے واقف نہین اسلئے گویا وہ غائب عن العیان ہے۔

اسی قیاس پر ایک ایسا شخص بھی ہونا چاہیے جو سب فضلون سے بھی افضل ہو، ایسا شخص سیکڑون ہزارون برس مین کہین جا کر پیدا ہوتا ہے اور وہی پیغمبر برحق اور موجد شریعت ہوتا ہے، ایسے اشخاص بھی ہوتے ہین جو ان فضائل مین پیغمبر سے کم، لیکن اور تمام لوگون سے زیادہ ہوتے ہین، یہ امام اور قائم مقام پیغمبر ہوتے ہین، امام کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو چاند کو آفتاب سے ہے امام سے جو کم رتبہ ہین، ان کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو عام ستارون کو آفتاب سے ہے، باقی عوام الناس تو وہ حوادث یومیہ ہین جو اجرام فلکی کی تاثیر سے وجود مین آتے ہین۔

(۵) پیغمبر انسانیت کی اخیر سرحد پر ہوتا ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر نوع کی انتہا دوسرے نوع کی ابتدا سے متصل ہے۔ اس لیے بشریت کی انتہا ملکوتیت کی ابتدا ہے، اس بنا پر پیغمبر مین ملکوتی صفات پائے جاتے ہین، وہ جسمانیات سے بے پروا ہوتا ہے، روحانیت اسپر غالب ہوتی ہے اس کی قوت نظریہ کے آئینہ مین معارف الٰہی مرتسم ہوتے ہین، اس کی قوت عملیہ عالم اجسام مین طرح طرح کے تصرفات کر سکتی ہے اور اسی کا نام **معجزہ** ہے

اوپر ثابت ہو چکا کہ نفوس ناطقہ مختلف الماہیۃ ہین، بعض کی قوت نظری نہایت کامل ہوتی ہے لیکن

قوت علمی ضعیف ہوتی ہے، بعض اسکے برعکس ہوتے ہین بعض کو دونون مین کمال ہوتاہی اور یہ شاذونادر ہے، بعض کی دونون قوتین ضعیف ہوتی ہین جیساکہ عوام الناس کا حال ہی۔

جب یہ مقدمات ثابت ہوچکے تو سمجھنا چاہیئے کہ روح کا مرض خدا سے اعراض، اور دنیا مین انہماک ہی، جو شخص اس مرض کا طبیب ہوتاہی یعنی لوگون کو خدا کی طرف توجہ دلاتاہی اور دنیا سے ہٹاتاہی وہی پیغمبر ہوتاہے اور یہ بیان ہوچکاہی کہ اس صفت مین اختلاف مراتب ہوتاہی، اس لیے جس شخص مین یہ صفت درجۂ کمال پر پائی جائے گی وہ درجۂ نبوت مین بھی کمال درجہ پر ہوگا جس مین کم درجہ پر ہوگی اس کی نبوت کا درجہ بھی نسبتہً کم ہوگا۔

فصل دوم

قرآن مجید سے ظاہر ہوتاہے کہ نبوت کے ثابت کرنے کا یہی طریقہ افضل اور اکمل ہے، چنانچہ ہم قرآن مجید کی بعض سورتین نقل کرکے انکی تفسیر کرتے ہین جس سے اس دعوی کی تصدیق ہوگی، سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی الخ چونکہ الٰہیات اصل اور نبوات اسکی فرع ہی اسلیے قرآن مجید کا عام طریقہ یہ ہے کہ پہلے الٰہیات کا بیان ہوتاہی، چنانچہ اس سورہ مین الٰہیات ہی سے ابتدا کی، اور فرمایا کہ اپنے خدا کی تسبیح پڑھ جو سب سے برتر ہے، یعنی اس کو ممکنات سے کسی طرح کی مناسبت نہین کیونکہ تمام ممکنات مادہ وصورت یا جنس وفصل سے مرکب ہین اور اُن کی ذات یا صفات تغیر اور فنا کے قابل ہین لیکن خدا ان تمام باتون سے برتر ہے۔

قرآن مجید مین خدا کے ثبوت کی جسقدر دلیلین مذکور ہین سب کا مدار صفات کے حدوث پر ہے (امام رازی کا یہ دعوی جو درحقیقت اشاعرہ کی آواز بازگشت ہے ہمارے نزدیک صحیح نہین، خدا کا ثبوت صفات کے حدوث پر مبنی نہین)

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی (وہ خدا جسنے بنایا اور ٹھیک بنایا) اس سے جسم کے عجائبات مراد ہین۔
وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی (وہ خدا جسنے اندازہ کیا اور راہ دکھائی) اس سے روح کیطرف اشارہ ہو
وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی (اور وہ خدا جسنے چارہ پیدا کیا) اس سے نباتات کی طرف اشارہ ہو حاصل یہ کہ
جماد، نبات، حیوان، روح سب خدا کے ثبوت کے دلائل ہین

الٰہیات کا ذکر ہوچکا تو **نبوات** کا بیان کیا، اوپر بیان ہوچکا کہ انبیا کا کمال چار چیزون مین ہے قوت
نظری، قوت عملی، دوسرون کی قوت نظری کی تکمیل، دوسرون کی قوت عملی کی تکمیل چنانچہ ان چارون
کو بہ ترتیب بیان کیا۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰی (ہم تجکو پڑھا دینگے کہ پھر تو نہ بھولیگا) یہ قوت نظری کے کمال کا بیان ہو
یعنی اے پیغمبر تجکو نفس قدسی عطا کیا گیا ہو جو غلطی اور نسیان سے محفوظ ہے، البتہ اقتضائے
بشریت اس سے مستثنیٰ ہے۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰی (اور ہم تجکو آہستہ آہستہ لائینگے آسانی کیطرف) اس سے قوت عملی کے
کمال کیطرف اشارہ ہے، یعنی تجھ مین ایسا ملکہ پیدا کرینگے کہ خود بخود تجھسے وہ کام سرزد ہونگے جو سعادت
اور راحت دارین کا سبب ہین۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی (تو لوگون کو سمجھا، اگر سمجھانا مفید ہو) اس سے ناقصون کے
اصلاح کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ سمجھانے سے یہی مراد ہے کہ ناقصون کی اصلاح کیجائے ساتھ ہی یہ بھی
بتا دیا کہ ہر شخص مین اصلاح کی قابلیت نہین، کیونکہ نفوس انسانی کے مراتب مختلف ہین بعضونکو سمجھانے سے فائدہ ہوتا ہے
بعضونکو نہین، بعضونکو فائدہ کے بجاے الٹا نقصان ہوتا ہو کیونکہ سمجھانے سے اُنکے حسد، غیظ، غضب اصرار اور ہٹ کو

اور ترقی ہوتی ہے۔

اس کے بعد خدا نے دونون قسم کے آدمیون کی خاصیتین بیان کین چنانچہ فرمایا۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (وہ قبول کرے گا جس کو خدا کا ڈر ہے) یعنی جن لوگون مین اصلاح کی قابلیت ہوتی ہے ان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ خوف الٰہی ہر وقت اُنپر چھایا ہوا ہوتا ہے۔

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى (اور نصیحت سے وہ بدبخت دور رہتا ہے جو بڑی آگ مین داخل ہونے والا ہے) یعنی جو بدبخت ہین وہ نصیحت سے متنفر ہوتے ہین اور اس وجہ سے دنیا مین بھی مبتلائے مصیبت رہتے ہین اور آخرت مین بھی۔

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (پھر یہ بدبخت نہ مرے گا نہ جیے گا) نہ مرنا اسلیے کہ انسان مرنے سے در اصل نہین مرتا کیونکہ روح زندہ رہتی ہے، نہ زندہ رہنا اسلیے کہ ایسا جینا گویا جینا نہین ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (وہ کامیاب رہا جسنے نفس کا تزکیہ کیا) انبیا کی تعلیم کا دو مقصد ہوتا ہی شر کا مٹانا اور خیر کی تعلیم دینا، مَنْ تَزَكّٰى سے پہلے مقصد کی طرف اشارہ ہی کیونکہ تزکیہ کے معنی اخلاق ذمیمہ کے زائل کرنے کے ہین۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اور خدا کو یاد کیا اور نماز ادا کی) اس آیت مین تعلیم خیر یعنی علم و عمل کی تکمیل کا بیان ہے کیونکہ راس العلم خدا کی معرفت اور راس العبادات نماز ہے۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (بلکہ یہ لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہین) یعنی لوگ انبیا کی تعلیم سے اعراض کرتے ہین اسکی وجہ یہ ہوتی ہی کہ ان پر دنیا کی محبت غالب ہوتی ہی۔

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (اور آخرت زیادہ بہتر اور پائدار ہی) آخرت کی ترجیح دو طرح پر ثابت کی، ایک یہ کہ

روحانی لذت جسمانی لذت پر مقدم ہے، دوسرے یہ کہ آخرت کی لذتین ابدی اور دائمی ہین

حاصل یہ کہ آیات مذکورہ مین چار چیزون کا بیان ہے، خدا کی ذات[1] وصفات، نبوت[2] کے اوصاف،

سعید[3] وشقی کی تقسیم اور دونون کا انجام، دنیا[4] پر عقبی کی ترجیح، اور یہی چار چیزین ہین جو علم وعمل کی بنیاد ہین

پھر فرمایا اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی (یہ بات پہلے صحیفون مین بھی ہی) یعنی جسقدر انبیا گذرے سب کی

تعلیم کا مقصد یہی چار چیزین ہین ـ

اسی طرح سورہ والعصر مین بھی انہی چیزون کا بیان ہوا ہے، چنانچہ ہم اسکی بھی تفسیر بیان کرتے ہین ـ

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (بے شبہ انسان نقصان مین ہی) پہلے ہم بیان کرچکے ہین کہ انسان مین ۱۹ مختلف

قوتین ہین دس[1] حواس ظاہری وباطنی[2] دو شہوت وغضب سات نباتی قوتین اور یہی وہ ۱۹ موکیدار ہین جو جہنم

کے دوزخ پر متعین ہین، یہ قوتین سب کی سب انسان کو دنیا کی طرف کھینچتی ہین، صرف ایک عقل روکنا

چاہتی ہی اُس کی قوت ان سب کے مقابلہ مین ضعیف ہی، اس سے ثابت ہوا کہ تمام انسان معرض خطر

مین ہین صرف وہ لوگ مستثنی ہین جن کے پاس روحانی تریاق ہو یہ تریاق چار چیزون سے مرکب ہی

پہلا قوت نظریہ کا کمال، اس کو ان لفظون مین بیان کیا ـ

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (مگر وہ لوگ جو ایمان لائے) دوسرا[2] قوت عملی کا کمال، چنانچہ اس آیت مین اسکی طرف

اشارہ ہی وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور وہ لوگ جنھون نے اچھے کام کیے) تیسرا[3] لوگونکی قوت نظری کی تکمیل اسکو اس آیت مین

بیان کی وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ[1] چوتھا قوت عملی کی تکمیل چنانچہ فرمایا[2]

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یہان یہ شبہ ہوسکتا ہی کہ اس آیت مین صرف صبر کا ذکر ہے اور محض صبر

---

[1] ترجمہ، اور لوگون کو نصیحت کی سچائی کی [2] ترجمہ، اور لوگونکو نصیحت کی صبر کی،

قوت عملی کی تکمیل کیونکر ہو سکتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جس قدر برائیاں ہین دو چیزون کے نتائج ہین شہوت[1] اور غضب[2] شہوت ہر قسم کی بدکاریون کا سبب ہے، اور غضب خونریزی اور سفاکی کا اسی بنا پر جب خدا نے آدم کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتون نے کہا۔

اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِکُ الدِّمَآءَ (کیا تو ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو خونریزی اور فساد کرے گا) تو جب انسان شہوت او غضب کے روکنے پر قادر ہوگا اور اسی کا نام صبر ہے تو قوت عملی کی جس قدر خوبیان ہین سب خود بخود اس کو حاصل ہونگی۔

بہت سی آیتون سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ نبوت کے لیے صرف انھی اوصاف چہارگانہ کا پایا جانا کافی ہے معجزہ کی ضرورت نہین چنانچہ کفار نے جب رسول اللہ صلعم سے معجزات طلب کیے اور کہا کہ ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائین گے جب تک تم زمین سے چشمہ نہ جاری کرو تو خدا نے فرمایا۔

قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا (اے محمد کہدے کہ سبحان اللہ! مین تو صرف آدمی ہون اور پیغمبر ہون) یعنی پیغمبری کے لئے ان باتون پر قادر ہونا ضرور نہین بلکہ صرف قوت نظری اور عملی کا کمال کافی ہے۔

اسی سورۂ **شعرا** مین جب خدا نے کہا کہ قرآن مجید خدا کا کلام اور شیطان کا کلام نہین، تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مین تم کو بتاؤن کہ شیطان کس شخص کے پاس آتے ہین۔

تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ (وہ جھوٹون اور گنہگارون کے پاس آتے ہین) یعنی اگر یہ کلام شیطان کی طرف سے ہوتا تو شیطان چونکہ جھوٹ اور بدکاری کی تعلیم دیتا ہے اس لئے ضرور تھا کہ اس کلام کا پیش کرنے والا خود بھی جھوٹا اور بدکار ہوتا اور اسی کی تعلیم دیتا حالانکہ محمد تو ترک دنیا

اور انقطاع الی اللہ کی تعلیم دیتے ہین اس آیت مین رسول اللہ کی نبوت پر جو استدلال کیا گیا صرف اس بنا پر کہ وہ ترک دنیا اور توجہ الی اللہ کی تعلیم دیتے ہین اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کے لئے اسی قدر کافی ہے معجزہ کی ضرورت نہین۔

کفار یہ بھی کہتے تھے کہ محمد شاعر ہین اور ہر شاعر کے پاس ایک شیطان ہوتا ہی اسکو شاعری مین مدد دیتا ہے خدا نے اسکے جواب مین فرمایا کہ شعراء ہر کوچہ مین سرمارتے پھرتے ہین یعنی وہ لذات دنیوی کا ذکر کرتے ہین اور اسی کی ترغیب دلاتے ہین اور رسول اللہ خدا پرستی کی تعلیم دیتے ہین، اسلئے شیطان اِن کا شریک اور معین نہین ہوسکتا، ان تمام آیتون سے ثابت ہوا کہ نبوت کے اثبات کا یہ طریق اعلیٰ اور افضل ہے

فصل (۳)

پیغمبر کی دعوت کا طریقہ

نبوت کا اصلی مقصد لوگون کو دنیا سے اعراض اور عاقبت کی طرف توجہ کرنے کی تعلیم دینی ہی لیکن چونکہ انسان کو دنیاوی تعلقات سے گریز نہین اس لیے پیغمبر کو دنیوی معاملات پر بھی متوجہ ہونا پڑتا ہی، مذہبی تعلیم کے متعلق جو پیغمبر کا فرض ہی اس کے مہمات اصول تین ہین۔

(۱) یہ بتانا کہ عالم حادث ہے، اور اس کا ایک صانع ہے جو ہمیشہ سے ہی اور ہمیشہ رہیگا جسکو ممکنات سے کسی طرح کی مشابہت نہین، جو کمال کے تمام اوصاف کا جامع ہی، جس کی قدرت تمام ممکنات مین ساری ہی جس کا علم تمام اشیاء پر محیط ہے، جو واحد اور یکتا ہے یعنی نہ اُسکے اجزاء ہین، نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ مقابل ہے، نہ اس کی بیوی ہے، نہ بچے ہین، اسکے بعد یہ بتانا کہ عالم مین جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم و ارادہ سے ہوتا ہے، اور یہ کہ خدا ظلم اور ہرزہ کاری سے بالکل بری ہے لیکن ان امور کی تعلیم کے لیے پیغمبر حسب ذیل طریقے اختیار کرتا ہے۔

(۱) ان عقائد کی تعلیم مناظرہ اور مباحثہ کے طریقہ پر نہین دیتا کیون کہ اس طریقہ سے اعتراضات کا راستہ کھلتا ہے، اور پیغمبر اگر ان اعتراضات کے جواب مین مشغول ہو تو یہ سلسلہ بڑھتا جائے اور اصل مقصد رہ جائے اس لیے پیغمبر دلائل کو خطابیات کے پیرایہ مین ادا کرتا ہے جن مین ترغیب اور ترہیب بھی شامل ہوتی ہے۔ ترغیب و ترہیب کی وجہ سے دل مرعوب ہو جاتا ہے اور چون و چرا کی مجال نہین رہتی، اور چونکہ فی نفسہ بھی وہ دلائل قوی ہوتے ہین، اسلیے ارباب نظر کو بھی اسکے قبول ہی چارہ نہین ہوتا

(۲) پیغمبر تنزیہ محض کی تعلیم نہین دیتا کیون کہ تنزیہ محض عام لوگون کے خیال مین نہین آسکتی بلکہ وہ پہلے یہ بتاتا ہے کہ خدا ممکنات کی مشابہت سے منزہ ہے جیسا کہ قرآن مجید مین ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ پھر یہ بتاتا ہے کہ خدا تمام مخلوقات پر غالب ہے، تمام اچھی باتین اسی تک منتہی ہوتی ہین، وہ عرش پر قائم ہے، لیکن ان پیچیدہ عقائد کے متعلق لوگونکو غور اور فکر سے بالکل روکتا ہے، ہان کوئی صاحب بصیرت ہو تو مضائقہ نہین، پھر بتاتا ہے کہ انسان فاعل مختار ہے جس کام کو چاہے کر سکتا ہے جسکو نہ چاہے چھوڑ سکتا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی تلقین کرتا ہے کہ گو انسان کو خدا نے ہر طرح کا اختیار دیا ہے تاہم جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے، ایک ذرہ اُسکے حکم کے بغیر حرکت نہین کر سکتا۔

یہ دونون خیال اگرچہ بظاہر متناقض ہین لیکن وہ ان کو اسی طرح رہنے دیتا ہے اور لوگون کو ان پر غور و فکر کرنے سے روکتا ہے۔

چنانچہ جناب رسالت پناہ نے تعلیم کا یہی طریقہ اختیار کیا اور یہی طریقہ تمام طریقون سے بہتر ہے آپ نے سب سے پہلے خدا کی تنزیہ نہایت زور کے ساتھ بیان کی اور یہ آیتین پیش کین

واللہ الغنی وانتم الفقرا ء یعنی خدا بے نیاز ہے اور تم لوگ محتاج ہو، اس آیت سے خدا کا ہر چیز سے منزہ ہونا ثابت ہوتا ہی کیونکہ جب غنی ہوگا تو اسکو کسی چیز کی حاجت نہ ہوگی اور جب کسی چیز کی حاجت نہ ہوگی تو وہ مرکب ہوگا نہ متحیز، ورنہ اگر مرکب یا متحیز ہوتا اسکو اجزا یا مکان کی حاجت ہوگی۔

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (اسکے مثل کوئی چیز نہیں) اس سے ثابت ہے کہ خدا جسمانی نہیں ورنہ اجسام کے مشابہ ہوتا۔ اتنے ساتھ خدا کے وجود کو بار بار بڑی تاکید کے ساتھ بیان کیا، یہ اس لئے ضرور تھا کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو لوگ سمجھتے کہ جب خدا نہ جسم ہے، نہ کسی مکان میں ہی، نہ جہت میں ہے، تو سرے سے ہے ہی گا نہیں پھر آنحضرت نے یہ بیان کیا کہ خدا تمام معلومات کا عالم ہی۔

وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ۔ اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ

لیکن اس سے کچھ بحث نہیں کی کہ علم کی یہ صفت عین ذات ہی یا غیر، پھر فرمایا کہ انسان فاعل ہے، صانع ہے خالق ہے، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ خیر و شر جو کچھ ہوتا ہے سب خدا کی طرف سے ہوتا ہی، ان دونوں باتوں میں بظاہر جو تناقض معلوم ہوتا ہے اسکی طرف کچھ توجہ نہیں کی بلکہ صرف حکم دیا کہ ان پر اجمالی ایمان لاؤ۔

غرض آنحضرت کی تعلیم کا اصل اصول یہ ہے کہ خدا کو ہر طرح منزہ مانا جائے اور اُس کے متعلق کچھ غور نہ کیا جائے کہ اس سے تناقض لازم آتا ہے، اس میں راز یہ ہے کہ اگر یہ مانا جائے کہ انسان اپنے بُرے افعال کا آپ خالق ہے تو خدا ظلم کے الزام سے بچ جاتا ہی لیکن اسکی قدرت کی وسعت تنگ ہو جاتی ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ افعال بد کا خالق بھی خدا ہی ہے تو گو قدرت کی وسعت ثابت ہوتی ہے لیکن خدا پر ظلم کا الزام آتا ہے، اس لئے آنحضرت نے یہ تعلیم کی کہ خدا کو

تمام افعال کا خالق بھی مانا جائے اور ظلم اور جور سے بری بھی مانا جائے[1]۔

دوسرا اصول انبیار کی تعلیم کا یہ ہے کہ انسان کو تین طرح سے خدا کی عبادت کرنی چاہیے دل سے، اعضا سے مال سے، پہلی قسم کی عبادت، معارف اور اعتقادات ہین، دوسری نماز روزہ وغیرہ تیسری زکوٰۃ وغیرہ، تیسرا اصول قیامت اور واقعات قیامت پر ایمان لانا۔

یہ تین چیزین انبیا کی تعلیم کا اصل الاصول ہین۔

مہات دین کی دو قسمین ہین، امورِ حسنہ کی تحصیل، امور قبیحہ کا ازالہ، دوسری قسم پہلی پر مقدم ہے، کیونکہ ایک لوح پر اگر کوئی غلط تحریر ہو تو پہلے اس کے مٹانے کی ضرورت ہوگی۔ اس بنا پر سورہ بقر مین فرائض مذہبی کے جو مراتب ہفتگانہ مذکور ہین، ان مین سے پہلے تقوی کا ذکر ہے هُدًى لِلْمُتَّقِينَ کیونکہ اتقا امور قبیحہ سے بچنے کو کہتے ہین، باقی مراتب ہین یہ ترتیب ہے کہ روح کا

---

[1] امام رازی کی یہ تقریر اگرچہ بظاہر نہایت لغو اور دور از کار معلوم ہوتی ہے، وہ ایسی تعلیم کی عمدگی ثابت کرتے ہین جو بالکل متناقض اور ضد یک دگر ہے، باقی یہ حکم کہ اس تناقض پر غور نہ کرو، کہان تک تعمیل کے قابل ہے، غور اور فکر سے باز رہنا انسان کی اختیاری چیز نہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام رازی نے انسان کی فطرت کو خوب سمجھا ہے، خود دیکھتے ہین کہ ہزار دن لاکھون آدمی خدا کی نسبت یہ تسلیم کرتے ہین کہ وہ تمام چیزون کا خالق ہے کوئی چیز اسکے حکم اور مرضی کے بغیر وجود مین نہین آسکتی، ایک پتہ اسکے اشارہ کے بغیر ہل نہین سکتا باوجود اسکے یہ بھی مانتے ہین کہ خدا عادل ہے، منصف ہے، رحیم ہے، فیاض ہے، تو جب ایسے متناقض خیالون کو لوگ تسلیم کرتے ہین اور انکو خیال تک نہین آتا کہ یہ دونون اعتقاد باہم متناقض ہین تو اگر اسکی تعلیم دیجائے تو کیا اعتراض کی بات ہے، ہمین بھی شبہ نہین کہ اس مسئلہ مین ایک خاص پہلو اختیار کرنے سے یا جبر محض ہو جاتا ہے یا خدا کی عظمت وشان کا پورا اثر اسکے دل پر نہین رہتا، اسلیے یہی جامع الاضداد طریقہ فطرت انسانی کے مناسب ہے لیکن میرے دل سے پوچھیے تو مین انسان کو فاعل بالاختیار مانتا ہون اور اس سے خدا کی عظمت وشان مین کچھ فرق نہین آتا،

مرتبہ جسم سے مقدم ہے اور جسم کا مرتبہ مال سے اسلیے پہلے۔

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ فرمایا کیونکہ ایمان اور اعتقاد لانا روح سے متعلق ہی پھر نماز کا ذکر کیا۔

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کیون کہ نماز جسمانی اعمال مین داخل ہے پھر زکوۃ کا بیان کیا۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ کیون کہ زکوۃ مال سے متعلق ہی یہ چارون امور الہیات سے متعلق تھے انکا بیان ہوچکا، تو نبوت کے متعلقات بیان کیے چنانچہ فرمایا۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ اس مین آنحضرت پر ایمان لانیکا ذکر ہے، پھر فرمایا

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یعنی انبیاے سابقین پر ایمان لانا بھی شروط ہے جب الٰہیات اور نبوات کا بیان ہوچکا اور ماضی حال مستقبل، تینون زمانہ کے متعلق جو فرائض ہین انکی تفصیل ہوچکی تو فرمایا۔

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (یہی لوگ خدا کی طرف سے ہدایت پر ہین اور یہی لوگ کامیاب ہین) مقصد یہ کہ جب تک آدمی دنیا مین ہی مسافر ہے اور مسافر کے لیے ضرور ہی کہ راستہ کے علامات اور حالات معلوم ہون، اس بنا پر ان لوگون کی شان مین جو فرائض مذکورہ پر کاربند ہین فرمایا کہ یہ لوگ راستہ سے واقف ہین، اور یہی لوگ مرنے کے بعد کامیاب بھی ہون گے یعنی منزل مقصود تک پہونچ جائین گے۔

(اس تقریر کے بعد امام صاحب کہتے ہین کہ دعوت اسلام کا یہ طریقہ بہترین طرق ہے اور اگر مین شریعت اسلامی کے نکات اور لطائف کی تفصیل بیان کرون تو ایک دفتر ہو جاے گا اس لیے اختصار پر قناعت کرتا ہون)

فصل چہارم	اس امر کے بیان مین کہ آنحضرت افضل الانبیا ہین۔

اوپر بیان ہو چکا کہ پیغمبر وہ ہوتا ہے جو نفوس انسانی کا علاج کرتا ہے، اس بنا پر جس شخص میں یہ وصف زیادہ کمال کے ساتھ پایا جائے گا اسی قدر وہ پیغمبری میں بھی کامل ہوگا، اب انبیاے سابقین کے حالات پر غور کرو، حضرت موسی علیہ السلام کی تعلیم کا اثر بنو اسرائیل تک محدود رہا حضرت عیسی علیہ السلام کی تعلیم قریباً بالکل بے اثر رہی، جو لوگ آج عیسائیت کے مدعی ہیں وہ تثلیث کے قائل ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسی نے تثلیث کی تعلیم نہیں دی تھی، اس بنا پر جو لوگ عیسائی کہلاتے ہیں وہ بھی درحقیقت عیسائی نہیں، اب رسول اللہ صلعم کی نبوت پر غور کرو۔

آنحضرت سے پہلے تمام عالم گمراہی میں مبتلا تھا، بت پرست پتھر پوجتے تھے، یہود خدا کو مجسم مانتے تھے مجوسی دو خدا مانتے، اور ماؤں اور بیٹیوں سے نکاح کرتے تھے، عیسائی تثلیث کے قائل تھے، صابئین ستارہ پرست تھے، اس لحاظ سے تمام عالم گمراہ اور برگشتہ تھا، آنحضرت صلعم کا پیدا ہونا تھا کہ تمام ادیان باطلہ غبار بنکر اڑ گئے، اور آفتاب توحید کی روشنی تمام دنیا میں پھیل گئی۔ اس سے علانیہ ثابت ہے کہ آنحضرت کی دعوت اور ہدایت کا اثر تمام انبیاے سابقین سے بڑھکر تھا، اس لئے آپ نبوت کے اعتبار سے تمام انبیا سے اعلی اور افضل ہیں۔ آنحضرت کے افضل الانبیاء ہونے کی یہ دلیل لمی دلیل ہے یعنی پہلے نبوت کی حقیقت بیان کی گئی پھر یہ ثابت کیا گیا کہ یہ وصف جس کمال کے درجہ پر آپ کی ذات میں تھا اور کسی پیغمبر میں نہ تھا۔

فصل پنجم | اس بیان میں کہ نبوت کی صحت پر اس طریقہ سے استدلال کرنا زیادہ قوی ہے بنسبت اسکے کہ معجزات سے استدلال کیا جائے۔

معجزہ سے نبوت پر استدلال کرنا برہان انی ہے یعنی اثر سے موثر پر استدلال کرنا ہے، اور جو طریقہ

ہم نے ابھی بیان کیا، یہ برہان لمی ہے جس سے اصل نبوت کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے، اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت امراض روحانی کے طبیب ہیں اور امراض روحانی کے طبیب ہی کو پیغمبر کہتے ہیں :-

---

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گا کہ آنحضرت کا منطق و فلسفہ و ہندسہ و طب وغیرہ سے واقف ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ چیزیں، استغراق اور توجہ الی اللہ میں خلل انداز ہوتی ہیں، اس تقریر سے وہ تمام اعتراضات جو نبوت پر وارد ہوتے ہیں اور جنکا ذکر اوپر گذر چکا خود بخود اُٹھ جاتے ہیں۔ مثلاً یہ اعتراض کہ ہر پیغمبر انبیاے سابقین کی شریعت کو منسوخ کر دیتا ہے اور یہ بالکل لغویات ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے دو حصے ہیں، عقلی، اور وضعی عقلی میں نسخ نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف خدا کی تقدیس اور خلق اللہ کی خیر خواہی کا نام ہے اور یہ نسخ کے قابل نہیں، اسی بنا پر قرآن مجید میں آیا ہے کہ:-

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۤءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ آؤ ہم تم ایک ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو ہم دونوں کے نزدیک مسلم ہے وہ یہ کہ خدا کے اسوا اور کسی کو نہ پوجیں -

شریعت کا دوسرا حصہ یعنی احکام اور قانون، یہ البتہ نسخ کے قابل ہے اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ انسان جب کسی کام کو ایک مدت سے کرتا آتا ہے تو پھر اس میں اثر باقی نہیں رہتا، وہ اس کام کو بر بناے عادت کرنے لگتا ہے، نہ بر بناے رغبت و شوق، اس لئے نسخ کے ذریعہ سے ایک جدت آجاتی ہے اور لوگ اس کام کو شوق اور رغبت سے کرنے لگتے ہیں، باقی یہ اعتراض کہ شریعتوں میں جو تھوڑا سا ادل بدل ہوتا ہے اسکے لیے قتل اور خونریزی کا جائز رکھنا پسندیدہ نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ جزئیات میں اگر ایسا نہ کیا جاتے تو کلیات بھی لوگ نہ مانیں گے (لیکن میرے نزدیک

شریعت اسلامی مین حفاظت خود اختیاری کے سوا کسی حالت مین قتل، اور خونریزی کی اجازت ہی نہین ہے، شبلی نعمانی

سب سے اخیر اعتراض یہ تھا کہ قرآن مجید مین تشبیہ کے الفاظ بہت وارد ہین جن سے خدا کا جسمانی اور مکانی ہونا ثابت ہوتا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ تنزیہ محض، عام لوگون کے خیال مین آ ہی نہین سکتی تھی اس لئے بین بین کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

معارج القدس کی عبارت مذکورۂ بالا کا ماحصل

نبوت اور رسالت

اس مسئلہ مین امور ذیل سے بحث ہے۔

۱۔ کیا نبوت کی حد اور حقیقت بیان کی جا سکتی ہے؟

۲۔ نبوت کوئی اکتسابی چیز ہے یا الہامی؟

۳۔ نبوت پر استدلال۔

۴ نبوت کے خواص جنکو معجزات کہتے ہین۔

۵ تبلیغ نبوت کی کیفیت

پہلی بحث،

نبوت کے مفہوم سمجھنے کے لیئے یہ ضرور نہین کہ اس کی حدِ تام بیان کی جائے، سیکڑون ہزارون چیزین ہین جن کی جنس و فصل، حدّ اور حقیقت ہمکو معلوم نہین، باوجود اس کے ہم اُسکے مفہوم کو سمجھتے اور جانتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شے کا جاننا، حد تام، یا جنس و فصل کے جاننے پر موقوف نہین، عقل، روح، اور غیر مادی اشیاء کا تصور ہم کرتے ہین اور اُن کی حقیقت کو بالکل نہین جانتے،

فرض کرو کوئی شخص اگر خود کسی پیغمبر سے نبوت کی ماہیت اور اس کی جنس و فصل پوچھتا، تو کیا پیغمبر نبوت کی حد ورسم کے بتلانے مین مشغول ہوتا؟ اور کیا اگر پیغمبر ایسا نہ کرتا تو اس شخص کو یہ حق ہوتا کہ جب تک پیغمبر نبوت کی حد تام نہ بتائے وہ ایمان نہ لاتے۔

نبوت ایک وصف ہے جو انسانیت سے بالاتر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہی، انسان حیوانات کو مسخر کرتا ہے لیکن حیوانات یہ عذر نہین پیش کر سکتے کہ جب تک ہمکو انسان کی حقیقت اور ماہیت نہ بتائی جائے ہم انسان کی اطاعت نہ کرین گے۔ عام انسانون اور پیغمبر مین بھی یہی نسبت ہے فرعون نے حضرت موسیٰ سے بار بار خدا کی ماہیت اور حقیقت پوچھی لیکن حضرت موسیٰ نے حقیقت کچھ نہین بتائی بلکہ صرف اس کی قدرت کے آثار بتائے جس کی وجہ یہ تھی کہ خدا کی حد وحقیقت بتائی نہین جاسکتی اور خدا پر ایمان لانے کے لئے حد وحقیقت کا معلوم ہونا ضروری نہین

دوسری بحث نبوت کوئی اکتسابی چیز نہین بلکہ خدا جس شخص مین یہ قابلیت پیدا کرتا ہے، وہی نبی ہوتا ہے، قرآن مجید مین ہے۔

اَللّٰہُ اَعلَمُ حَیثُ یَجعَلُ رِسَالَتَہٗ یعنی خدا ہی جانتا ہے کہ پیغمبری کے لئے کسکو انتخاب کرے لیکن ریاضت فکر۔ مجاہدہ لوازم نبوت سے ہین جن کی وجہ سے نبی وحی کے قابل ہوتا ہے، اس کی یہ مثال ہے کہ انسان کا انسان ہونا کوئی اکتسابی چیز نہین، بااین ہمہ انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہین ان مین کسب اور مجاہدہ کو دخل ہوتا ہے اسی طرح نبوت گو کوئی اکتسابی چیز نہین لیکن نبی عبادت اور مجاہدہ کرتا ہے تب اس پر نبوت کے آثار مرتب ہوتے ہین اسی بنا پر آنحضرت عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پاؤن پر ورم آجاتا تھا۔

بنی فطرةً معتدل مزاج اور پاکیزہ صورت ہوتا ہے، اسکی اٹھان اور تربیت عمدہ ہوتی ہے اس مین شریفانہ اخلاق پائے جاتے ہین، اسکے چہرہ سے نور ٹپکتا ہے، حلم۔ وقار۔ تواضع، راست گوئی۔ دیانت داری، اسکی فطرت ہوتی ہے، وہ ہر قسم کی رذائل اور دنی باتون سے بری ہوتا ہے عفو احسان، صلہ رحم، حفظ غیب حسن جوار، اعانت مظلوم، یہ تمام اوصاف اس مین بالطبع پائے جاتے ہین، وہ بالطبع اچھی باتون کو پسند اور بری باتون سے نفرت کرتا ہے، وہ مغرور۔ جابر، درشت خو، اور کج خلق نہین ہوتا چپ رہتا ہے تو لوگون پر اسکا رعب چھا جاتا ہے بات کرتا ہے تو اسپر کوئی گرفت نہین کر سکتا، اسکی حرکت وسکون دونون مین سنجیدگی پائی جاتی ہے، تمام لوگ طوعًا اور کرہًا اسکے سامنے سر جھکا دیتے ہین

تیسری بحث | نبوت کا ثبوت

نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہین اجمالی وتفصیلی چنانچہ ہم دونون کو الگ الگ بیان کرتے ہین

یہ امر بدیہی ہے کہ انسان کو جو چیز تمام حیوانات سے الگ کرتی ہے وہ نفس ناطقہ ہی، یہی چیز ہے جس کی بدولت انسان حیوانات سے فائق ہے، انکو مسخر کرتا ہے، ان پر ہر طرح کا تصرف کرتا ہے، اسی طرح انبیا مین ایک خاص عقل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ تمام انسانون سے ممتاز نظر آتے ہین تمام انسان انکے محکوم اور تحت التصرف ہوتے ہین اور جس طرح انسان کے افعال اور حرکات حیوانات کے لئے معجزہ ہین یعنی حیوان کبھی انسان کی قوت فکری اور عقلی کا ہمسر نہین ہو سکتا، اسی طرح انبیا سے جو افعال سرزد ہوتے ہین۔ وہ عام انسانون کے لئے معجزہ ہوتے ہین یعنی اور لوگون سے وہ افعال سرزد نہین ہو سکتے،

جس طرح نبی کی عقل اوروں سے ممتاز ہوتی ہے اسی طرح اسکا نفس، اُسکی طبیعت، اسکا مزاج بھی

تمام لوگون سے ممتاز اور نفوس فلکی کے مشابہ ہوتا ہے۔

جس طرح ہر حیوان انسان نہین ہو سکتا، اسی طرح ہر آدمی نبی نہین ہو سکتا، خدا ہی جانتا ہو کہ کس شخص مین نبی ہونے کی قابلیت ہے اور کس مین نہین؟ خدا جس شخص کو نبوت کے لیے انتخاب کرتا ہی اسکی عقل اسکی طبیعت، اس کا مزاج بھی منتخب ہوتا ہے یعنی اور لوگون کی عقل، مزاج، اور طبیعت سے اسکو کچھ نسبت نہین ہوتی، وہ صورۃً انسانون کے مشابہ ہوتا ہے لیکن معنیً سب سے الگ ہوتا ہی، وہ بشر ہوتا ہے لیکن اسکی بشریت، وحی کے قابل ہوتی ہے، قرآن مجید کی اس آیت مین قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ مین انہی دونون باتون کی طرف اشارہ ہے

تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہین۔

پہلا طریقہ انسان مین تین قسم کی قوتین پائی جاتی ہین فکری - قولی عملی، ان قوتون سے جو افعال سرزد ہوتے ہین وہ اچھے بھی ہوتے ہین اور برے بھی، ان دو متضاد حالتون کے لحاظ سے ہر ایک کا الگ نام ہوتا ہے، فکر کو حق و باطل سے موسوم کرتے ہین، قول کو صادق و کاذب کہتے ہین، عمل کو خیر و شر سے تعبیر کرتے ہین

یہ امر ظاہر ہے کہ تمام افعال قابل عمل نہین ہین اور نہ سب قابل ترک، بلکہ بعض قابل عمل ہین اور بعض قابل ترک،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قابل عمل اور قابل ترک کی تمیز یا ہر شخص کر سکتا ہے، یا کوئی نہین کر سکتا یا بعض کر سکتے ہین اور بعض نہین پہلے دونون احتمال بداہۃً باطل ہین، اس لئے صرف تیسرا احتمال باقی رہا یعنی بعض انسان ایسے ہوتے ہین جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہین کہ فلان افعال عمل کے قابل ہین،

اور فلاں نہیں، یہی لوگ پیغمبر اور بانی شریعت ہوتے ہیں۔

| دوسرا طریقہ | یہ امر ظاہر ہے کہ انسان کی بقا آپس کی اعانت اور اجتماع کے بغیر نہیں ہو سکتی، اگر آپس

میں تعاون اور تعاضد نہ ہو تو نہ انسان کا کوئی فرد باقی رہ سکتا ہے، نہ اسکی نوع، نہ اسکا مال، نہ اسکی عزت، اس اجتماع اور تعاون کے جو اصول و آئین ہیں انہی کو شریعت کہتے ہیں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی بقاے نوع اور بقاے جان و مال کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے تعاون اور تمانع تعاون کے ذریعہ سے انسان اپنی خوراک، لباس، اور مسکن اور دیگر ضروریات مہیا کرتا ہے اور تمانع کے ذریعہ سے اس کی جان مال اولاد خطرات سے محفوظ رہتی ہے لیکن اس تعاون اور تمانع کا کوئی باقاعدہ ضابطہ اور دستور العمل ہونا چاہئے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص ایسا دستور العمل اور ضابطہ نہیں بنا سکتا جو تمام بنی نوع انسان کے مناسب حال اور ہر شخص کی ضروریات کا کفیل ہو، ایسا ضابطہ صرف وہ شخص وضع کر سکتا ہے جسکو قوت قدسیہ حاصل ہو جس کو ان روحانیات سے فیض پہونچتا ہو جنکے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ ہے، یہ شخص رموز مذہب سے آگاہ ہوتا ہے، ہر بات میں حق کا پیرو ہوتا ہے، ہر شخص سے اسکی سمجھ کے موافق خطاب کرتا ہے، لوگوں کو ان کی استطاعت کے موافق، احکام کی تکلیف دیتا ہے، یہی شخص پیغمبر اور رسول ہوتا ہے۔

| تیسرا طریقہ | اس طریقہ کے سمجھنے کے لئے مقدمات ذیل ذہن نشین رکھنے چاہییں۔

(۱) چونکہ ممکن کا وجود و عدم برابر ہے اس لئے ممکن کے وجود میں آنے کے لئے مرجح کا ہونا ضرور ہے جس کی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو، یہی مرجح ممکن کی علت ہوتا ہے۔

(۲) ہر قسم کی حرکات کے لئے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہی جو حرکت کی تجدید کرتا رہتا ہی حرکات کی بھی دو قسمین ہین، طبعی اور ارادی، ارادی حرکت کے لئے ضرور ہے کہ اس کے محرک مین ارادہ اور اختیار پایا جائے

ارادی حرکت کی بھی دو قسمین ہین، خیر و شر، پہلی قسم کے لئے ضرور ہے کہ اس کا محرک صاحب عقل و تدبیر ہو، اسی بنا پر خدا نے فرمایا ہے وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا یعنی خدا نے ہر آسمان میں بذریعہ وحی اپنا حکم بھیجا

(۳) جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہی یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع مین نہین آسکتین، اسی طرح ان حرکات کو ایک ایسے رہنما کی بھی ضرورت ہی جو ٹھیک راستہ بتائے تاکہ وہ حق کو باطل سے سچ کو جھوٹ سے، خیر کو شر سے تمیز کر سکے۔

(۴) خدا کے حکم دو قسم کے ہین **تدبیری** اور **تکلیفی**، پہلا حکم تمام نظام عالم مین جاری ہے جس کی بنا پر تمام عالم مین تدبیر اور نظام کا سلسلہ نظر آتا ہی، قرآن مجید مین ہے

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ آفتاب۔ چاند۔ ستارے سب اُسکے حکم کے تابعدار ہین ہان خلق اور امر دونون خدا ہی کے لئے ہین۔

تکلیفی حکم صرف انسان کے لئے ہے چنانچہ قرآن مین ہے۔

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ اے لوگو! خدا کی عبادت کرو جس نے تمکو پیدا کیا۔

مقدمات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کے تمام حرکات ممکن ہین، اس لئے مرجح کی ضرورت ہی اختیاری ہین اس لئے عقل کی ضرورت ہی محتمل الخیر والشر ہین، اس لئے رہنما کی ضرورت ہے اسی رہنما کا نام پیغمبر ہے۔

نظامِ عالم مین خدا کا تدبیری حکم جو نافذ ہے، ملائکہ کے ذریعہ سے ہے، اس قیاس پر انسانون پر خدا کا جو تکلیفی حکم نافذ ہے وہ بھی کسی کے ذریعہ سے ہوگا اُسی کا نام پیغمبر ہے۔

باقی جن لوگون کا یہ خیال ہے کہ امر و نہی۔ ترغیب و ترہیب، تنبیہ و تہدید، **انبیا** خود اپنی طرف سے کرتے ہین، خدا کو اس سے واسطہ نہین، اور خدا کی طرف ان افعال کی نسبت مجازاً ہی تو یہ لوگ انبیا کو (نعوذ باللہ) کاذب اور خائن قرار دیتے ہین۔

جب یہ مسلم ہے کہ خدا تمام عالم کا بادشاہ ہے اور بادشاہ عموماً امر و نہی، تنبیہ و تہدید، ترغیب و ترہیب کرتے ہین تو خدا سے یہ امور کیون بعید ہین۔

نبوت کے خواص نبوت کے تین خاصے ہین ایک قوت تخیل سے متعلق ہے دوسرا قوت نظری سے تیسرا قوت عملی سے، پہلی خاصیت کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(امام غزالی نے یہان یونانی فلسفہ کا ایک مسئلہ بیان کیا ہے اور اسکو بہت پھیلا کر لکھا ہی لیکن وہ مسئلہ نہایت لغو اور مہمل ہے اور اس کی دلیل اُس سے زیادہ مہمل، اسکا خلاصہ یہ ہی کہ یونانیون کے نزدیک افلاک ذی روح ہین، اور تمام کلیات و جزئیات کی صور علمیہ ان کے نفس مین مرتسم ہین، اس بنا پر وہ عالم جزئیات و کلیات ہین، انسان کو جو علم ہوتا ہے وہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ صور علمیہ جو افلاک کے نفوس اور جواہر مجردہ مین مرتسم ہین وہی انسان کے نفس ناطقہ مین مرتسم ہو جاتے ہین کیون کہ نفس ناطقہ چون کہ مجرد ہے اس لئے اس کو عقول مجردہ اور نفوس افلاک سے اتصال ہوتا ہے، لیکن امام صاحب کا اصلی استدلال اس مسئلہ کے ماننے پر موقوف نہین، وہ قوت متخیلہ سے استدلال کرتے ہین اور قوت متخیلہ کے وجود سے کسی کو انکار نہین ہے)

قوت متخیلہ مین جو اشیا کی صورتون کے مرتسم ہونے کی قابلیت ہے، وہ مختلف المدارج ہی بعض آدمیون مین یہ قابلیت قوی ہوتی ہے، بعض مین کمزور، اور بعض مین بالکل ندارد، قوت متخیلہ جب قوی ہوتی ہی، تو محسوسات سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی فوراً اسمین صورتین مرتسم ہونی شروع ہوتی ہین قوت متخیلہ کا ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ایک صورت پر قناعت نہین کرتی، ایک صورت کو چھوڑ کر وہ دوسری صورتین پیدا کرنی شروع کرتی ہے، جو پہلی صورت کے مشابہ یا مخالف ہوتی ہین، مثلاً انسان ایک شے کو آنکھون سے دیکھ رہا ہے، دیکھتے دیکھتے اس کا خیال ایک ذرا سے تعلق سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، پھر اُس چیز سے ایک اور چیز کی طرف، یہان تک کہ پہلی چیز بالکل بھول جاتی ہے اسی حالت مین پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس چیز کا کیون تصور ہوا تھا، اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ پہلے خیال کی طرف واپس آ جاتا ہے۔

یہ قوت بعضون مین اسقدر مستحکم اور قوی ہوتی ہے کہ جو صورت خیال مین آتی ہی وہ قائم رہتی ہے، اور اُس سے ہٹ کر دوسری صورتون کی طرف منتقل نہین ہوتی، اس قسم کی قوت سے جو خواب نظر آتا ہی وہ محتاج تعبیر نہین ہوتا۔

قوت متخیلہ عموماً اس وقت کام کرتی ہے جب ظاہری حواس بیکار ہوتے ہین اسی بنا پر نیند کی حالت مین یہ قوت زیادہ تر کام کرتی ہے کیونکہ اُسوقت حواس ظاہری معطل رہتے ہین، لیکن بعض آدمیون مین یہ قوت اسقدر قوی ہوتی ہے کہ حواس ظاہری کے بحال رہنے کی حالت مین بھی وہ اپنا کام کرتی ہے، اور اس لیے بیداری مین بھی ان کو وہ باتین نظر آتی ہین جو اور لوگون کو خواب کی حالت مین نظر آتی ہین۔

قوت متخیلہ کو جو صورتین نظر آتی ہین کبھی وہ ان مین تصرف کرکے حس مشترک کے حوالہ کرتی ہی اس صورت مین انسان عجیب وغریب خدائی صورتین اور آوازین مشاہدہ کرتا اور سنتا ہے، یہ صورتین اور آوازین بالکل محسوسات کے مثل ہوتی ہین، یہ **نبوت** کا ادنی درجہ[1] ہی اس سے ترقی ہوکر یہ حالت پیدا ہوتی ہے، کہ قوت متخیلہ ان صورتون مین کسی قسم کا تصرف نہین کرتی اور بعینہ وہی صورتین حس مشترک مین آتی ہین ۔

اس سے بڑھکر یہ کہ قوت متخیلہ اور قوت عقلی اور عملی، ایک ساتھ کام کرتی ہین، اور یہ درجہ نبوت کا وہ درجہ ہے جو قوت عقلی عملی اور خیالی تینون کا جامع ہے، قرآن مجید کے قصون پر خیال کرو، کس طرح ایک ایک جزئی واقعہ بیان کیا ہے گویا تمام واقعات آنحضرت کے آنکھون کے سامنے تھے، اور یہ تمام واقعات بالکل سچ ہین ۔

یہ امر کہ جو صورتین قوت متخیلہ مین مرتسم ہوتی ہین وہ حس مشترک مین آکر آنکھون سے نظر آنے لگتی ہین، اس سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا مجانین کو دیکھو، وہ جو کچھ تخیل کرتے ہین، اُنکو آنکھو نسے نظر آنے لگتا ہے، اصل یہ ہے کہ **قوت متخیلہ** عقل اور حس دو قوتون کے درمیان مین واقع ہی حس قوت متخیلہ کے سامنے محسوس صورتین پیش کرکے اسکو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہی عقل کا یہ کام ہی کہ قوت متخیلہ کو غلط تخیلات سے روکتی ہے، ان دونون قوتون کی کشمکس اور مزاحمت مین قوت متخیلہ اپنا اصلی کام آزادی سے نہین کرسکتی، لیکن جب ان مین سے ایک کا زور کم ہوتا ہے، تو قوت متخیلہ آزادی حاصل کرنا چاہتی ہی مثلاً جب قوت حسیہ کا بار اُسپر نہین پڑتا تو وہ عقل پر غالب آکر اپنے خاص کام مین مشغول ہوتی ہی

[1] انبیا کی اس قوت کو قوت متخیلہ کے بجاے **قوت قدسیہ** کہنا زیادہ صحیح ہے، ۱۲ شبلی نعمانی

یعنی صورتون کو اصلی صورت مین حس مشترک کے حوالہ کرتی ہے، نیند مین یہی کیفیت ہوتی ہے یا مثلاً جب عقل کی حکومت سے اس کو نجات ملتی ہے تو قوت ناسیہ پر غالب آکر خیالی صورتون کو اس طرح حس مشترک مین بھیجتی ہے کہ وہ آنکھون سے نظر آنے لگتی ہین چنانچہ جنون اور خوف کی حالت مین ایسا ہی ہوتا ہے اسی بنا پر ان حالتون مین مجانین کو وحشت ناک صورتین نظر آتی ہین

اسی بنا پر واقعات غیب کی خبر جو لوگ دیتے ہین اسی حالت مین دیتے ہین جب اُنکے قواے حسیہ باطل ہو جاتے ہین اور اُنپر صرع یا غشی طاری ہوتی ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قوت تخیلہ زیادہ کام کرتے کرتے تھک جاتی ہے، اس صورت مین وہ محسوسات کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے، اور اس وجہ سے نفس ناطقہ سے اتصال ہوتا ہے اور صور مجردہ کو وہ مشاہدہ کرتی ہے، کاہن جو واقعات آیندہ کی پیشین گوئیان کرتے ہین اسی حالت مین کرتے ہین۔

یہان یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ جب مجانین، کاہن، آسیب زدہ بھی، واقعات آیندہ کی پیشین گوئی کر سکتے ہین تو نبوت کو کیا ترجیح ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ تخیل کے مراتب مختلف اور متفاوت ہین یہانتک کہ بعض حکما کا قول ہے کہ تخیل کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ روح کو اس نفس سے اتصال ہو جائے جو فلک قمر کی مدبر اور واہب الصور ہے، اور تمام وہ صورتین اسمین مرتسم ہوسکین جو نفس فلکی مین مرتسم ہین (یہ وہی ارسطو کا خیال ہے کہ افلاک صاحب ادراک ہین اور جو صور علیہ ان مین مرتسم ہین وہ سب انسان کے نفس ناطقہ مین بھی مرتسم ہو سکتے ہین) یہ تخیل کا اعلیٰ درجہ ہے،

تخیل کا ادنیٰ درجہ حیوانات مین پایا جاتا ہے اور بعض حیوانات مین مطلقاً یہ قوت نہین ہوتی۔

یہ اختلاف قوت وضعف کی بنا پر تھا، تباین اور تضاد کا اختلاف اس طرح ہوتا ہے کہ بعض تخیلات سچے اور صحیح ہوتے ہین اور اُنکا مخرج نفوس مقدسہ ہوتے ہین بعض بالکل جھوٹے اور فتنہ انگیز اور اُنکا مخرج نفوس خبیثہ ہوتے ہین، بعض دونون کے بین بین، یہ بات بھی یہان جتانے کے قابل ہو کہ عقل، خیال اور حس کے مختلف اقسام ہین، عقل[1] محض جسمین مطلق خیال کی آمیزش نہین۔ خیال[2] محض جس مین عقل کا لگاؤ نہین، عقل[3] جو بالکل خیال ہے۔ خیال[4] جو بالکل عقل ہو حس[5] جو خیال سے پیدا ہوتی ہے خیال[6] جو حس سے پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح بعض علم بالکل ظن کے مشابہ ہوتے ہین اور بعض ظن علم کے ہم پایہ ہوتے ہین۔ قرآن مجید کی اس آیت مین وَاِنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ دوسری قسم کے ظن کا ذکر ہو۔

"قرآن مجید مین جن کا جہان ذکر آیا ہے، ظن کے لفظ سے آیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہو کہ انکا وجود اور انکا تصور خیالی ہو، اور اُن کی صورتین صرف خیال کو نظر آسکتی ہین اور چونکہ خیال حس اور عقل کے درمیان مین ہے، اس لیے جو چیز خیالی ہوگی وہ جسمانی اور روحانی کے بین بین ہوگی۔ جیسے اجنہ اور شیاطین، اور جو چیز وسط مین ہوتی ہے، وہ یا تو طرفین سے مرکب ہوتی ہے یا دونون سے الگ ہوتی ہے۔

نبوت کی دوسری خاصیت — یہ خاصیت قوت نظری کی تابع ہے

اشیاے مجہولہ کے ادراک کا طریقہ یہ ہو کہ چند معلوم باتون کو ترتیب دیتے ہین، اس ترتیب سے ایک مجہول بات معلوم ہو جاتی ہے، مثلاً ہمکو معلوم تھا کہ عالم مین تغیر ہوتا رہتا ہو یہ بھی معلوم تھا کہ جس چیز مین

؎ یہ فقرہ امام غزالی کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہو۔

تغیر ہوتا رہتا ہے وہ فانی ہے، ان دونو مقدمات کو حسب اسطرح ترتیب دیا کہ عالم متغیر ہے، اور جو متغیر ہو فانی ہی تو یہ نتیجہ نکلا کہ عالم فانی ہے، یہ نتیجہ ہمکو پہلے معلوم نہ تھا لیکن جن مقدمات کی ترتیب سے معلوم ہوا وہ پہلے سے معلوم تھے، ان مقدمات کو صغریٰ اور کبریٰ کہتے ہین، اور جو جزء دونون مقدمون مین مشترک ہوتا ہی اس کو حد اوسط کہتے ہین۔

اشیاے مجہولہ کا علم دو طریقہ سے ہوتا ہے **فکر** اور **حدس**، فکر مین ذہن، مقدمات معلومہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، حد اوسط کو تلاش کرتا ہے، سب کو ملا کر ترتیب دیتا ہے ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہی حدس مین دفعۃً تمام مقدمات ذہن مین آجاتے ہین اور اُسسے فوراً نتیجہ کی طرف ذہن منتقل ہوجاتا ہے ممکن ہی کہ اس حالت مین بھی حرکت فکری وقوع مین آتی ہو لیکن یہ حرکت اسقدر جلد اور غیر نمایان ہوتی ہی کہ ذہن اس کو مطلق محسوس نہین کرتا حدس مین کم و کیف دونون اعتبار سے اختلاف مراتب ہوتا ہی بعض آدمیونکو اکثر حدس ہوتا ہے بعض آدمیون کو نہایت جلد ہوتا ہے یعنی ذرا سا غور کرنے سے فوراً مقدمات ذہن مین آجاتے ہین اور ساتھ ہی نتیجہ بھی ذہن مین آجاتا ہے حدس کے مراتب نہایت مختلف ہین، بعض ایسے کودن ہوتے ہین کہ سیکڑون دفعہ غور کرنے سے بھی انکا ذہن نتیجہ کی طرف منتقل نہین ہوتا، بعض کا ذہن جلدی سے منتقل ہوتا ہی بعض کا اس سے بھی زیادہ وہکذا الی غیر النہایۃ۔

حدس کا جو سب سے انتہائی درجہ ہے وہ نبوت کا خاصہ ہے، نبی کو جو اشیا کا علم ہوتا ہی مقدمات کی ترتیب اور استنباط سے نہین ہوتا بلکہ خود بخود دفعۃً اُس کے دل مین القا ہوجاتا ہے

یہان یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ قوت نبی کے سوا اور لوگون مین بھی ہوتی ہی، جو شخص کسی فن کا ماہر ہوتا ہے اس فن کے متعلق اکثر امور دفعۃً اسکے ذہن مین آجاتے ہین، تو نبی کو ترجیح کیا ہوئی؟ اس کا

جواب یہ ہی کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس قوت مین اختلافِ مدارج ہی تو نبوت کا خاتمہ وہ حد ہی جو ان مدارج کی اخیر انتہا ہے ؎

نبوت کا تیسرا خاصہ یہ امر بداہتہً ثابت ہی کہ خیال اور تصور کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔ انسان پر جب خوف طاری ہوتا ہی تو جسم پر ایک خاص حالت طاری ہوتی ہے غصہ کی حالت مین دوسرا اثر ہوتا ہی ایک محبوب صورت کا خیال دل مین آتا ہے تو اعضا مین ایک اور قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قواے نفسانی، جسم پر اثر کرتے ہین، اب جس طرح نفس کا اثر اپنے جسم پر ہوتا ہی ممکن ہی کہ بعض نفوس اسقدر قوی ہون کہ انکا اثر صرف اُن کے جسم پر محدود نہ ہو بلکہ اور اجسام پر بھی اثر کرین جس سے تبرید۔ یا تحریک۔ یا تسکین۔ تا تکثیف، یا تلیین، حاصل ہو اور اسکا یہ نتیجہ ہو کہ بادل پیدا ہو جائین، یا زلزلہ آجائے یا چشمہ جاری ہو جائے۔

اس قسم کی قوت جن نفوس مین ہوتی ہے وہ اگر نیک، اور پاکیزہ اخلاق ہون تو یہ افعال معجزہ یا کرامت کہلاتے ہین، ورنہ سحر اور جادو، یہ قوت تزکیہ نفس اور ریاضت سے ترقی کر سکتی ہی۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ یہ امور فرضی نہین ہین، بلکہ چونکہ تجربون سے انکا ثبوت ہوا ہی اس لئے اُن کے اسباب سے بحث کی گئی، اگر کسی شخص مین یہ قوت خود موجود ہو، اور وہ ان افعال کے اسباب پر غور کرے تو اسکو وجدان اور دلیل دونون حاصل ہون گے۔

خاتمہ نوع بشری مین سب سے افضل وہ ہے جس کی قوت حدسیہ اسقدر قوی ہو کہ اُس کو تعلم و تعلیم کی بالکل حاجت نہ ہو اور قوت متخیلہ اسقدر صحیح اور مضبوط ہو کہ محسوسات اُس کو اپنی طرف متوجہ نہ کرنے پائین، بلکہ نفس سے جو ادراکات پیدا ہوتے ہین وہ مجسم ہو کر سامنے آئین۔

اور قوت نفسانی اسقدر قوی ہو کہ عالم اجسام پر اثر ڈال سکے یہان تک کہ اجرام علوی بھی اسکے دسترس
مین آجائین۔

اس درجہ سے اُتر کر وہ شخص ہے جسمین صرف دو پہلی باتین ہون، اس سے کم وہ جس کی صرف قوت
نظری قوی ہو، اُس سے کم وہ جسکی صرف قوت عملی قوی ہو۔

جس شخص مین تینون باتین پائی جائین وہ گویا شہنشاہ ہے، عالم علوی سے اسکو یہ نسبت ہے کہ جب
چاہے اس عالم مین شامل ہو جائے عالم نفسانی کا وہ گویا رہنے والا ہے، اور عالم اجسام پر جس قسم کا
چاہے تصرف کر سکتا ہے۔

اس سے کم درجہ پر جو شخص ہے وہ دوسرے درجہ کا بادشاہ ہے، اس سے کم درجہ کے لوگ
شرفاے امت ہین۔

جنمین کسی قسم کی قوت نہ ہو لیکن اخلاق حسنہ سے متصف ہونے کی قابلیت ہو وہ اذکیاے امت
ہین جو عام آدمیون سے ممتاز ہین۔